الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

آسمانِ علم و زُہد کا چمکتا ستارہ، عبادت و فقر کا نمونہ، اولیاء اللہ میں مقامِ اولین کی حامل،
عِشقِ الٰہی کا نشان، عصمت و عِفت کا نمونہ

The Story of Hazrat Rabia Basri
For those in search of a teacher

قلندرِ اکمل

سیرت حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ

معاذ ہاشمی

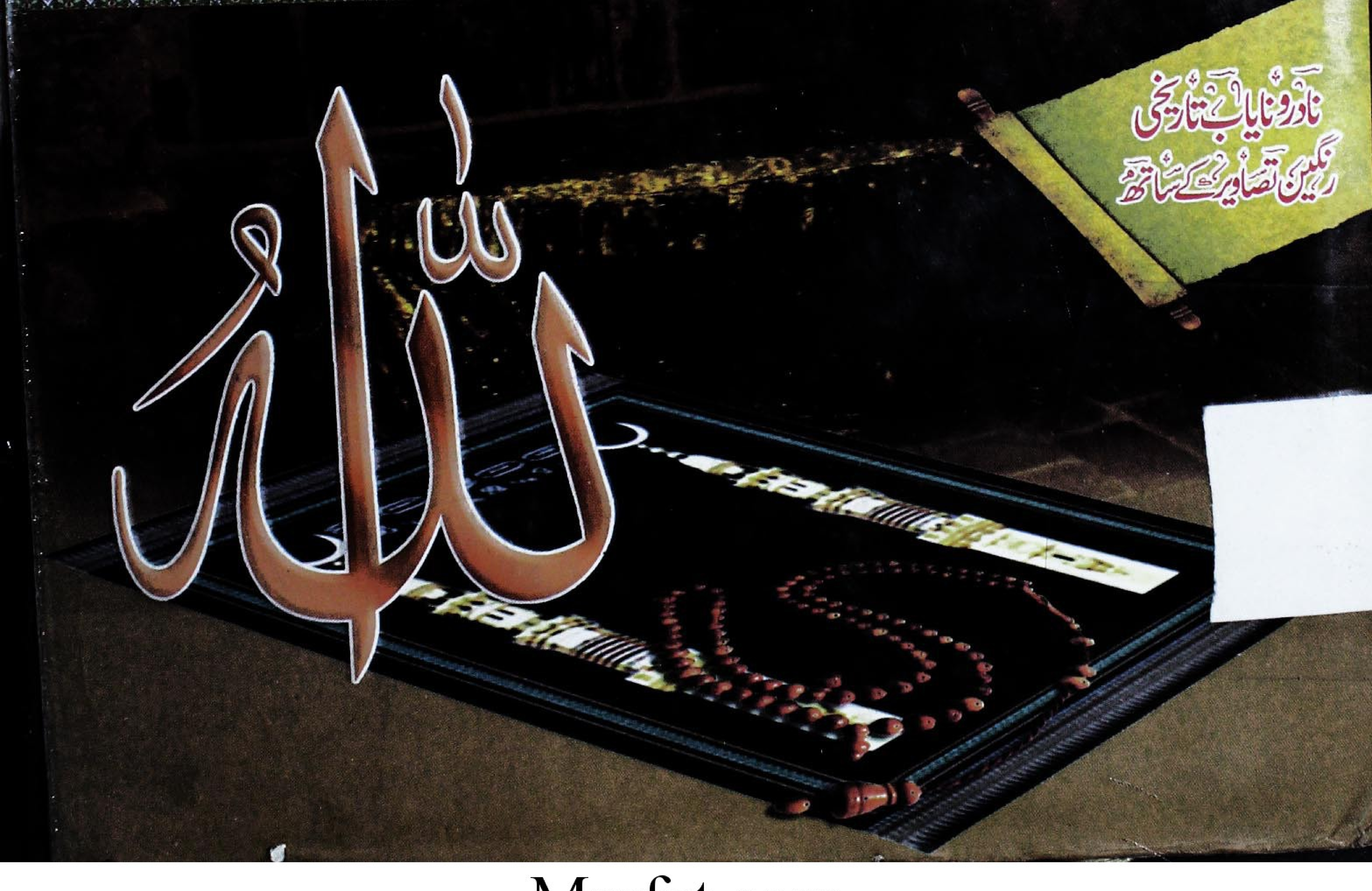

Marfat.com

Marfat.com

آسمانِ علم وزہد کا چمکتا ستارہ، عبادت وفقر کا نمونہ، اولیاء اللہ میں مقام
اولین کی حامل، عشقِ الٰہی کا نشان، عصمت وعفت کا نمونہ

قلندرِ اکمل

سیرت حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

مصنف

معاذ ہاشمی

دعا پبلی کیشنز

الحمد مارکیٹ اُردو بازار لاہور فون 042-37233585

E-mail: duapublications@yahoo.com

Marfat.com

اے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔

ہماری کتابیں، معیاری کتابیں، پیاری کتابیں

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

ناشر : زاہد شیخ

نام کتاب	سیرِ حضرت رابعہ بصریؒ
مصنف	معاذ ہاشمی
تزئین واہتمام	معاذ ہاشمی
پکچرز ایڈیٹنگ	محمد عامر رشید / معظم جاوید
سرورق	حامد رؤف / محمد ذیشان صدیقی
مطبع	مجاہد پرنٹنگ پریس
مارکیٹنگ ایگزیکٹو	عقیل باقر
سن اشاعت	2017ء
ٹائٹل خطاطی	محمد عارف نوشاہی

ضروری گزارش

ایک مسلمان، قرآن مجید، احادیث اور دیگر دینی کتب میں عمداً غلطی کا تصور نہیں کر سکتا۔ سہواً جو اغلاط ہوگئی ہوں، اس کی تصحیح و اصلاح کا انتہائی اہتمام کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ہر کتاب کی تصحیح پر ہم زر کثیر صرف کرتے ہیں۔ تاہم انسان، انسان ہی ہے۔ اگر اس اہتمام کے باوجود بھی کسی غلطی پر آپ مطلع ہوں تو اسی گزارش کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں فوری مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے اور آپ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى کے مصداق بن جائیں۔

جزاکم اللّٰہ تعالٰی جزاءً جمیلاً جزیلاً

والسلام

مفتی عاصم زبیر ہاشمی

محکمہ جیل خانہ جات حکومت پنجاب

خوبصورت اور معیاری کتاب چھپوانے کے لئے رابطہ کریں۔ زاہد شیخ 0300-9476417

Marfat.com

حضرت رابعہ بصریؒ کی عقیدت میں قاہرہ (مصر) میں ایک تاریخی مسجد

Marfat.com

آپ کا آقا آپ سے انتہائی سخت محنت ومشقت کا کام لیتا تھا۔اس کے باوجود آپ دن بھر کام کرتیں اور رات بھر عبادت کرتی رہتیں اور دن میں بھی اکثر روزے سے ہوتیں۔ اتفاقاً ایک دفعہ رابعہ بصریؒ کا آقا آدھی رات کو جاگ گیا اور کسی کی گریہ وزاری کی آواز سن کر دیکھنے چلا کہ رات کے اس پہر کون اس طرح گریہ وزاری کررہا ہے! وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ رابعہ بصریؒ اللہ کے حضور سربسجود ہیں اور نہایت عاجزی کے ساتھ کہہ رہی ہیں:

"اے اللہ! تو میری مجبوریوں سے خوب واقف ہے۔گھر کا کام کاج مجھے تیری طرف آنے سے روکتا ہے۔تو مجھے اپنی عبادت کیلئے پکارتا ہے مگر میں جب تک تیری بارگاہ میں حاضر ہوتی ہوں، نمازوں کا وقت گزر جاتا ہے۔اس لئے میری معذرت قبول فرمالے اور میرے گناہوں کو معاف کردے۔"

اپنی کنیز کا یہ کلام اور عبادت کا یہ منظر دیکھ کر حضرت رابعہ بصریؒ کا آقا خوفِ خدا سے لرز گیا۔اس نے یہ فیصلہ کیا کہ ایسی اللہ والی کنیز سے اپنی خدمت کروانے کی بجائے بہتر یہ ہوگا کہ خود اس کی خدمت کی جائے۔صبح ہوتے ہی وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے فیصلے سے آپ کو آگاہ کیا۔اس نے کہا کہ آج سے آپ میری طرف سے آزاد ہیں۔ اگر آپ اسی گھر میں قیام کریں تو میری خوش نصیبی ہوگی ورنہ آپ اپنی مرضی کی مالکہ ہیں، تاہم اگر آپ یہاں سے کوچ کر جانے کا فیصلہ کرتی ہیں تو میری بس ایک درخواست ہے کہ میری طرف سے کی جانے والی تمام زیادتیوں کو اس ذات کے صدقے معاف کردیں جس کی آپ راتوں کو جاگ جاگ کر عبادت کرتی ہیں۔

LIBRARY

Marfat.com

خواجہ حسن بصریؒ، رابعہ بصریؒ کے مرشد تھے، فقر، نفی ذات اور عشقِ الٰہی اُن کے ساتھی تھے۔ حضرت حسن بصریؒ کے مزار اور مرقد کا منظر

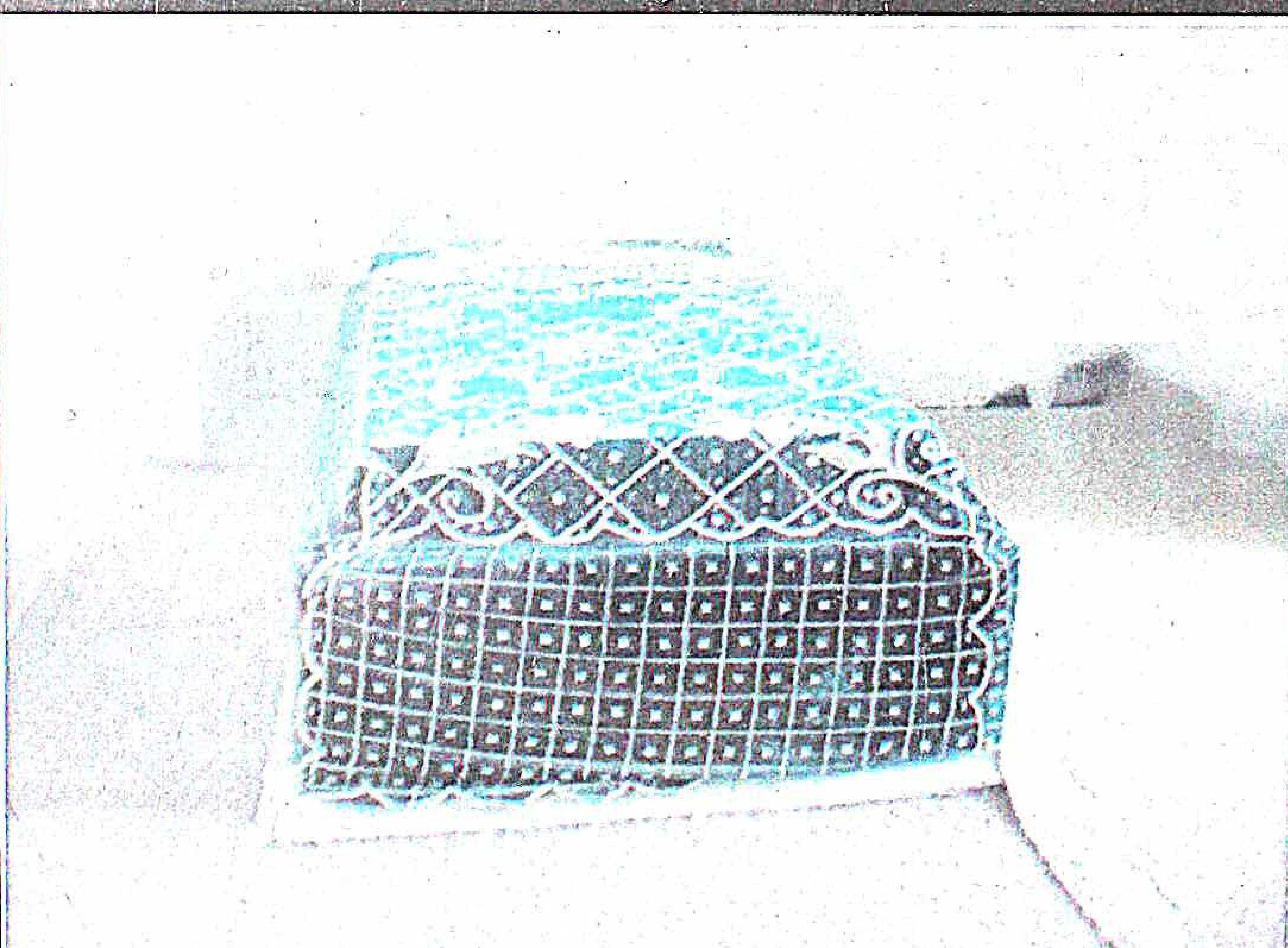

Marfat.com

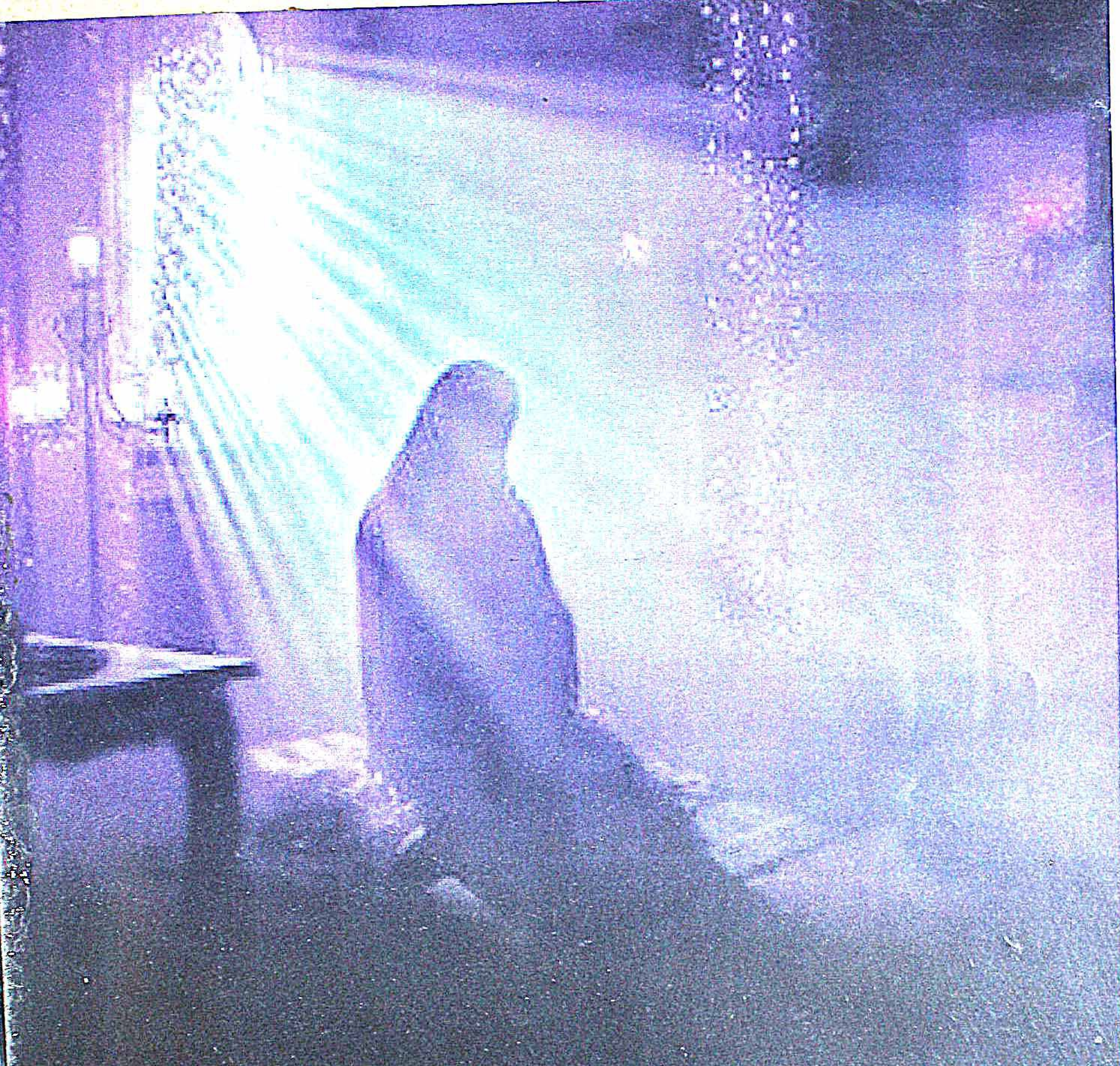

اُحِبُّکَ حُبَّیْنَ حُبَّ الْھَوٰی   وَحُبًّا لِاَنَّکَ اَھْلٌ لِذَا کَا

میں تجھ سے دو طرح کی محبت کرتی ہوں ایک محبت بر بنائے محبت اور دوسری ایسی محبت جس کا تو مستحق ہے۔

فَاَمَّا الَّذِیْ ھُوَ حُبُّ الْھَوٰی   فَشُغُلِیْ بِذِکْرِکَ عَمَّنْ سِوَاکَا

یعنی محبت بر بنائے محبت   تو وہ یہ ہے کہ تجھے یاد کرتی ہوں اور تیرے ماسوا کو بھول جاؤں

وَاَمَّا الَّذِیْ اَنْتَ اَھْلٌ لَّہٗ   فَکَشْفُکَ لِی الْحَجْبَ حَتّٰی اَرَاکَا

اور وہ محبت جس کا تُو مستحق ہے   تو یہ جبھی کامل ہوسکتی ہے کہ تو پردے اٹھادے اور میں تجھے دیکھ لوں

فَلَا الْحَمْدُ فِیْ ذَا وَلَا ذَاکَ لِیْ   وَلٰکِنْ لَکَ الْحَمْدُ فِیْ ذَا وَذَا

ان دونوں محبتوں کے لیے میں مستحقِ تعریف نہیں   قابلِ حمد تُو ہی ہے کہ تُو نے مجھے دونوں محبتوں سے سرفراز فرمایا

Marfat.com

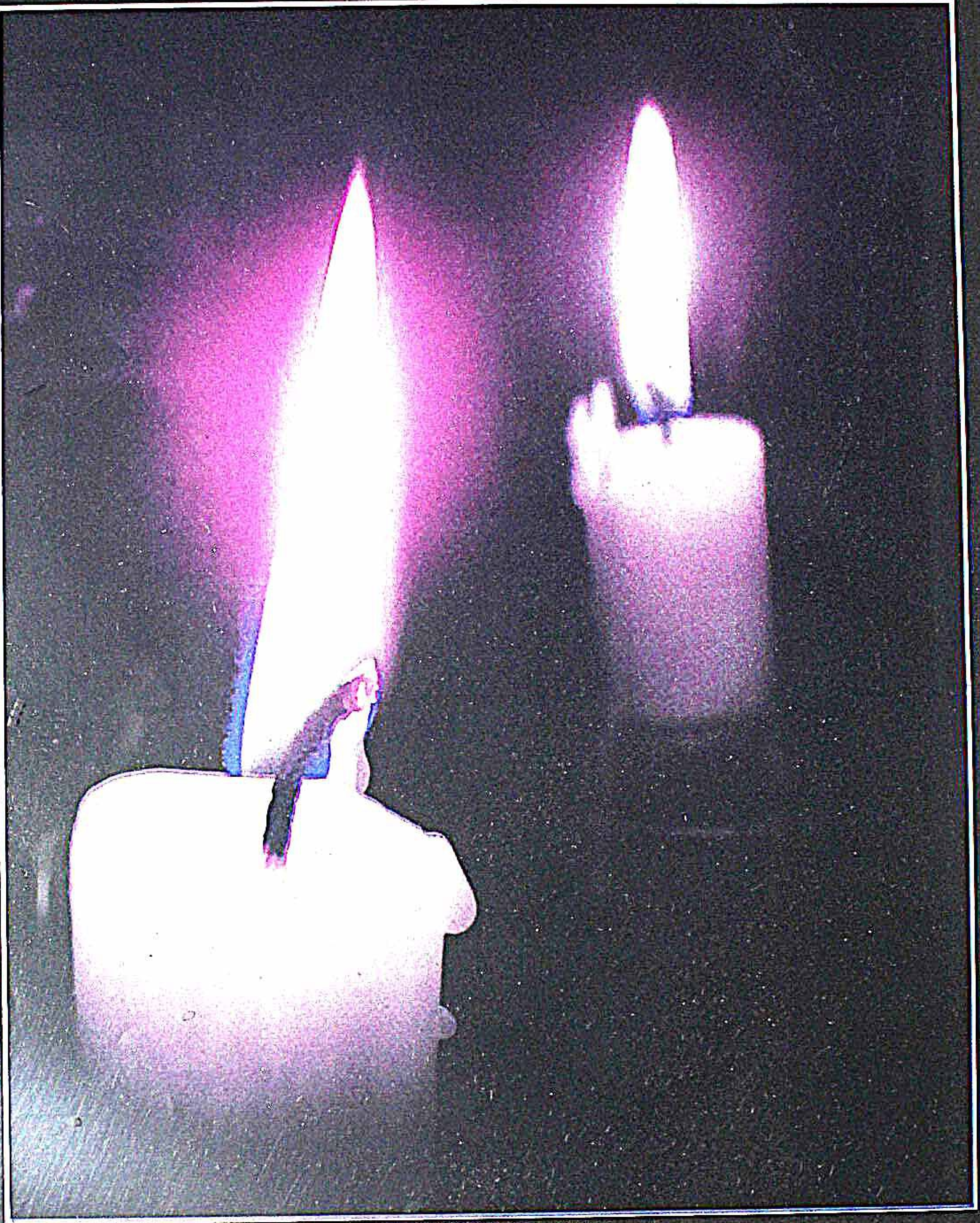

عبدہؒ بنت ابی شوال جو کہ بہت ہی اچھی اللہ تعالی کی بندی اور حضرت رابعہؒ کی خدمت گزار تھیں کا کہنا ہے کہ رابعہؒ ساری رات نماز پڑھتی رہتی اور جب طلوعِ فجر ہوتی تو اپنی نماز والی جگہ پر ہی تھوڑی دیر کے لیے سو جاتیں حتی کہ فجر کی سفیدی پیدا ہو جاتی تو میں سن رہی ہوتی کہ وہ اپنی سونے والی جگہ سے گھبرائی ہوئی ہڑ بڑا کر یہ کہتی ہوئی اُٹھتیں کہ میری جان کتنا دیر سوتی رہو گی ؟ کتنی دیر تم قیلولہ کرتی رہو گی، ہو سکتا ہے کہ تم سو جاؤ اور پھر اٹھنا نصیب ہی نہ ہو اور میدانِ محشر میں جانے کے لیے ہی اٹھو۔ عبدہؒ کہتی ہیں کہ حضرت رابعہؒ کی یہی عادت رہی حتی کہ انہیں موت نے آلیا۔

Marfat.com

رابعہ بصریؒ نے گوشہ نشینی اور ترکِ دنیا کے شوق کے لیے آزادی ملنے کے بعد صحراؤں کا رخ کیا۔ وہ دن رات معبودِ حقیقی کی یاد میں محو ہو گئیں۔ اُن کے پاس صرف ایک ٹوٹا ہوا برتن، ایک پرانی دری اور ایک اینٹ تھی، جس سے وہ تکیہ کا کام لیتی تھیں۔ وہ تمام رات عبادت و ریاضت میں گزار دیتی تھیں اور اس خوف سے نہیں سوتی تھیں کہ کہیں عشقِ الٰہی سے دور نہ ہو جائیں۔

Marfat.com

قرونِ اولیٰ کی معروف صوفی شخصیت رابعہ بصریؒ کی پیدائش 95ھ سے 99ھ کے دوران عراق کے شہر بصرہ میں ہوئی۔ آپ کی ابتدائی زندگی کی زیادہ تر تفصیلات شیخ فریدالدین عطارؒ نے بیان کی ہیں۔ اسلامی ادب میں رابعہ بصریؒ سے جڑی بے شمار روحانی کرامات کے واقعات ملتے ہیں، جن میں سے کچھ خودساختہ بھی ہیں۔ رابعہ بصریؒ نے خود کوئی تحریری کام نہیں چھوڑا، چنانچہ ان سے متعلق زیادہ تر شیخ فریدالدین عطارؒ کی طرف سے بیان کی گئی معلومات وحوالہ جات کو مستند مانا جاتا ہے، جوان کے بعد کے زمانے کے ولی اور صوفی شاعر تھے۔ فریدالدین عطارؒ، 46-1145ء میں ایران کے شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے اور 1221ء میں وفات پائی۔ آپ کا اصل نام ابوحمید ابن ابوبکر ابراہیم تھا مگر وہ اپنے قلمی نام فریدالدین اور شیخ فریدالدین عطارؒ سے زیادہ مشہور ہیں۔ عطار کا لفظی مطلب "ادویات کے ماہر" کا ہے جو آپ کا پیشہ تھا۔ اس کے علاوہ آپ فارسی نژاد مسلمان شاعر، صوفی اور ماہرِ علومِ باطنی تھے۔ آپ کا علمی خاصہ اور اثر آج بھی فارسی شاعری اور صوفیانہ رنگ میں نمایاں ہے۔

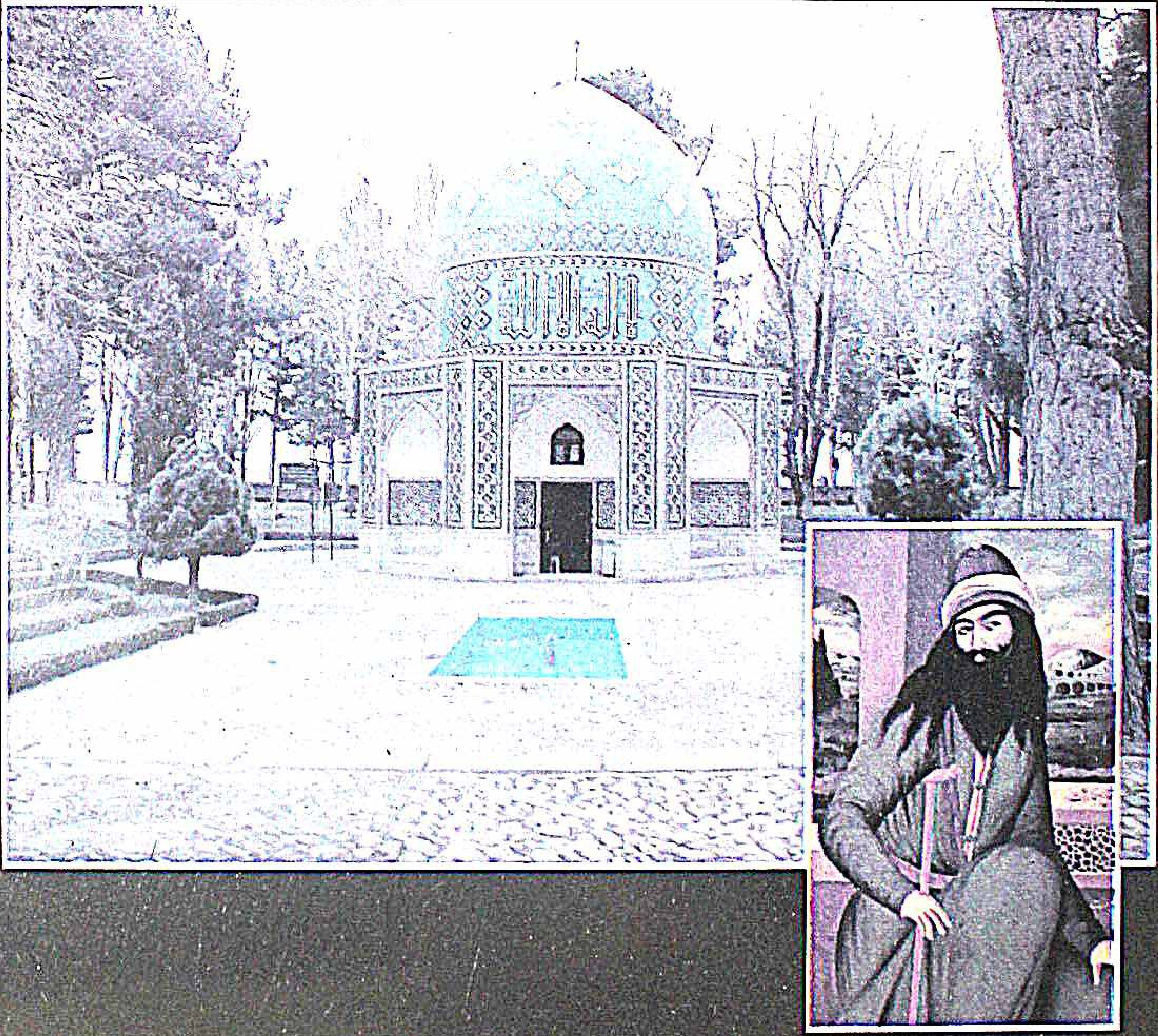

Marfat.com

جیسے جیسے رابعہ بصریؒ کی شہرت بڑھتی گئی، آپؒ کے معتقدین کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ آپ نے اپنے وقت کے جیّد علماء ومحدثین اور فقہا سے مباحثوں میں حصہ لیا۔ رابعہ بصریؒ کی بارگاہ میں بڑے بڑے علماء نیازمندی کے ساتھ حاضر ہوا کرتے تھے۔ ان بزرگوں اور علماء میں سرفہرست حضرت امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم عصر تھے اور جنھیں 'امیر المومنین فی الحدیث' کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ امام سفیان ثوریؒ کا ائمہ مجتہدین میں بھی شمار ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ معاصر فقہا میں حلال وحرام کے مسائل کو ان سے زیادہ جاننے والا کوئی اور نہ تھا۔ علم وراثت میں بھی سند سمجھے جاتے ہیں۔ جن ائمہ فقہ وحدیث کو زمرۂ تبع تابعین کا گل سرسبز کہا جاسکتا ہے، ان میں ایک امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ بھی ہیں، جو ایک جُدا فقہی مسلک کے بانی تھے، گو ائمہ اربعہ کے مسلک کے سامنے یہ مسلک زیادہ دن تک زندہ نہ رہ سکا؛ مگر اس کے باوجود فقہ وحدیث کی تمام قدیم کتابوں میں ائمہ رابعہ کے ساتھ سفیان ثوریؒ کی آرا اور مجتہدات کا ذکر بھی ملتا ہے، حدیث کی مشہور کتاب ترمذی ہی کو اٹھا کر دیکھ لیجیے، قریب قریب ہر باب میں وعلیہ سفیان الثوری وغیرہ کے الفاظ آپ کو ملیں گے، اس عہد میں جن بزرگوں کو قرآن اور اس کی تفسیر وتاویل سے خاص شغف تھا اور جنھوں نے اس فن میں اپنی تحریری یادگاریں بھی چھوڑیں ان میں امام موصوف بھی تھے، تذکرہ نگاروں نے امام کو بحیثیت فقیہ اور محدث تو پیش کیا ہے؛ مگر "طبقات المفسرین" میں ان کا شمار نہیں کیا ہے؛ حالانکہ اس فن میں ان کا کارنامہ سفیان بن عیینہؒ، وکیع بن جراحؒ، اسحاق بن راہویہؒ سے کم نہیں تھا، حیرت ہے کہ ان بزرگوں کو تو مفسرین کی فہرست میں جگہ دی گئی ہے اور سفیان ثوریؒ کو اس شرف سے محروم رکھا گیا۔

Marfat.com

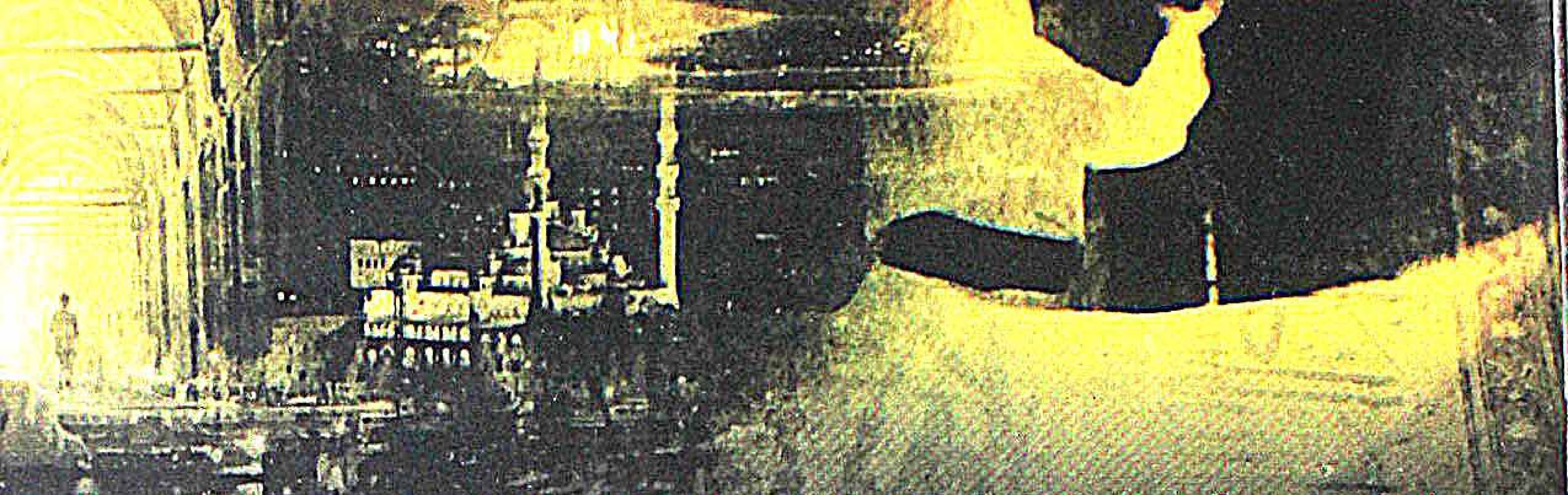

یا سُرورِی وَمُنیتی وَعِمادِی
اے میرے سرور! میرے مقصود! میرے سہارے!

وَانیسی وَعُدَّتی وَمُرادِی
اے میرے انیس! اور اے میری متاع ومراد!

اَنتَ رُوحُ الفوادِ اُنتَ رَجائی
تُو میری جان ہے تُو میری اُمید ہے

اَنتَ لی مونسٌ ویتوقک زادِی
تُو میرا مونس ہے اور تیری محبت میرا توشہ ہے

کَم بَدَتَ مِنَّۃٌ وَکَم لکَ عِنْدِی
مجھ پر تیرے کس قدر احسانات ہیں

مِنْ عَطَاءِ ونِعُمَۃِ وَّ اَیَادِی
اور کتنے عطیات، نعمتیں اور بخششیں ہیں

حُبُکَ الآن یُغُیَتِی وَ نَعِیُمی
اب تو تیری ہی محبت میری راحت وآرزو ہے

وَجِلاءُ بِعیُنِ قلُبی الصَّادِی
اور میرے پیاسے دل کی آنکھ کی جِلا ہے

لَیُسَ لِی عَنکَ مَا حَییتُ بَرَاحٌ
میں جب تک زندہ ہوں تجھے ایک پل بھول نہیں سکتی

اَنُتَ مِنّی ممکّن فی السوادِ
تو میرے سویدائے قلب میں متمکن ہے

اِن تکُنُ راضیا عَلیَّ فاِنّی
اگر تو مجھ سے راضی ہے تو اے

یامُنی القَلُبِ قد بدا اسعادِیُ
آرزوئے دل! میں بڑی خوش نصیب ہوں

راحَتِی یا اِخُوَاتِی فِی خَلوَتِی
اے میرے بھائیو! مجھے خلوت ہی میں راحت ملتی ہے

وَحَبِیُبِیُ دَائِما فِی حَضرَتِی
کیونکہ میرا دوست ہردم میرے سامنے رہتا ہے

لَمُ اَجِدلِی عَنُ هواهُ عوضاً
میں نے اس کی محبت سے بہتر کوئی بدل نہیں پایا

وَهواهُ فِی البَرَایا مِحُنتی
اور اسی کی محبت دنیا میں میرا مطمح نظر ہے

اِنُ اَمُتُ رَجُداً وَمَا ثُمَّ رِضاً
اگر میں غمِ عشق سے مرجاؤں اور وہ راضی نہ ہو

وَاعِنَائی فی الوَرٰیُ واشقرتیُ
تو صد افسوس ہے میری بدبختی اور میری جان کاہی پر

وَهَجَرُتُ الُخَلقَ جَمُعًا اَرُتَجِیُ
میں نے ساری مخلوق کو اس امید پر چھوڑا ہے

مِنکَ وَصلاً فَهُوَ اَقصٰی مُنُیَتی
کہ تیرا وصل میسر آئے کیونکہ یہی میری سب سے بڑی آرزو ہے

Marfat.com

كَاسِىْ وَخَمْرِىْ وَالنَّدِيْمُ ثَلَاثَةٌ
جام، شراب اور ندیم ان تینوں کے درمیان

وَاَنَا الْمَشُوقَةُ فِى الْمَحبَّةِ رَابِعَه
میں وارفتہ محبت چوتھی ہوتی ہوں

كَاسُ الْمَسَرَّةِ وَالنَّعِيْمِ يُدْبِرُهَا
سرور وراحت کے پیالے کا دور

سَاقِى الْمُدَامِ عَلَى الْمَدىٰ مُتَتَابِعَه
ساقی پے در پے چلاتا رہتا ہے

فَاِذَا نَظَرْتُ فَلَا اَرىٰ اِلَّا لَهٗ
جب میں نگاہیں اُٹھاتی ہوں تو اُسی کو دیکھتی ہوں

وَاِذَا حَضَرْتُ فَلَا اَرىٰ اِلَّا مَعَهٗ
اور جب میں ہوتی ہوں تو اُسی کے ساتھ ہوتی ہوں

يَا عَاذِلِى اِنِّى اُحِبُّ جَمَالَهٗ
اے ناصح مجھے اس کے جمال سے محبت ہے

تَاللّٰه مَا اُذُنِى لِعَذْلِكَ سَامِعَه
واللہ میرے کان تیری نصیحت سے بہرے ہیں

كَمْ بِتُّ مِنْ حُرَقِىْ وَفَرْطِ تَعَلُّقِىْ
میں نے کتنی راتیں اُس کی محبت میں جلتے ہوئے گزار دی ہیں

اَجْرِىْ عُيُوْنًا مِنْ عُيُوْنِى الدَّامِعَه
کہ میری آنکھیں آنسوؤں کے دریا بہا رہی تھیں

لَا عَبْرَتِىْ تَرْقَا وَلَا وَصْلِىْ لَهٗ
نہ میرے آنسو تھمے نہ وصل دائم رہا

يَبْقَى وَلَا عَيْنِى الْقَرِيْحَةُ هَاجِعَه
نہ میری زخمی آنکھ پل بھر کے لیے جھپکی

Marfat.com

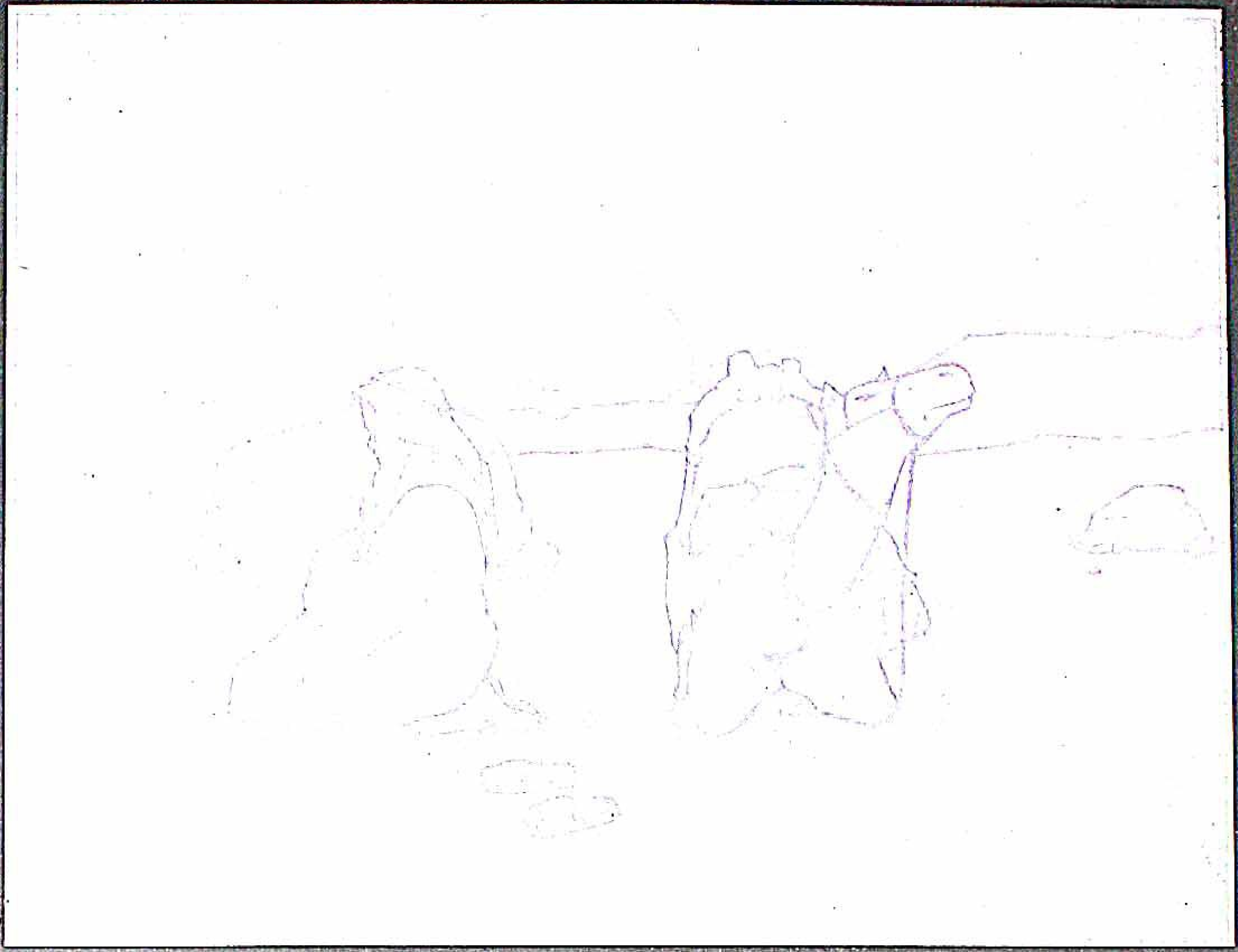

صوفی بزرگ، ابراہیم بن ادہم بن منصور بن یزید رحمۃ اللہ علیہ بلخ کے بادشاہ تھے مگر انھوں نے تمام عیش و عشرت کو چھوڑ کر مسکینی اور خدا طلبی کی راہ اپنائی تھی اور تارک الدنیا ہو گئے اور صحرا نوردی کرتے ہوئے نیشاپور کے نواح میں پہنچ گئے وہاں ایک غار میں نو سال تک مصروف ریاضت رہے پھر مکہ معظمہ چلے گئے۔ اس سفر میں آپ ہر قدم پر دو نفل نماز ادا کرتے تھے۔ یوں یہ سفر طویل مدت میں اختتام پذیر ہوا۔ مکہ میں آپ کی ملاقات حضرت رابعہ بصریؒ سے ہوئی جنہوں نے آپ کے اس عمل پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اسے دنیا کا دکھلاوا قرار دیا۔ کچھ عرصہ تک وہیں عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو بہت سے بزرگانِ دین سے شرفِ نیاز حاصل رہا سفیان ثوریؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے آپ کی ملاقاتیں رہیں۔ بیعت و خلافت آپ نے فضیل بن عیاضؒ سے پائی۔ اسی کے ساتھ امام باقرؒ، خواجہ عمران بن موسیٰ بن زید الراعیؒ، شیخ منصور السلمیؒ اور خواجہ اویس قرنیؒ سے بھی خرقہ خلافت پایا تھا۔ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول آپ رحمۃ اللہ علیہ فقراء کے تمام علوم و اسرار کی کنجی ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے کہ جب گناہ کا ارادہ کرو تو خدا کی بادشاہت سے باہر نکل جاؤ۔

Marfat.com

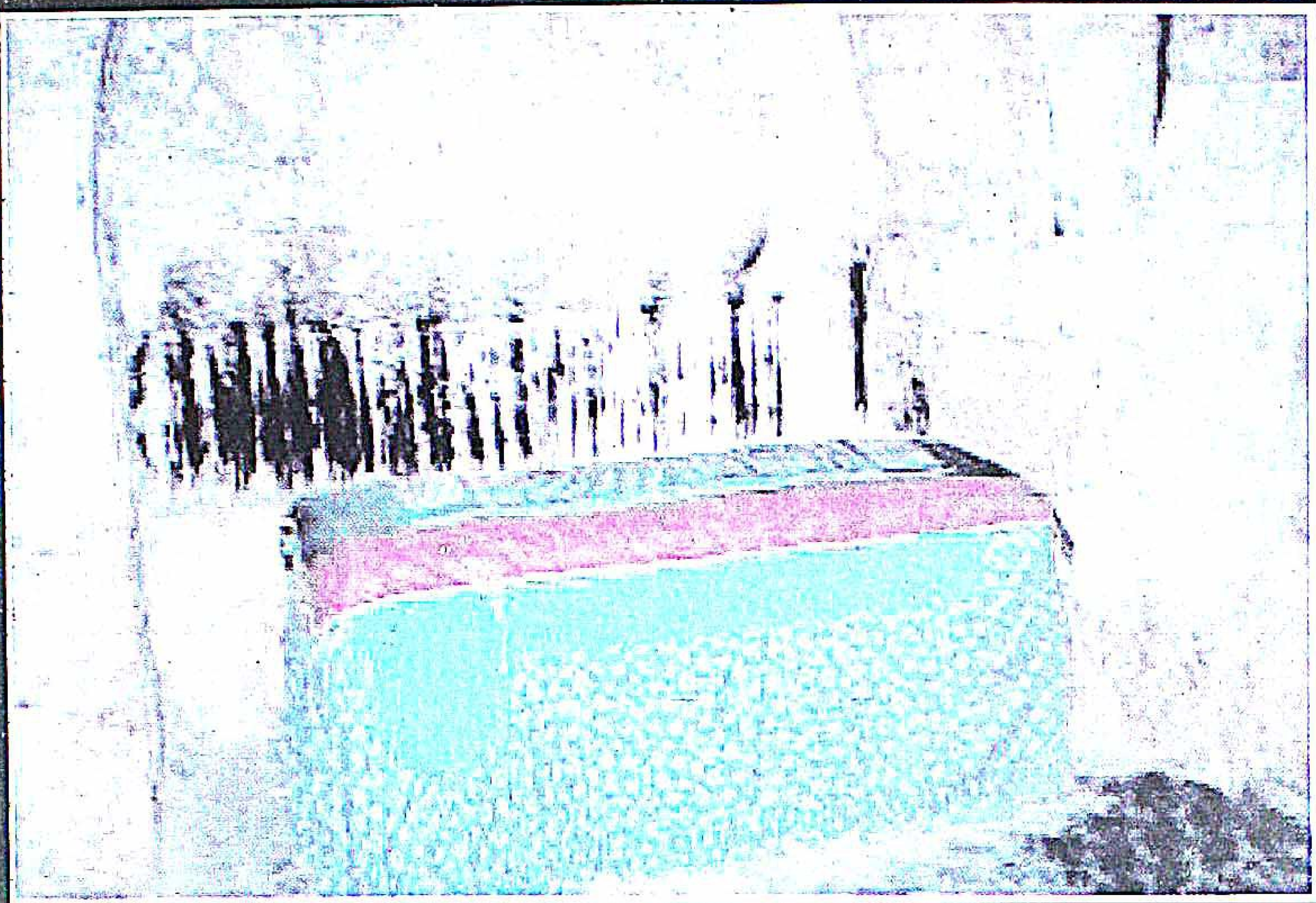

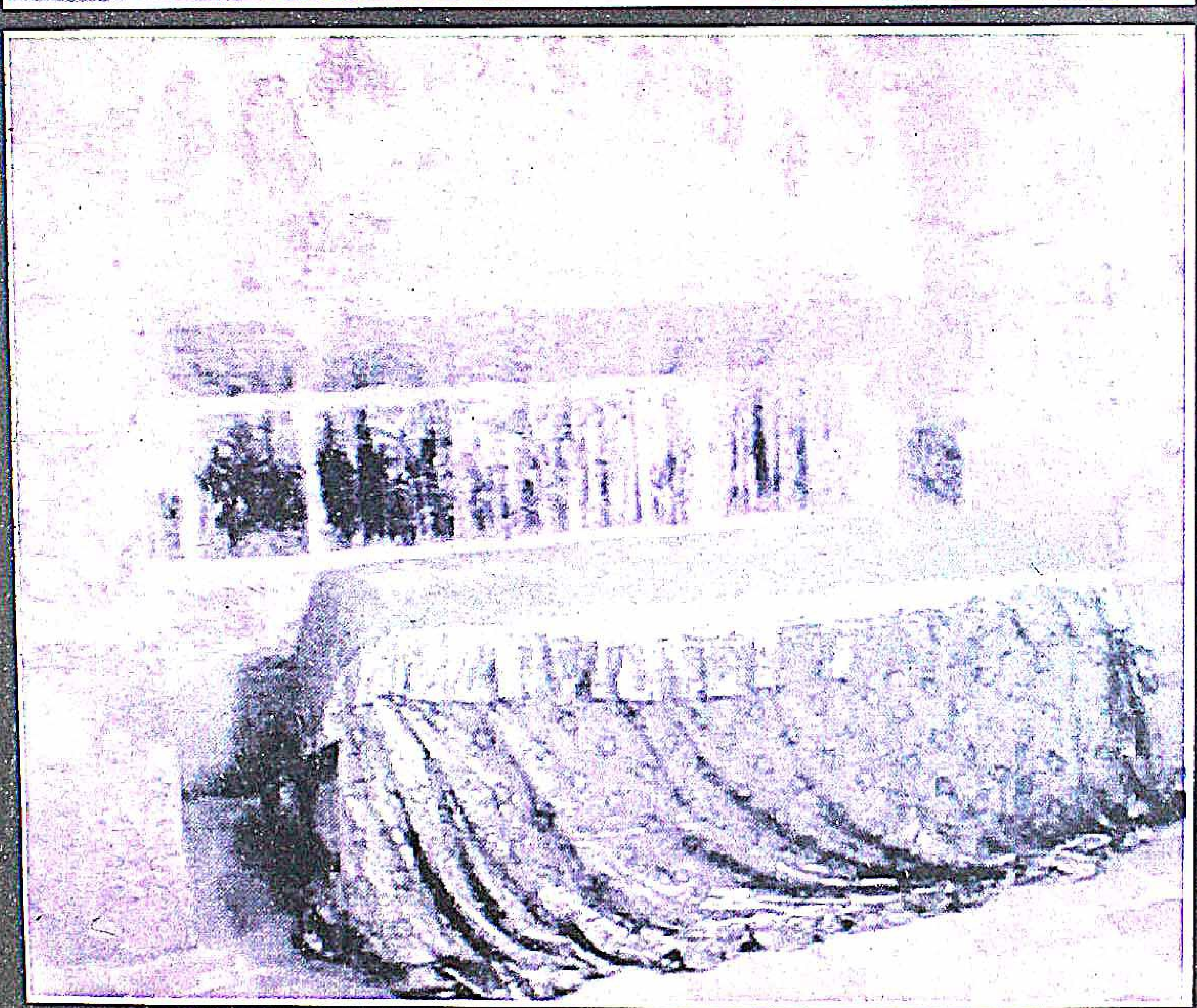

کوہ زیتون پر حضرتِ رابعہ بصریؒ کا مرقد۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ اسی مقام پر حضرت حولدہ علیہا السلام جو کہ بنی اسرائیل پر نبیہ مبعوث ہوئیں، اور عیسائیت کی محترم خاتون سینٹ پلیگا بھی مدفون ہیں۔ یوں تین عظیم مذاہب کی تین نیک اور عظیم خواتین ایک ہی مقام پر مدفون ہیں۔

Marfat.com

حسنِ ترتیب

مقدمہ 21

باب اول

حضرت رابعہ بصری ؒ کی ولادت اور ابتدائی زندگی .... 23 تا 26

باب دوم

جزیرہ نما عرب: حضرت رابعہ ؒ کے دورِ حیات میں .... 27 تا 66

باب سوم

حضرت رابعہ بصری ؒ دورِ غلامی میں .... 67 تا 69

باب چہارم

آزادی کے بعد .... 71 تا 74

باب پنجم

محبت الٰہی کے راستے پر .... 75 تا 132

باب ششم

حضرت رابعہ بصری ؒ اور ان کے ہم عصر بزرگانِ دین .... 133 تا 145

باب ہفتم

تصوف کیا ہے؟ .... 147 تا 217

* صوفی نام کیسے رائج ہوا؟ * اسلام میں تصوف * اسلامی تصوف کے مآخذ
* تصوف کی ایک تاریخ یہ بھی ہے * تصوف کے نظریات * تصوف کا باطنی نظام
* قطب * قطب مدار اور فرد میں فرق * بارہ قطب جو ہر اقلیم میں ہوتے ہیں
* قطبوں کے اوراد (واحد۔ ورد) * قطب مدار اور دیگر قطبوں کے مراتب * ابدالوں
کا بیان * اخیار * نقیب و نجیب * اصطلاحاتِ تصوف * مجاہدۂ نفس * سکر و صحو

Marfat.com

* بقا اور فنا * جمع وتفرقہ * کامل تر انسان * حال اور وقت کا فرق * مقام و تمکین کا فرق * تلوین * محاضرہ ومکاشفہ * قبض وبسط * انس و ہیبت * قہرولطف * علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین * نفی اور اثبات * مسامرہ اور محادثہ * شریعت و حقیقت * علم اور معرفت * الخاطر الواقع * الاختیار * الامتحان * البلاء * التحلی * التجلی * التخلی * الشرود * القصود * الاصطناع * الاصطفا * الاصطلام * الرین * الغین * التلبیس * الشرب * الذوق * نوع آخری * نوع دیگر * روح کے مقامات * انسانی بدن اور روح * زہد * توکل * سماع اور وجد * شطحیات۔

باب ہشتم

تعلیمات وارشاداتِ حضرت رابعہ بصری ؒ .... 219 تا 220

باب نہم

حضرت رابعہ بصری ؒ کی رحلت .... 221 تا 223

کتابیات 224

Marfat.com

انتساب

محترم سہیل وڑائچ

کے نام

Marfat.com

ثواب اور مغفرت کی امید اس وقت رکھو جب نیک اعمال اور عبادت کثرت کے باوصف کم تر نظر آئیں۔

(حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا)

Marfat.com

مقدمہ

ذکر اس خاتون کا جس نے ”عشق الٰہی“ میں مثال قائم کی۔ محبت الٰہی میں ایسی ڈوبی کہ اس کا نام تمثیلاً عشق الٰہی کے لئے مخصوص ہو گیا۔

رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ایک ایسی بابرکت، پاکیزہ اور پُرنور ہستی جس نے عورت کو فخر اور عزت کا مقام دیا۔

اللہ کی اس ولیہ کا تذکرہ جس نے بڑے بڑے اولیا کو نورِ حق سے روشناس کرایا اور رہتی دنیا تک ایک ایسی مثال قائم کی جس کے مقابلے میں کوئی اور مثال لانا ممکن نہیں۔

اللہ کی اس نیک بندی نے علم و حکمت کا وہ فیضان ملت اسلامیہ کو بخشا جس نے راہِ حق کے لاکھوں مسافروں کو سیدھی راہ دکھلائی۔ اس کی زندگی نہ صرف عام انسانوں بلکہ اولیا کے لئے بھی مشعل راہ ہے۔

”تصوف“ کے آئمہ میں سے پہلی اور واحد خاتون، جس نے اس راہ کی بنیاد رکھی۔ وہ ان لوگوں میں نہ صرف شامل ہے بلکہ اولین میں سے ہے، جس نے عشق الٰہی میں ڈوب کر ایک ایسی راہ کھول دی جو ”خالص“ اللہ کی طرف جاتی ہے۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت یافتہ اس نیک خاتون نے راہِ حق میں وہ نور بکھیرا جس کی روشنی میں چل کر عام لوگ بڑے بڑے اعلیٰ مقامات تک پہنچے۔ میری یہ کتاب اس عظیم المرتبت صوفیہ کی زندگی کو ایک حقیر سا خراجِ تحسین ہے اور شاید اپنے لئے توشۂ آخرت۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے ریاضت و مجاہدہ کی وہ مثال قائم کی جو ”راہِ حق“ کے مسافروں کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے۔ ریاضت و مجاہدہ دو رکن ہیں۔ اول مجاہدہ............ اس کے چار امور ہیں:

1- قلت کلام

2- قلت طعام

3- قلت منام

4- قلت اختلاط مع الانام

سالکانِ طریقت نے حزن و غم کو اعلیٰ درجہ کا مجاہدہ قرار دیا ہے کہ اس سے نفس کو پستی و شکستگی حاصل ہوتی ہے جو کہ آثارِ عبودیت سے ہے اور یہ امر مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے۔ یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ سالک کو جو قبض پیش آ جاتا ہے، وہ اس کے بُعد کی علامت نہیں۔ کیا عجب کہ اس کا تصفیہ و مجاہدہ مقصود ہو۔

Marfat.com

چاہئے کہ ہرگز اس کی شکایت نہ کرے بلکہ سر تسلیم خم کر کے اپنا کام کرتا رہے۔

دوسرا رکن ریاضت ہے۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اول، اخلاقِ حمیدہ میں، اور وہ چند مقامات ہیں: توبہ، صبر، شکر، خوف، رجا، توحید، توکل، محبت و شوق، اخلاق و صدق کا مراقبہ، تفکر۔ حضرت رابعہ بصری ﷫ کی زندگی ان تمام اوصاف سے پُر تھی اور وہ فنا فی اللہ ہو گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام نفسانیت کو مردہ کر کے اپنے ساتھ زندہ رکھا۔ ان کا وجود اللہ کے ساتھ قائم ہے۔ وہ اپنے آپ کو کھو چکی تھیں۔ وہ اس مقام پر پہنچ گئی تھیں جہاں وہ اپنی معلومات کی طرف مائل نہیں تھیں، نہ ہی اپنے ارادے سے کام لیتی تھیں بلکہ وہ اپنے پروردگار کی مرضی کے تابع تھیں۔

حضرت رابعہ بصری ﷫ نے زندگی بھر کوئی چیز طلب نہ کی اور نہ ہی کسی چیز کی ضرورت اور اس کی نایابی نے انہیں پریشان کیا۔ انہوں نے خدا کو ہر چیز پر ترجیح دی، اس لئے خدا نے بھی ان کو سب پر ترجیح دی۔ ان کے ایثار کا ایک ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ذاتی علم پر خدا کے علم کو اور اپنے ارادہ پر خدا کے ارادہ کو ترجیح دی۔ انہوں نے نفس کو خدا کی مرضی اور ارادے پر چھوڑ دیا۔

حضرت رابعہ بصری ﷫ پر یہ کتاب ان کی حیات و تعلیمات کے ساتھ ساتھ تصوف کے بنیادی موضوعات کا بھی احاطہ کرتی ہے۔ علاوہ ازیں پہلی اور دوسری صدی ہجری کے تاریخی واقعات بھی بیان کرتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ قارئین میری اس کاوش کو پسند فرمائیں گے۔

آخر میں علیم اقبال، قمر اقبال صوفی، عظیم احمد، شعیب بن عزیز، صفدر حسین انجم، سید اختر علی ہاشمی، سید حذیفہ حسن ہاشمی، زاہد شیخ، عدیل حق، راحیل حق اور دوسرے تمام احباب کا شکر گزار ہوں جن کی محبت اور تعاون کی بدولت میں یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب رہا۔

انجینئر محمد جمیل صاحب اولیائے کرام کے ماننے والے ہیں، ان کی محبتوں کا تذکرہ بھی لازم ہے۔ ملک فاروق منیر احمد خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔ پنجاب کے نوجوان قابل اور محنتی آفیسر برادرم اسامہ محمود حوصلہ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی زندگی میں تمام خوشیاں لائے اور اپنی رحمت خاص میں ہمیشہ رکھے۔

والسلام

معاذ ہاشمی

0300-4416761

١٤٥٣٠٧

Marfat.com

باب اول

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی ولادت اور ابتدائی زندگی

بصرہ جو آج عراق کا ایک اہم شہر اور اس کی مرکزی بندرگاہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بسایا گیا۔ مؤرخین کے مطابق، 17ھ تک عراق کی ساری مملکت مسلمانوں کے زیر تسلط آ گئی۔ کوہستان زیگرس، ایران اور اسلامی مملکت کی حد بن گیا۔ جزیرہ اور سواد کی ولایت کے حاکم سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے جن کی قیادت میں مسلمانوں نے یہ ملک فتح کیا تھا اور وادیٔ شط العرب کے حاکم پہلے عتبہ اور پھر مغیرہ رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے اپنا مرکز مدائن کو قرار دیا۔ مدائن سے مسلمانوں کی ایک جماعت مدینہ گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے چہرے اترے ہوئے ہیں اور ان کے رنگ زرد ہو رہے ہیں۔ سبب دریافت کیا تو جواب ملا کہ مدائن کی مرطوب ہوا عربوں کو راس نہیں۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ عراق میں کوئی موزوں مقام تلاش کر کے مسلمان عسکریوں کو وہاں آباد کیا جائے چنانچہ حیرہ سے جانب جنوب ایک جگہ پسند کی گئی جو صحرا کے نزدیک تھی اور جہاں کی آب و ہوا عربوں کے مزاج کے مطابق تھی۔ سعد رضی اللہ عنہ نے اس مقام پر چھاؤنی ڈال دی۔ مسلمانوں نے دربارِ خلافت کے منظور شدہ نقشے کے مطابق مکانات بنا لیے پہلے مسلمانوں نے محض گھاس پھوس کے چھپر بنائے تھے لیکن جب آتش زدگی کے واقعات رونما ہونے لگے تو انہیں اینٹوں کے مکان بنانے کی اجازت مل گئی۔ اس طرح کوفہ شہر آباد ہو گیا۔

مغیرہ رضی اللہ عنہ کا صدر مقام زیریں خطہ میں اوبلہ تھا۔ وہاں کی آب و ہوا بھی خراب تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے مغیرہ رضی اللہ عنہ نے دو تین جگہ پر چھاؤنی ڈالی۔ بالآخر انہیں وہ جگہ پسند آئی جہاں اب بصرہ کا شہر آباد ہے۔ اس طرح عراق میں مسلمانوں نے دوسرا بڑا شہر بصرہ کے نام سے بسایا۔ کوفہ اور بصرہ کی آبادیوں کو اوقاف کی زمینیں دی گئیں۔ ان دونوں چھاؤنیوں سے خلیفۃ المسلمین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس مضمون کی درخواستیں بھیجی گئیں کہ عربوں کو عراق میں زمینیں دی جائیں تا کہ وہ کھیتی باڑی کا کام شروع کر سکیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ درخواستیں نامنظور کر دیں اور فرمایا کہ زمینیں انہی کسانوں کے قبضہ میں رہنی چاہئیں جو انہیں پہلے سے کاشت کر رہے ہیں۔ اگر عرب مجاہد اراضی سے چسپاں ہونے لگے تو وہ سپاہیانہ اوصاف کھو بیٹھیں گے۔

Marfat.com

زمینیں تو نہ ملیں تاہم دونوں شہروں میں آبادی وتوسیع کا عمل جاری رہا اور رفتہ رفتہ دونوں مملکت اسلامیہ کے اہم شہروں کی حیثیت اختیار کر گئے۔ بندرگاہ ہونے کی بدولت بصرہ کو ہمیشہ ایک خاص اہمیت حاصل رہی۔ آنے والے سالوں میں تجارتی وثقافتی سرگرمیوں کے حوالے سے اس کی امتیازی حیثیت بلند سے بلند تر ہوتی گئی۔ یہاں کئی نادرِ روزگار ہستیوں نے جنم لیا، اور انہی میں سے ایک ہستی حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی ہے۔

روایات کے مطابق آپ کی پیدائش ۹۷ھ میں ہوئی۔ آپ کے والدین کے متعلق کوئی تفصیلات دستیاب نہیں۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ مفلس مگر دیندار اور غیور لوگ تھے۔ آپ سے پہلے ان کی تین بیٹیاں تھیں۔ آپ چوتھی جگہ پیدا ہوئیں، اس نسبت سے آپ کا نام ''رابعہ'' رکھا گیا۔

آپ کے واقعہ پیدائش کے حوالے سے ایک واقعہ روایت کیا جاتا ہے کہ جب آپ کی پیدائش کا وقت قریب آیا تو ناداری کا یہ عالم تھا کہ گھر میں کوئی فالتو کپڑا بھی نہ تھا جو نومولود کو اوڑھایا جاسکے اور بچی کی ناف پر ملنے یا چراغ میں ڈالنے کے لئے قطرہ بھر تیل بھی میسر نہ تھا۔ آپ کی والدہ نے اپنے شوہر (جن کا نام اسمٰعیل روایت کیا گیا ہے) سے کہا کہ وہ کسی پڑوسی سے تھوڑا سا تیل مانگ لائیں۔ بیوی کی یہ بات سن کر وہ متامل ہوئے کیونکہ انہوں نے خدا سے عہد کر رکھا تھا کہ اس کے علاوہ کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کریں گے۔ گھر سے باہر تو نکلے لیکن زیادہ دور نہ جاسکے، واپس لوٹ آئے۔ ان کی زوجہ بھی انہی کی طرح صابر وشاکر تھیں، اس لئے کسی تکرار میں نہ پڑیں۔ اسی عالم میں آپ کے والد کو نیند آ گئی۔ خواب میں آپ کو سرورِ کونین ﷺ کی زیارت ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے آپ سے فرمایا:

''غمزدہ اور ملول نہ ہو، تیرے گھر پیدا ہونے والی یہ بچی بڑی برگزیدہ اور بارگاہِ الٰہی میں مقبول ثابت ہوگی، اور اس کی شفاعت میری بہت سے امتیوں کے لئے روزِ قیامت نجات کا باعث بنے گی۔ اب پریشان نہ ہو۔ امیر بصرہ کے پاس جا، اور اس سے کہہ کہ تو ہر رات رسول اللہ ﷺ پر ایک سو بار درود بھیجتا ہے، اور جمعے کی رات چار سو مرتبہ، مگر گزشتہ جمعے کی رات کو ایسا کرنے سے رہ گیا۔ اب تجھ پر لازم ہے کہ یہ پیغام لانے والے کو کفارے کے طور پر چار سو اشرفیاں عطا کرے۔''

آپ کی آنکھ کھل گئی۔ خواب کا عالم یاد آیا تو بے اختیار آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ صبح ہونے والی تھی۔ اللہ کے نام لے کر آپ امیر بصرہ کی رہائش گاہ کی طرف چل دیئے۔ دربان کے ذریعے اس تک نبی اکرم ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ یہ سن کر وہ بھی اشک بار ہوگیا۔ فوراً حکم دیا کہ اسی وقت دس ہزار درہم خیرات کئے جائیں کہ خاتم الانبیائ ﷺ نے مجھے یاد فرمایا ہے، اور یہ کہ یہ پیغام لانے والے کو میرے پاس لایا جائے۔ پھر اسے خیال آیا کہ جس ہستی کے خواب میں، خود پیغمبر خدا ﷺ تشریف لائے ہیں، اسے بلانا مناسب نہیں، مجھے خود چل کر ان کے پاس جانا چاہیے۔ یہ سوچ کر جتنی جلد ممکن ہو سکا، حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کے

Marfat.com

والد کے پاس پہنچا، ان کی خدمت میں چار سو اشرفیاں پیش کیں اور کہا: "آج سے میں آپ کے لئے بصرہ کا امیر نہیں بلکہ ایک ادنیٰ خادم ہوں۔ جس وقت ضرورت ہو، میرے پاس چلے آیئے اور بلا تکلف اپنی حاجت میرے سامنے بیان کیجئے۔"

یہ مرحلہ تو گزر گیا لیکن امیر بصرہ کی پیشکش کا مطلب یہ نہیں تھا کہ رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے والد اپنے گزشتہ طرزِ زندگی سے بے نیاز ہو گئے ہوں۔ آپ کی خودداری اور زہد کا عالم وہی رہا۔ اگر نبی کریم ﷺ کا حکم نہ ہوتا تو شاید وہ امیر بصرہ کے پاس بھی نہ جاتے۔ چنانچہ اس فراخدلانہ پیشکش کے باوجود آپ پہلے کی طرح درویشی کی روش پر قائم رہے، اور آپ کی زوجہ محترمہ بھی پہلے کی طرح قناعت پسندی اور عفت مآبی کا شعار اپنائے رہیں۔

حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے ہوش سنبھالا تو اپنے والدین کی طرح عبادت گزار اور نیک سیرت ثابت ہوئیں۔ آپ کی زبان کبھی بیہودہ الفاظ سے آلودہ نہ ہوئی اور نہ ہی آپ کسی رنج و تکلیف پر تکدر کی شکار ہوتی تھیں۔ بہ آوازِ بلند کلام پاک پڑھنا اور حلال و حرام کے حوالے سے ہمیشہ محتاط رہنا آپ کا وطیرہ تھا۔ آپ کی ذہانت و فطانت کا یہ عالم تھا کہ جو بات سنتیں، فوراً ذہن نشین کر لیتیں۔ اسی کی بدولت آپ نے قرآن کریم حفظ کیا اور نبی کریم ﷺ کی متعدد احادیث آپ کو زبانی یاد تھیں۔ نہ صرف یہ بلکہ بزرگانِ دین کے مقولے بھی آپ کی زبان پر خوب رواں تھے۔ جب آپ کوئی سورہ یاد کر لیتیں تو نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اپنے والد کو سناتیں۔ آپ کا ذوق و شوق اور طرزِ عمل اکثر آپ کے والد کو حیران کر دیتا اور آپ دل ہی دل میں کہتے کہ اے پروردگار! تو نے اس لڑکی کو کس مقصد کے لئے اس دنیا میں بھیجا ہے؟ اس میں تو اوروں جیسی کوئی بات ہی نہیں ہے۔

ایک روز گھر والے شام کا کھانا کھانے بیٹھے۔ سب اپنی بھوک مٹانے کے لئے بے تاب تھے لیکن رابعہ رحمۃ اللہ علیہا پرے ہٹ کر بیٹھی رہیں۔ آپ کے والد نے پوچھا۔ "کیا بات ہے بیٹی، کھاتی کیوں نہیں؟"

اس پر آپ نے کہا۔ "معلوم نہیں کہ یہ کھانا حرام ہے یا حلال......"

یہ سن کر اسمٰعیل چونکے اور کہا۔ "کیا تم نے کبھی دیکھا کہ اگر حلال کھانا نہ ملے تو ہم نے حرام کی جانب ہاتھ بڑھایا ہو؟"

اس پر رابعہ نے کہا۔ "نہیں، لیکن ہمیں اس دنیا میں بھوک پر صبر کرنا چاہیے تاکہ آخرت میں آگ پر صبر نہ کرنا پڑے۔"

اس رات جب حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی والدہ نے بچا ہوا کھانا سنبھال کر رکھنا چاہا تو دیکھا کہ کھانے کا برتن بالکل خالی ہے جیسے اس میں کبھی کچھ ڈالا ہی نہ گیا ہو۔

رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کے اطوار پر جہاں ان کے والد کو اچنبھا ہوتا، وہیں تشویش بھی لاحق رہتی۔ انہیں خوب نظر

Marfat.com

آ رہا تھا کہ ان کی یہ بیٹی دوسرے بچوں بلکہ بڑی عمر کے لوگوں سے بھی یکسر مختلف ہے۔ دوسروں سے مختلف ہونا کبھی بھی کوئی آسان کام نہیں رہا۔ دوسروں سے ہٹ کر اپنی راہ بنانے والوں کو ہمیشہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے، اور اگر ایسا کرنے والی کوئی خاتون ہو تو یوں سمجھئے کہ اس کی مشکلات میں دس گنا اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ جس معاشرے میں مردوں کو مختلف ہونے کا حق لڑ جھگڑ کر حاصل کرنا پڑے، وہاں عورتوں کو کیا کچھ برداشت نہیں کرنا پڑے گا! یہی سوچ کے رابعہؒ کے والد پریشان رہا کرتے اور آپ کے حق میں اللہ سے دعائیں مانگا کرتے۔

ایک رات آپ کے والد سونے کے لئے لیٹے تو دیکھا کہ حضرت رابعہؒ قرآن پاک کی تلاوت کر رہی ہیں۔ صبح جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ رابعہؒ کی تلاوت ابھی تک جاری ہے۔ ان کے ہاتھ بے اختیار پھر بارگاہِ خداوندی میں دعا کے لئے بلند ہو گئے۔ شاید لاشعور کی کسی سطح پر انہیں احساس ہو گیا تھا کہ ان کی بیٹی کی آنے والی زندگی کتنی مشکلات سے دوچار ہونے والی ہے۔

زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ حضرت رابعہؒ کے والد کا انتقال ہو گیا اور اس کے کچھ ہی دنوں بعد آپ کی والدہ بھی چل بسیں۔ ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت، دونوں کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اب رابعہ کی زندگی نے بدبختی کا ذائقہ چکھا۔ پہلے محض غریبی تھی، دکھ نہ تھا۔ اب دکھ، یتامت اور افلاس سب جمع ہو کر اس نیک روح کو ستانے پر آمادہ ہو گئے۔

Marfat.com

باب دوم

جزیرہ نما عرب: حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کے دورِ حیات میں

جس سال حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی پیدائش ہوئی، اس وقت خلافتِ اسلامیہ پر چھٹے اموی خلیفہ سلیمان ابن عبدالملک کی حکومت تھی۔ سلیمان، پانچویں اموی خلیفہ، ولید بن عبدالملک کا چھوٹا بھائی تھا۔ ولید کی وفات کے بعد اس کے ہاتھ پر جمادی الثانی ۹۶ھ میں بیعت خلافت ہوئی، حجاج بن یوسف چوں کہ سلیمان کو ولی عہدی سے معزول کرانے میں ولید کا ہم خیال تھا اور قتیبہ بن مسلم باہلی بھی اس معاملہ میں حجاج و ولید کا ہم نوا تھا، لہٰذا سلیمان کو حجاج و قتیبہ دونوں سے سخت عداوت تھی، حجاج سلیمان کے خلیفہ ہونے سے پہلے ہی فوت ہو چکا تھا، قتیبہ البتہ خراسان کی گورنری پر مامور اور زندہ موجود تھا، قتیبہ کو اس بات کا احساس تھا، کہ سلیمان کی خلافت میں میرے ساتھ کس قسم کا سلوک روا رکھا جائے گا۔ اس نے جب سنا کہ ولید فوت ہو گیا اور اس کی جگہ سلیمان بن عبدالملک تخت نشین ہوا، تو اس نے خراسان کی تمام موجودہ فوج اور سرداران لشکر کو جمع کر کے سلیمان کی خلافت کا انکار کرنے کی رائے دی۔ تاہم لشکریوں نے خود اسی کے خلاف بغاوت کر دی اور اس کے قریبی رفقاء کے ساتھ ساتھ اسے بھی قتل کر دیا۔

قتیبہ بن مسلم خاندان بنو امیہ کے سرداروں میں نہایت زبردست فتح مند اور نامور سردار تھا۔ ایسے زبردست سردار کی ایسی موت نہایت افسوس ناک حادثہ ہے، لیکن چوں کہ اس نے خلیفہ وقت کے خلاف کوشش کرنے میں ناعاقبت اندیشی سے کام لیا تھا۔ لہٰذا سلیمان بن عبدالملک پر قتیبہ کے قتل کا کوئی الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ تاہم سلیمان بن عبدالملک پر سب سے بڑا الزام فاتح سندھ محمد بن قاسم کے معاملہ میں لگایا جاتا ہے، سلیمان کو اگر حجاج سے عداوت و دشمنی تھی تو اس دشمنی کو حجاج کے رشتہ داروں تک بلا وجہ وسیع نہیں ہونا چاہئے تھا، لیکن افسوس ہے کہ سلیمان نے محمد بن قاسم کو بھی اسی طرح گردن زدنی سمجھا، جس طرح وہ حجاج کو سمجھتا تھا، محمد بن قاسم نہایت سمجھدار، بہادر اور مستقل مزاج، نیک طینت اور جوان صالح تھا، اس نوجوان نے سندھ و ہند کی فتوحات میں ایک طرف اپنے آپ کو رستم و سکندر سے بڑھ کر ثابت کیا، تو دوسری طرف وہ نوشیروان عادل سے بڑھ کر عادل و رعایا پرور ظاہر ہوا تھا، اس نوجوان فتح مند سردار نے سلیمان کے خلاف قطعاً کوئی حرکت بھی نہیں کی تھی۔ حجاج کی وفات کے بعد بھی وہ اسی طرح فتوحات و ملک داری میں مصروف

Marfat.com

رہا جیسا کہ حجاج کی زندگی میں تھا، اس کے پاس جس قدر فوج تھی، وہ سب کی سب دل و جان سے اس پر فدا اور اس کے ہر ایک حکم کی تعمیل کو بسر و چشم موجود تھی، اور یہ بھی سب سے بڑی دلیل اس بات کی تھی کہ محمد بن قاسم نہایت اعلیٰ درجہ کی قابلیت سپہ سالاری رکھتا تھا۔ ایسے نوجوان کی جس کی ابتداء ایسی عظیم الشان تھی، اگر تربیت کی جاتی اور اس سے کام لیا جاتا، تو وہ سلیمان ابن عبدالملک کے لیے تمام براعظم ایشیا کو چین و جاپان تک فتح کر دیتا، لیکن سلیمان بن عبدالملک نے جذبہ عداوت سے مغلوب ہو کر یزید بن ابی کبشہ کو سندھ کا و... بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے بھیج دو، سلیمان کا یہ حکم درحقیقت تمام کارگذار و فتح مند سالاروں کو بزدل بنا دینے کا ایک زبردست اعلان تھا، کسی خلیفہ یا سلطان کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی ... شرم بات نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے سرداروں کے عظیم الشان اور قابل تعریف کاموں کا صلہ بجائے تحسین و آ...ین اور عزت افزائی کے قید و گرفتاری سے دے۔

یزید بن ابی کبشہ سندھ میں آ کر زور و قوت کے ذریعہ محمد بن قاسم کو ہرگز ہرگز مغلوب نہیں ... تھا۔ محمد بن قاسم کے ہمراہیوں کو جب خلیفہ کے اس نامعقول حکم کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے محمد بن قاسم ... کہا کہ تم اس حکم کی ہرگز تعمیل نہ کرو، ہم تم کو اپنا امیر جانتے اور تمہارے ہاتھ پر اطاعت کی بیعت کیے ہ... ہیں، خلیفہ سلیمان کا ہاتھ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکتا، حقیقت بھی یہ ہے کہ محمد بن قاسم کو مغلوب کرنے کے ... خلیفہ سلیمان کو اپنی خلافت کا پورا زور لگانا پڑتا، کیوں کہ یہاں محمد بن قاسم کے پاس اس کی ہر دل عزیزی ... سبب ایسے ذرائع موجود تھے کہ سندھ کے ریگستان کا ہر ایک ذرہ اس کی اعانت و امداد کے لیے کوشاں ہوتا، ... اس جوان صالح نے فوراً بلا توقف اپنے آپ کو ابن ابی کبشہ کے سپرد کر دیا اور کہا کہ خلیفہ وقت کے حکم کی نافرمانی کا جرم مجھ سے ہرگز سرزد نہ ہوگا۔

چنانچہ محمد بن قاسم کو گرفتار کرنے کے بعد ابن ابی کبشہ نے دمشق کی جانب روانہ کر دیا، وہاں سلیمان کے حکم سے وہ واسط کے جیل خانہ میں قید کر دیا گیا اور صالح بن عبدالرحمان کو اس پر مسلط کر دیا جس نے اس کو جیل خانے میں انواع و اقسام کی تکلیفیں دے دے کر مار ہی ڈالا۔

موسیٰ بن نصیر نے تمام شمالی افریقہ میں امن و امان قائم رکھا اور اندلس کی فتح کو تکمیل تک پہنچایا، موسیٰ کا باپ نصیر عبدالعزیز بن مروان بن حکم کا مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام تھا، جو خاندان مروان کا ایک فرد سمجھا جاتا تھا، اس بہادر سردار کے حوصلے کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ تمام براعظم یورپ کو صرف پندرہ بیس ہزار فوج سے فتح کر لینے کا ارادہ رکھتا تھا، موسیٰ بن نصیر جب دارالخلافہ میں پہنچا، تو اس کا قدر شناس خلیفہ ولید فوت ہو چکا تھا، سلیمان نے موسیٰ کے ساتھ بجائے اس کے کہ عزت و قدردانی کا برتاؤ کرتا، اس کو قید کر دیا اور اس قدر بھاری تاوان اس کے ذمہ عائد کیا، جو موسیٰ کی استطاعت سے باہر تھا، یہاں تک کہ موسیٰ کو تاوان کا روپیہ پورا کرنے کے لیے عرب سرداروں سے مانگ کر اپنی آبرو برباد کرنی پڑی اور اس کی تمام ناموری اور

Marfat.com

عزت وحرمت خاک میں مل گئی۔

ولید کے زمانے کے نامور سرداروں میں صرف مسلمہ بن عبدالملک سلیمان کی عنایت ریزیوں سے بچا رہا اور سلیمان نے اس کو بدستور اپنے عہدے اور مرتبہ پر قائم رکھا، مسلمہ سلیمان کا بھائی تھا اور اس کو ولی عہدی کے معاملہ سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ تھا، اس لیے سلیمان نے اس کو اپنے دشمنوں کی فہرست میں داخل نہیں کیا۔

سنہ ۹۷ھ میں مسلمہ بن عبدالملک نے علاقہ رضاخیہ کو فتح کیا۔ سنہ ۹۸ھ میں ایک رومی سردار القون نامی نے حاضر دربار خلافت ہو کر قسطنطنیہ کے فتح کرنے کی ترغیب دی۔ سلیمان نے اپنے بیٹے داؤد اور اپنے بھائی مسلمہ کو فوج دے کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ کیا۔ مسلمہ اس فوج کا سپہ سالار اعظم تھا۔ مسلمہ نے جا کر قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا۔ جب لشکر اسلام قسطنطنیہ کے قریب پہنچا تھا تو مسلمہ نے لشکریوں کو حکم دیا تھا کہ ایک ایک مد غلہ ہر شخص اپنے ہمراہ لیتا چلے اور لشکر گاہ میں لے جا کر جمع کرے۔ قسطنطنیہ کا محاصرہ کرنے کے بعد یہ غلہ جمع کیا گیا تو غلہ کے انبار پہاڑوں کی طرح جمع ہو گئے۔ مسلمہ نے قسطنطنیہ کا محاصرہ ڈال کر فوج والوں کے لیے مکانات مٹی پتھر کے بنوا دیے اور میدانوں میں کھیتی کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ کھیتی پک کر تیار ہو گئی۔ روزانہ اخراجات خورونوش کے لیے غلہ لوٹ مار کے ذریعہ سے فراہم کیا جاتا تھا۔ غلہ کے انبار محفوظ تھے۔ کھیتی پک کر تیار ہو گئی تھی۔ اہل قسطنطنیہ اس عزم وہمت اور استقلال کے ساتھ محاصرہ دیکھ کر سخت پریشان ہوئے۔ سال بھر گزرنے کے بعد انہوں نے خفیہ پیغاموں کے ذریعے سے اسی رومی سردار القون نامی کو اپنی طرف متوجہ کر کے اس بات کا لالچ دیا کہ اگر مسلمانوں کا محاصرہ اٹھوا دو اور ان کو یہاں سے رخصت کر دو تو ہم آدھا ملک تم کو دے دیں گے۔ القون اس پر رضا مند ہو گیا۔ اس نے مسلمہ کو مشورہ دیا کہ اگر تم اپنے غلہ کے انباروں اور کھیتوں کو آگ لگا دو گے تو رومی لوگ یہ سمجھیں گے کہ اب مسلمان سخت اور فیصلہ کن حملہ کرنے پر مستعد ہو گئے ہیں۔ لہٰذا امید ہے کہ وہ فوراً شہر آپ کے سپرد کر دیں گے اور بغیر لوٹے ہوئے بہ آسانی شہر پر قبضہ ہو سکے گا۔ مسلمہ رومی سردار کے اس چکمے میں آ گیا۔ حالانکہ اس سے پیشتر رومی، مسلمہ کے پاس یہ پیغام بھیج چکے تھے کہ ہم سے فی کس ایک اشرفی کے حساب سے جزیہ لے لو اور محاصرہ اٹھا کر چلے جاؤ لیکن مسلمہ ان کی اس درخواست کو رد کر چکا تھا۔ چند روز اور محاصرہ جاری رہتا تو قسطنطنیہ کے فتح ہونے میں کوئی شبہ باقی نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو ابھی منظور نہ تھا کہ مسلمان قسطنطنیہ پر قابض ومتصرف ہوں۔ چنانچہ مسلمہ نے غلہ کے انباروں اور کھیتوں میں آگ لگوا دی۔

اس احمقانہ فعل کا اثر یہ ہوا کہ رومی بہت خوش ہوئے اور مدافعت پر دلیر ہو گئے۔ مسلمانوں کو غلہ کی تکلیف ہونے لگی۔ ادھر القون مع اپنے ہمراہیوں کے لشکر اسلام سے جدا ہو کر رومیوں میں جا ملا۔ سلیمان بن عبدالملک، مسلمہ کو روانہ کرنے کے بعد خود مقام وابق میں مقیم تھا اور یہیں سے ہر قسم کی امداد مسلمہ کو پہنچاتا رہتا

Marfat.com

تھا۔ ادھر کھیتی اور غلہ کو جلا دیا گیا، ادھر موسم سرما کے آجانے کی وجہ سے سلیمان سامان رسد وغیرہ کی امداد مسلمہ تک نہ پہنچا سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر اسلام کو فاقے ہونے لگے اور بھوک کی وجہ سے لوگ مرنے شروع ہوئے کیونکہ اب اردگرد کے علاقے سے بھی غلہ لوٹ مار کے ذریعے سے حاصل نہ ہو سکتا تھا۔

مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر قیصر کے سردار برجان نامی نے جو شہر صقلیہ کا گورنر تھا، ایک بڑی فوج کے ساتھ لشکر اسلام پر حملہ کیا۔ مسلمہ نے اس کا مقابلہ کر کے شکست دی اور شہر صقلیہ کو فتح کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ اسی عرصہ میں خبر پہنچی کہ سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا۔ سلیمان بن عبدالملک سنہ 98ھ میں دمشق سے جہاد کے ارادے پر نکلا اور قسطنطنیہ کی طرف فوج روانہ کر کے خود مقام وابق میں مقیم رہ کر اس یورش کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتا رہا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ سلیمان کو حالت جہاد ہی میں موت آئی۔ 10 ماہ صفر سنہ 99ھ بروز جمعہ سلیمان نے بمقام وابق متصل قنسرین وفات پائی۔ قریباً پونے تین سال خلافت کی اور 45 سال کی عمر پائی۔

سلیمان بن عبدالملک نہایت فصیح البیان شخص تھا۔ اگرچہ پرانی رنجشوں کے معاملے میں اس سے کئی غلطیاں ہوئیں لیکن مجموعی طور پر عدل و انصاف کا شوقین اور جہاد کا حریص تھا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو سلیمان نے اپنا وزیر و مشیر بنایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سلیمان کے اخلاق و عادات میں خوبیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ عہد بنو امیہ میں ایک بری رسم جاری ہو گئی تھی کہ وہ نماز عموماً دیر کر کے آخر وقت میں پڑھتے تھے۔ سلیمان بن عبدالملک نے اس رسم کو مٹا کر نمازیں اول وقت میں پڑھنی شروع کیں۔ راگ اور گانے سے بھی سلیمان بن عبدالملک کو سخت نفرت تھی۔ چنانچہ اس نے گانے بجانے کی ممانعت کی۔ سلیمان نہایت خوبصورت اور وجیہہ شخص تھا۔ تنومند اور پرخور بھی تھا۔ ایک مرتبہ ستر انار، بہت سی کشمش، چھ مہینے کی عمر کا ایک بکرا اور چھ مرغ کھا گیا اور سب کو ہضم کر لیا۔

مرنے سے پہلے سلیمان بن عبدالملک نے اپنے چچازاد بھائی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ دیگر بھائی فساد پر آمادہ نہ ہوں، اس غرض سے اس نے وصیت کر دی کہ عمر بن عبدالعزیز کے بعد اس کا بھائی یزید بن عبدالملک خلیفہ ہو گا۔ سلیمان بن عبدالملک کے قابل تعریف کاموں اور عظیم الشان کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنے بعد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خلیفہ بنایا۔ اس ایک نیکی کے مقابلے میں سلیمان بن عبدالملک کی تمام غلطیوں اور لغزشوں کو معاف کیا جا سکتا ہے۔

ابوحفص سیدنا عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم خلفاء راشدین میں خلیفہ خامس ہیں، وہ خلیفہ صالح کے نام سے بھی مشہور ہیں، اکثر اکابرین مسلمین کا قول ہے کہ خلفائے راشدین پانچ ہیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے والد عبدالعزیز بن مروان مصر کے حاکم تھے، کہ 62ھ میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے، ان کی والدہ سیدنا

Marfat.com

عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی پوتی یعنی عاصم بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں، ان کے والد عبدالعزیز عبدالملک بن مروان کے بعد خلیفہ ہونے والے تھے، لیکن ان کا انتقال عبدالملک کے سامنے ہوا، لہٰذا وہ خلیفہ نہ ہو سکے۔

بچپن میں گھوڑے نے ان کے لات ماردی تھی، ان کے چہرے پر اس کے زخم کا نشان تھا، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میری اولاد میں سے ایک شخص ہوگا، اس کے چہرے پر ایک داغ ہوگا، اور وہ زمین کو عدل وداد سے بھر دے گا، یہی وجہ تھی کہ جب گھوڑے نے ان کے لات ماری ہے تو ان کے باپ ان کے چہرے سے خون پونچھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ اگر تو وہی داغ دار ہے تو سعادت مند ہے۔

بچپن میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے باپ نے ان کو مدینہ بھیج دیا تھا، مدینہ میں ہی ان کی تربیت ہوئی، فقہائے مدینہ کی صحبت میں ان کی عمر کا ابتدائی حصہ گذرا، علمائے مدینہ ہی سے انہوں نے علوم دینیہ حاصل کئے، علم وفضل اور تفقہ فی الدین میں ان کا وہ مرتبہ تھا، کہ اگر وہ خلیفہ نہ ہوتے تو ائمہ شرع میں ان کا شمار ہوتا اور وہ سب سے بڑے امام مانے جاتے۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہونے سے پیشتر نہایت پر تکلف اور قیمتی لباس پہنتے تھے، لیکن خلیفہ ہونے کے بعد انہوں نے کھانے اور پہننے میں بالکل درویشانہ روش اختیار کر لی تھی، میمون بن مہران کا قول ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ بہت سے مشہور علماء شاگردوں کی طرح رہا کرتے تھے، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہم عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس خیال سے آئے کہ وہ ہم سے کچھ سیکھیں گے، مگر ان کے پاس آ کر ہم کو خود انہیں سے بہت کچھ سیکھنا پڑا۔

جب ان کے والد عبدالعزیز بن مروان کا انتقال ہوا تو یہ مدینہ ہی میں تشریف رکھتے تھے، عبدالعزیز کی وفات کا حال سن کر عبدالملک بن مروان نے ان کو دمشق بلا کر اپنی بیٹی فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا کے ساتھ شادی کر دی، عبدالملک کی وفات کے بعد جب ولید خلیفہ ہوا تو اس نے ان کو مدینہ منورہ کا حاکم مقرر کیا، چنانچہ یہ ۸۶ھ سے ۹۳ھ تک مدینہ کے حاکم رہے، کئی مرتبہ امیر حج کی حیثیت سے حج کیا، امارت مدینہ کے زمانہ میں تمام فقہاء وعلماء ان کے پاس جمع رہتے تھے۔ فقہائے مدینہ کی ایک کونسل آپ نے بنائی تھی اور ان ہی کے مشورہ سے امور انجام دیتے تھے۔

حجاج کی شکایت پر ۹۳ھ میں ولید نے انہیں امارت مدینہ سے معزول کر کے شام میں بلا لیا، جب ولید نے ارادہ کیا کہ اپنے بھائی سلیمان کو ولی عہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنائے، تو حجاج و قتیبہ وغیرہ نے تو ولید کے ارادہ کی تائید کی، لیکن دوسرے امراء نے اس کو ناپسند کیا، سب سے پہلے جس شخص نے ولید کے اس ارادہ کی پرزور مخالفت کی وہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز تھے، چنانچہ ولید نے ان کو قید کر دیا، تین برس تک یہ قید میں رہے، پھر کسی کی سفارش سے رہا کر دیئے گئے، سلیمان بن عبدالملک اسی لیے عمر بن عبدالعزیز کا بہت شکر گذار واحسان مند تھا۔ چنانچہ اس نے خود خلیفہ ہونے کے بعد ان کو اپنا وزیر اعظم بنایا

Marfat.com

اور مرتے وقت ان کی خلافت کے لیے وصیت لکھ گیا۔

بیعت کے بعد سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے سلیمان بن عبدالملک کے جنازے کی نماز پڑھائی، اور دفن سے فارغ ہو کر چلے، تو لوگوں نے شاہی اصطبل کے گھوڑے لا کر حاضر کیے، کہ آپ سوار ہو کر تشریف لے جائیں، آپ نے فرمایا کہ میری سواری کے لیے میرا ذاتی خچر کافی ہے، چنانچہ آپ اسی اپنے خچر پر سوار ہو کر اپنے خیمے تک آئے، لوگوں نے آپ کو قصر خلافت میں لے جانا چاہا، آپ نے فرمایا کہ وہاں ایوب بن سلیمان (سلیمان کا فرزند) کے اہل وعیال ہیں، جب تک وہ وہاں رہیں گے میں اپنے خیمے میں رہوں گا۔

بیعت خلافت کے بعد سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کو مخاطب کر کے جو تقریر کی وہ اس طرح تھی کہ:

> (''حمد وثنا کے بعد) لوگو! قرآن شریف کے بعد ایسی کوئی کتاب نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں، میں کسی چیز کو شروع کرنے والا نہیں بلکہ پورا کرنے والا ہوں، میں مبتدع نہیں، متبع ہوں، میں کسی حال میں تم سے بہتر نہیں ہوں، البتہ میرا بوجھ بہت زیادہ ہے، جو شخص ظالم بادشاہ سے بھاگ جائے وہ ظالم نہیں ہو سکتا، یاد رکھو کہ احکام الٰہی کے خلاف کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔''

جب آپ سلیمان بن عبدالملک کے کفن دفن سے فارغ ہو کر واپس آ رہے تھے تو آپ کے غلام نے کہا کہ آپ بہت ہی غمگین نظر آتے ہیں، آپ نے اس کو جواب دیا، کہ آج اس دنیا میں اگر کوئی شخص غمگین ہونے کے قابل ہے تو وہ میں ہوں، مجھ پر یہ بوجھ کیا کم ہے...... میں چاہتا ہوں کہ قبل اس کے کہ میرا نامہ اعمال لکھا جائے اور مجھ سے جواب طلب ہو میں حق دار کو اس کا حق پہنچا دوں، آپ جب اپنے گھر میں بیعت خلافت اور سلیمان کے دفن سے فارغ ہو کر داخل ہوئے، تو آپ کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی، آپ کی بیوی نے گھبرا کر پوچھا، کیوں خیریت تو ہے، آپ نے فرمایا کہ خیریت کہاں ہے، میری گردن میں امت محمدیؐ کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے، ننگے، بھوکے، بیمار، مظلوم، مسافر، قیدی، بچے، بوڑھے، کم حیثیت، عیال دار وغیرہ سب کا بوجھ میرے سر پر آن پڑا ہے، اسی خوف میں رو رہا ہوں کہ کہیں قیامت میں مجھ سے پرسش ہو اور میں جواب نہ دے سکوں۔

خلیفہ ہونے کے بعد آپ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک سے کہا کہ تم اپنے تمام زیورات بیت المال میں داخل کر دو، ورنہ میں تم سے جدائی اختیار کر لوں گا، کیوں کہ مجھ کو یہ کسی طرح گوارا نہیں کہ تم اور تمہارے زیورات اور میں ایک گھر میں ہوں، ان کی بیوی نے فوراً تمام زیورات جن میں وہ قیمتی موتی بھی تھا، جو عبدالملک نے اپنی بیٹی کو دیا تھا سب مسلمانوں کے لیے بیت المال بھجوا دیئے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جب یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا، تو اس نے فاطمہ بنت عبدالملک سے کہا کہ آپ چاہیں تو اپنے زیورات بیت المال سے واپس لے لیں، فاطمہ نے جواب دیا، کہ

Marfat.com

جس چیز کو میں نے اپنی خوشی سے بیت المال میں داخل کر دیا تھا اب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اس کو کیسے واپس لے سکتی ہوں؟

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تخت خلافت پر متمکن ہوتے ہی حکم جاری کیا، کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شان میں کوئی شخص ناشدنی الفاظ ہرگز استعمال نہ کرے، اب تک بنو امیہ میں عام طور پر رواج تھا کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو برا کہتے اور جمعہ کے خطبہ میں بھی ان پر لعن طعن سے دریغ نہ کرتے۔

حجاج بن یوسف ثقفی کو آپ ظالم سمجھتے تھے، اسی لیے سلیمان کے زمانے میں اس کے عاملوں اور متوسلوں کو جو حجاج کے نقش قدم پر چلتے تھے آپ نے معزول کرا دیا تھا، یزید بن مہلب گورنر خراسان کو آپ برا جانتے تھے، اور یہ آپ کو معلوم تھا، کہ یزید بن مہلب نے جرجان کے علاقہ کا جزیہ وصول کر کے بیت المال میں نہیں بھجوایا ہے، چنانچہ آپ نے یزید بن مہلب کو طلب کیا، اس نے حاضر دربار ہو کر مذکورہ رقم کے داخل کرنے میں عذر و انکار اور حیلے حوالوں سے کام لیا، آپ نے فرمایا کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے میں اس کو کیسے معاف کر سکتا ہوں، چنانچہ یزید بن مہلب کو آپ نے معزول کر کے قلعہ حلب میں قید کر دیا اور اس کی جگہ جراح بن عبداللہ حکمی کو خراسان کی گورنری پر بھیج دیا، مسلمہ بن عبدالملک اور اس کے لشکریوں کو جو رومیوں کے مقابلے میں اور قسطنطنیہ کے محاصرے میں مسلسل مصروف رہنے کے سبب شکستہ حال ہو رہے تھے آپ نے واپس بلوا لیا، چند روز کے بعد آپ کے پاس جراح بن عبداللہ حکمی گورنر خراسان کی نسبت شکایت پہنچی کہ وہ موالی (آزاد کردہ غلام) کو بلا وظیفہ ورسد جہاد پر بھیج دیتا ہے اور ذمیوں میں سے جو لوگ مسلمان ہو جاتے ہیں ان سے بھی خراج وصول کر لیتا ہے، آپ نے یہ شکایت سن کر جراح بن عبداللہ کے پاس حکم بھیجا کہ:

"جو شخص نماز پڑھتا ہو اس کو جزیہ معاف کر دو۔"

لوگ یہ سنتے ہی جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے، جراح بن عبداللہ حکمی کو ان نومسلموں کی طرف سے اطمینان نہ تھا، اس نے ختنہ کے ذریعہ سے لوگوں کا امتحان لیا، سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے جراح کو لکھ بھیجا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے داعی بنا کر مبعوث کیا ہے، خاتن بنا کر نہیں بھیجا، اس کے بعد آپ نے جراح بن عبداللہ کو اپنے پاس طلب کیا، جراح اپنی طرف سے عبدالرحمان بن نعیم کو اپنا نائب مقرر کر کے خود دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ تم کب خراسان سے روانہ ہوئے تھے، اس نے عرض کیا، کہ ماہ رمضان المبارک میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص تجھ کو ظالم بتاتا ہے وہ سچا ہے، تو نے کیوں نہ وہیں قیام کیا اور ماہ صیام کے گذرنے کا انتظار کیوں نہ کیا؟

اس کے بعد آپ نے عبدالرحمان بن نعیم کو حرب اور نمازوں پر امیر مقرر کر کے عبدالرحمان قشیری کو خراج کا افسر مقرر کیا۔

Marfat.com

آذربائیجان کے علاقہ پر دشمنوں نے حملہ کر کے مسلمانوں کو لوٹا، سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے ابن حاتم باہلی کو فوج دے کر اس طرف روانہ کیا، اس نے وہاں پہنچ کر دشمنوں کو قرار واقعی سزا دی، اور اسلامی رعب از سرِ نو قائم کیا، سندھ کے لوگوں اور وہاں کے راجاؤں نے آپ کے ہی عہد میں بطیب خاطر اسلام قبول کیا اور سندھ میں اسلام کی خوب اشاعت ہوئی، اندلس کی طرف ضرورت پیش آئی، تو آپ نے اس طرف فوج مع ساز و سامان روانہ کی، اس طرح رومیوں کے مقابلے میں بھی فتوحات حاصل ہوئیں۔

بنو امیہ نے اپنی خلافت و حکومت کے زمانے میں اچھی اچھی جاگیروں پر اپنے استحقاق سے زیادہ قبضہ کر لیا تھا، جس میں دوسرے مسلمانوں کی حق تلفی ہوئی تھی، مگر چوں کہ بنو امیہ حکمران تھے، اس لیے کوئی چوں و چرا نہیں کر سکتا تھا، سیدنا عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے، تو انہوں نے سب سے پہلے اپنی بیوی کے زیورات جن میں وہ بلا استحقاق مال کی آمیزش سمجھتے تھے، اپنے گھر سے نکلوا کر بیت المال میں بھجوائے، پھر آپ نے بنو امیہ کو جمع کر کے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باغ فدک تھا، جس کی آمدنی سے نبی بنو ہاشم کے بچوں کی خبر گیری کرتے اور ان کی بیواؤں کے نکاح کر دیا کرتے تھے، سیدہ فاطمۃ الزہرا نے اس باغ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینے سے انکار کر دیا، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہ باغ اسی حالت میں رہا آخر مروان نے اس پر قبضہ کر لیا، مروان سے منتقل ہوتے ہوئے وہ مجھے ورثہ میں پہنچا ہے، مگر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی، کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کو دینے سے انکار کر دیا تھا، وہ مجھ پر کس طرح حلال ہوگئی، لہٰذا میں تم سب کو گواہ کرتا ہوں، کہ میں باغ فدک اسی حالت میں چھوڑے دیتا ہوں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔

اس کے بعد آپ نے اپنے تمام رشتہ داروں اور تمام بنو امیہ سے وہ تمام جائدادیں اور اموال و سامان واپس کرائے جو ناجائز طور پر ان کے قبضہ و تصرف میں تھے۔

اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک روز آپ کے مکان میں بنو امیہ کے اکثر اشراف و سردار بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمہاری یہ خواہش ہے کہ میں تمہیں کسی لشکر کا سردار اور کسی علاقہ کا مالک و حاکم بنا دوں، یاد رکھو! میں اس بات کا بھی روادار نہیں ہوں، کہ میرے مکان کا فرش تمہارے پیروں سے ناپاک ہو، تمہاری حالت بہت ہی افسوس ناک ہے، میں تم کو اپنے دین اور مسلمانوں کے اغراض کا مالک کسی طرح نہیں بنا سکتا، انہوں نے عرض کیا کہ کیا ہم کو بوجہ قرابت کوئی حق اور کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس معاملے میں تمہارے اور ایک ادنیٰ مسلمان کے درمیان میرے نزدیک رتی برابر فرق نہیں ہے۔

خلافت راشدہ کے بعد خلافت بنو امیہ میں شان جمہوریت بالکل جاتی رہی تھی، اور حکومت میں وہی شخصی اور مطلق العنان حکومت کا رنگ پیدا ہو گیا تھا جو قیصر و کسریٰ کی حکومتوں میں پایا جاتا تھا، سیدنا عمر بن

Marfat.com

عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی جمہوری شان کو پھر واپس لانے کی کوشش کی، اور اس قدر کامیاب رہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا زمانہ پھر لوگوں کی نگاہوں میں گھومنے لگا۔

چوں کہ بنی امیہ کو آپ کی خلافت میں بہت نقصان پہنچا، وہ جائدادیں جو غاصبانہ طور پر ان کے قبضے میں تھیں ان سے چھن گئیں، اور عزت و عظمت کا بلند مقام جو ان کو دوسرے قبائل کے مقابلے میں اپنی قومی حکومت کے سبب حاصل تھا، مساوات سے تبدیل ہونے لگا، لہٰذا تمام بنو امیہ ان کی خلافت کو اپنے لیے بے حد مضر اور باعث نقصان سمجھنے لگے، ان کی نیکی و پاک باطنی کے بنو امیہ بھی اسی طرح قائل تھے، جیسے اور لوگ، مگر بنی امیہ ان کے وجود کو اپنی قوم اور قبیلے کے لیے سم قاتل سمجھنے لگے۔

ایک مرتبہ بنو امیہ نے اپنی جائیدادوں کو بچانے کے لیے یہ تدبیر کی کہ عمر بن عبدالعزیز کی پھوپھی فاطمہ بنت مروان کے پاس گئے اور سفارش کرنے کی درخواست کی، عمر بن عبدالعزیز اپنی پھوپھی کا بہت ادب و لحاظ کرتے تھے، چنانچہ فاطمہ بنت مروان نے آ کر بنی امیہ کی سفارش کی، انہوں نے پھوپھی کو اس طرح سمجھایا کہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہوئیں کہ میں تو تمہارے بھائیوں کے اصرار سے تمہیں سمجھانے آئی تھی، مگر جب تمہارے ایسے پاک اور نیک خیالات ہیں تو میں کچھ نہیں کہتی، یہ کہہ کر واپس آئیں، اور بنو امیہ سے کہا کہ تم نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی پوتی سے رشتہ کیا تھا، لہٰذا وہی فاروقی رنگ اولاد میں موجود ہے۔

حنیفہ بن سعید بن عاص نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ سے پہلے جتنے خلفاء ہوئے وہ ہمیں انعامات دیا کرتے تھے، مگر آپ نے خلیفہ ہو کر وہ سب روک دیئے، میرے پاس کچھ جاگیر بھی ہے، اگر آپ حکم دیں تو میں اس میں سے اس قدر لے لیا کروں کہ میرے عیال کو کافی ہو، آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تم مشقت سے حاصل کرو وہ تمہارا مال ہے، پھر فرمایا کہ موت کو اکثر یاد کیا کرو، کیوں کہ اگر تم تکلیف میں ہو گے تو عیش پاؤ گے، اور عیش میں ہو گے تو اس میں کچھ کمی نہ ہو گی۔

بعض عمال نے آپ کو لکھا کہ ہمارے شہر میں قلعوں اور راستوں کی مرمت ہونی چاہیے، لہٰذا امیرالمومنین ہمیں کچھ مال عطا فرمائیں کہ ہم آبادی و مرمت کی کوشش کریں، آپ نے جواب میں لکھا، کہ اس خط کے پڑھتے ہی تم اس شہر میں عدل قائم کر کے قلعے بنا لو، اور ان کے راستوں کو ظلم سے دور کر کے پاک کرو، پس یہ مرمت ہے۔

ابراہیم سکونی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ جب سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جھوٹ بولنا عیب ہے، میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اگر اس امت میں کوئی مہدی ہونے والا ہے تو وہ عمر بن عبدالعزیز ہیں۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ہوئے تو چرواہے تعجب سے دریافت کرنے لگے کہ یہ کون شخص خلیفہ ہوا ہے کہ بھیڑیئے ہماری بکریوں کو اب کچھ نقصان نہیں پہنچاتے، موسیٰ

Marfat.com

بن اعین کہتے ہیں کہ ہم کرمان میں بکریاں چرایا کرتے تھے، بھیڑیے ہماری بکریوں کے ساتھ چلتے پھرتے رہتے تھے اور بکریوں کو نقصان نہ پہنچاتے تھے۔ ایک روز ایسا ہوا کہ بھیڑیا ایک بکری کو اٹھا کر لے گیا، میں نے اسی روز کہہ دیا، کہ آج خلیفہ صالح یقیناً فوت ہو گیا، چنانچہ جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اسی روز عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال فرمایا۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص زاہد ہو سکتا ہے تو وہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں، دنیا ان کے پاس آئی، اور انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔

یونس بن ابی شبیب کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت سے پہلے دیکھا کہ ان کے پاجامہ کا نیفہ فربہی کے سبب ان کے پیٹ میں گھستا ہوا تھا، لیکن خلیفہ ہونے کے بعد وہ اس قدر لاغر ہو گئے تھے ان کی ایک ایک ہڈی گنی جا سکتی تھی۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوجعفر منصور نے پوچھا، کہ جب انہوں نے انتقال کیا تو کیا آمدنی تھی، میں نے کہا کہ کل چار سو دینار اور اگر کچھ دنوں اور زندہ رہتے تو اور بھی کم ہو جاتی۔

مسلمہ بن عبدالملک کا قول ہے کہ میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی عیادت کے لیے گیا تو دیکھا کہ وہ ایک میلا کرتا پہنے ہوئے ہیں، میں نے اپنی بہن یعنی ان کی بیوی سے کہا کہ تم ان کا کرتا دھو کیوں نہیں دیتیں، انہوں نے کہا کہ ان کے پاس دوسرا کرتا نہیں ہے کہ اس کو اتار کر اسے پہن لیں۔

سعید بن سوید کہتے ہیں کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جمعہ کی نماز پڑھانے کے لیے آئے تو دیکھا، کہ ان کے کرتے میں سامنے اور پیچھے پیوند لگے ہوئے ہیں، ایک شخص نے کہا کہ امیر المومنین خدائے تعالیٰ نے آپ کو سب کچھ عطا فرمایا ہے، پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ کپڑے کیوں نہیں بنواتے؟ آپ تھوڑی دیر سر جھکائے ہوئے کچھ سوچتے رہے، پھر فرمایا کہ تونگری میں میانہ روی اور قدرت میں عفو بڑی چیز ہے۔

اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ کی عادت تھی کہ جب کسی شخص کو سزا دینا چاہتے تھے پہلے احتیاطاً تین روز تک اسے قید کر رکھتے تھے تا کہ غصہ اور جلدی میں اسے سزا نہ دی جائے۔

عمر بن مہاجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، کہ آپ کی تنخواہ دو درہم روزانہ مقرر کی گئی اور آپ کا چراغ دان تین لکڑیوں کو کھڑا کر کے ان پر مٹی رکھ کر بنایا گیا تھا، آپ نے غلام کو پانی گرم کرنے کیلئے کہا، وہ شاہی باورچی خانے سے جا کر گرم کر لایا، آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے ایک درہم کی لکڑیاں اس کے عوض میں بھجوا دیں۔ آپ کی عادت تھی کہ جب تک آپ کے پاس بیٹھے ہوئے لوگ سلطنت کے معاملات میں گفتگو کرتے رہتے آپ بیت المال کا چراغ جلائے رکھتے، اور جب وہ اٹھ جاتے تو اس کو گل کر کے اپنا ذاتی چراغ جلا لیتے۔

عمر بن مہاجر کہتے ہیں کہ آپ کا جی انار کھانے کو چاہا، آپ کے ایک عزیز نے انار بھیج دیا، آپ

Marfat.com

نے اس کی بہت ہی تعریف کی اور اپنے غلام سے فرمایا کہ جس شخص نے یہ بھیجا ہے اس سے میرا اسلام کہنا اور یہ انار واپس کر کے کہہ دینا کہ تمہارا ہدیہ پہنچ گیا، غلام نے کہا کہ امیر المومنین رحمۃ اللہ علیہ یہ تو آپ کے قریبی عزیز نے بھیجا ہے اس کو رکھ لینے میں کیا مضائقہ ہے، آخر رسول اللہ ﷺ بھی تو ہدیہ قبول فرمالیا کرتے تھے، آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے لیے ہدیہ تھا، مگر ہمارے لیے رشوت ہے، آپ نے سوائے ایک شخص کے جس نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں گستاخی کی تھی، کسی شخص کے درے نہیں لگوائے۔

یحییٰ غسانی کہتے ہیں، کہ جب سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے موصل کا حاکم بنایا، تو میں نے دیکھا کہ وہاں چوری کی وارداتیں بہت ہوتی ہیں، میں نے آپ کو اس کیفیت سے اطلاع دے کر دریافت کیا کہ ایسے مقدموں میں شہادت پر فیصلہ کروں، یا محض اپنی رائے اور وجدان پر، آپ نے حکم دیا کہ ہر مقدمہ میں شہادت کا لینا ضروری ہے اگر حق نے ان کی اصلاح نہ کی تو اللہ تعالیٰ ان کی کبھی اصلاح نہیں کرے گا، میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور موصل سب سے زیادہ صاف مقام ہو گیا۔

رجاء بن حیٰوۃ کہتے ہیں کہ ایک روز میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ چراغ گل ہو گیا، وہیں آپ کا غلام سو رہا تھا، میں نے چاہا کہ اسے جگا دوں، آپ نے منع فرما دیا، پھر میں نے چاہا کہ میں خود اٹھ کر چراغ جلا دوں، آپ نے فرمایا، کہ مہمان کو تکلیف دینا خلاف مروت ہے، آپ خود اٹھے اور تیل کا کوزہ اٹھا کر چراغ میں تیل ڈالا، اور اس کو جلا کر پھر اپنی جگہ آ بیٹھے اور فرمایا، کہ میں اب بھی وہی عمر بن عبدالعزیز ہوں جو پہلے تھا، یعنی چراغ جلانے سے میرے مرتبہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

ایک مرتبہ آپ نے عمرو بن قیس سکونی کو لشکر صائفہ کا سپہ سالار بنا کر روانہ کیا، اور رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہاں کے نیک لوگوں کی بات سننا اور بدوں سے درگزر کرنا، جاتے ہی ان کا قتل شروع نہ کر دینا اور آخر میں بدنامی نہ اٹھانا، متوسط حالت اختیار کرنا کہ وہ تمہارا مرتبہ بھول نہ جائیں اور تمہاری باتیں سننے کی تمنا کرتے رہیں۔

جراح بن عبداللہ عامل خراسان نے آپ کو لکھا کہ اہل خراسان بہت ناہموار لوگ ہیں۔ یہ بغیر تلوار کے سیدھے نہ ہوں گے، آپ نے جواب لکھا کہ تم یہ جھوٹ کہتے ہو کہ اہل خراسان بغیر تلوار کے اصلاح پر نہ آئیں گے، عدل اور حق رسانی وہ چیزیں ہیں کہ ان سے خود درست ہو جائیں گے، پس ان میں انہیں دو چیزوں کی اشاعت کرو۔

صالح بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کبھی ایسا اتفاق ہوتا کہ میں کوئی بات امیر المومنین رحمۃ اللہ علیہ سے کہتا اور وہ مجھ سے ناراض ہو جاتے، ایک مرتبہ ان کے سامنے ذکر ہوا کہ ایک کتاب ٹیں لکھا ہے کہ بادشاہ کی ناراضی سے ڈرنا چاہیے، اور جب بادشاہ کا غصہ اتر جائے تب اس کے سامنے جانا چاہیئے، آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ صالح میں تجھے اجازت دیتا ہوں کہ تو میرے ساتھ اس کی پابندی نہ کر۔

Marfat.com

جریر بن خطفی نے ایک مرتبہ آپ کی شان میں قصیدہ پڑھا جس سے حسن طلب کی جھلک آ رہی تھی۔ آپ نے اشعار سننے کے بعد فرمایا مشکل یہ ہے کہ قرآن کریم کی رو سے تمہارا کوئی حق بیت المال پر ثابت نہیں ہوتا۔ جریر نے عرض کیا امیر المومنین میں بحیثیت مسافر حقدار ہوں۔ یہ سن کر آپ نے اپنی جیب سے اس کو پچاس دینار عطا فرمائے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کی بیوی نے ایک دن شکایت کی کہ عید الفطر سر پر آ رہی ہے۔ سب لوگ نئے کپڑے پہنیں گے۔ ایک ہمارے بچے ہیں خلیفہ وقت کے فرزند ہونے کے باوجود پھٹے پرانے کپڑوں میں ہوں گے۔ امیر المومنین نے بیت المال کے خزانچی کو رقعہ لکھا کہ ہمارا حق خلافت ایک مہینہ کا پیشگی بھیج دیجئے۔

مہتمم بیت المال نے عرض کیا۔ بادشاہ کا حکم ہے مجھے کوئی عذر نہیں لیکن امیر المومنین کو کیوں کر یہ یقین ہے کہ وہ ایک مہینہ تک زندہ رہ سکتے ہیں؟ اور اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو غریبوں کے مال کا حق کیوں پیشگی ہی اپنی گردن پر رکھتے ہیں؟

فرمایا: خزانچی کا خیال بہت صحیح ہے۔ اللہ اللہ! کیا لوگ تھے زبانیں حق کہنے کے لیے آزاد تھیں اور کان حق سننے کے لئے کھلے تھے۔ خلوص کے ساتھ جسارت اور دلیری تھی اور فراخدلی کے ساتھ شنوائی۔

عبید بن حسان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب آپ کا وقت آخر آ پہنچا اور نزع کی کیفیت شروع ہوئی تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم مجھ کو تنہا چھوڑ دو، چنانچہ سب اٹھ کر باہر چلے گئے، مسلمہ بن عبد الملک اور آپ کی بیوی فاطمہ بنت عبد الملک دروازے پر کھڑے رہے۔ انہوں نے سنا کہ آپ نے فرمایا، بسم اللہ، تشریف لائیے، یہ صورت نہ تو آدمیوں کی ہے نہ جنوں کی، پھر یہ آیت پڑھی:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ (سورۃ القصص:38)

”یہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیتے ہیں جو زمین میں بڑائی اور فساد نہیں چاہتے، اور بہتر انجام تو متقین ہی کے لیے ہے۔“

اس کے بعد جب کوئی آواز نہ آئی تو وہ دونوں اندر گئے، دیکھا تو آپ فوت ہو چکے ہیں۔

آپ کی وفات 25 ماہ رجب 101ھ کو ہوئی، دو برس پانچ مہینے اور چار دن آپ نے خلافت کی، آپ کی وفات علاقہ حمص کے ایک مقام دیر سمعان میں ہوئی، آپ کی وفات کا حال جب سیدنا امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے سنا تو فرمایا کہ افسوس آج دنیا کا سب سے بہتر آدمی اٹھ گیا۔

عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جو ترکہ چھوڑا، اس کی کل مقدار 21 دینار تھی۔ اسی میں سے چند دینار کفن دفن میں صرف ہوئے، باقی بیٹوں، بیٹیوں میں تقسیم ہوئے۔ عبد الرحمن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر کا بیان

Marfat.com

ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے گیارہ بیٹے چھوڑے اور ہشام بن عبدالملک نے بھی گیارہ ہی بیٹے چھوڑے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ہر ایک بیٹے کو باپ کے ترکہ میں سے ایک دینار ملا اور ہشام بن عبدالملک کے بیٹوں میں سے ہر ایک نے باپ کے ترکہ سے دس دس لاکھ درہم پائے لیکن میں نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹوں میں سے ایک کو دیکھا کہ اس نے ایک دن جہاد کے لیے سو گھوڑے دیے اور ہشام کے ایک بیٹے کو دیکھا کہ وہ لوگوں سے صدقہ لے رہا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کا زمانہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی طرح بہت ہی مختصر ہے لیکن جس طرح عہد صدیقی بہت ہی اہم اور قیمتی زمانہ تھا، اسی طرح عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت کا زمانہ بھی عالم اسلام کے لیے قیمتی زمانہ تھا۔ بنو امیہ کی حکومت نے بتدریج لوگوں میں دنیا پرستی اور حب جاہ و مال پیدا کر کے آخرت کی طرف سے غفلت پیدا کر دی تھی۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی چند روزہ خلافت نے یک لخت ان تمام خرابیوں کو دور کر کے مسلمانوں کو پھر روحانیت اور نیکی کی طرف راغب کر دیا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے خلافت اسلامیہ کو خلافت راشدہ کے نمونے پر قائم کر کے عہد صدیقی و عہد فاروقی کو دنیا میں پھر واپس بلا لیا۔ ان دونوں اصحاب ذی قدر رضی اللہ عنہما کے ادوار میں جو جو کچھ ہم نے دیکھا ہے، اس کے تمام نمونے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اندر موجود تھے اور اسی لیے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے فوت ہونے پر خلافت راشدہ ختم ہو گئی۔ ان کے زمانے میں کثیر التعداد لوگوں نے بطیب خاطر اسلام قبول کیا۔ نومسلموں کی یہ کثرت کسی دوسرے خلیفہ کے زمانہ میں نظر نہیں آتی۔ حالانکہ آپ کے عہد خلافت میں بہت ہی کم لڑائیاں اور چڑھائیاں ہوئیں۔ آپ کی حکومت و سلطنت کی حدود سندھ، پنجاب، بخارا، ترکستان اور چین سے لے کر مراکش، اندلس اور فرانس تک وسیع تھے۔ اتنی بڑی عظیم الشان سلطنت میں ہر جگہ یکساں سکون اور امن و امان موجود تھا۔

آپ کے عہد مبارک میں سڑکیں نکالی گئیں۔ ہر ملک میں مدرسے اور شفاخانے جاری ہوئے، عدل و انصاف دنیا نے آپ کے بعد تک کبھی ایسا نہیں دیکھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے انتقال پر نہ صرف مسلمانوں کے گھروں میں رونا دھونا ہوا بلکہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ عیسائی و یہودی سوگوار پائے گئے۔ راہبوں نے آپ کے مرنے کی خبر سن کر اپنے صومعوں اور عبادت خانوں میں سر پیٹ لیے اور کہا کہ آج دنیا سے عدل اٹھ گیا اور عدل کا قائم کرنے والا اور عدل کی حفاظت کرنے والا دنیا کو خالی کر گیا۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بعد عبدالمالک کا تیسرا بیٹا یزید ثانی خلیفہ بنا۔ اس کے عہد کے پہلے ہی سال عراق کے مسلمانوں نے حکومت کے خلاف خروج کیا۔ قصہ یہ تھا کہ خراسان کا حاکم یزید ابن مہلب مال غنیمت کا خمس بیت المال میں جمع نہ کرانے کے باعث خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا معتوب ہو گیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اسے قید کر کے حلب کے زندان میں ڈال دیا چونکہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین

Marfat.com

یزید ثانی کی بیوی حاکم خراسان کے دشمن حجاج بن یوسف کی بھتیجی تھی۔ اس لیے یزید بن مہلب حلب کے زندان سے نکل بھاگا اور اس نے بصرہ پہنچ کر اپنے قبیلہ ازد اور جنوبی عرب کے دیگر قبائل کو جو وہاں آباد تھے اس بات پر آمادہ کرلیا کہ سب مل کر اُمویوں کے خلاف جہاد کریں۔ یزید ابن مہلب نے ان قبائل کی مدد سے بنو اُمیہ کے اقتدار کے خلاف جہاد کا علم بلند کر دیا۔ اصطخر اور کرمان کے لوگ بھی اس کے حامی اور مددگار بن گئے۔

خلیفہ یزید ثانی نے پہلے ابن مہلب کے ساتھ صلح کرنے کی کوشش کی۔ جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو اپنے بھائی مسلم بن عبد المالک کو لشکر دے کر عراق کی طرف بھیجا۔ 25 اگست 720ء کو کوفہ اور واسط کے درمیان ''العقر'' کے مقام پر مسلم اور ابن مہلب کے درمیان جنگ ہوئی۔ باغیوں نے شکست کھائی۔ ابن مہلب مارا گیا۔ فاتحین نے اس کے سارے خاندان کو مرتد اور واجب القتل قرار دیا۔ تمام مرد تلوار کے گھاٹ اُتار دیئے گئے، عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا کر فروخت کر دیا گیا۔ عرب مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کے سلسلے میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں شروع ہوا تھا، یہ پہلا موقع تھا کہ ایک فریق نے دوسرے فریق کے ساتھ متحارب کافروں یا مشرکوں کا سا سلوک کیا ہو۔

یزید ثانی نے مکہ اور مدینہ کے نظم ونسق کو یکجا کر کے ایک حاکم کے زیر انتظام کر دیا۔ مصر کے دیوان (مردم شماری کے رجسٹر) پر نظر ثانی کرائی۔ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نافذ کردہ زرعی اصلاحات کو منسوخ کر کے زمین کی انفرادی ملکیت کو از سر نو بحال کیا اور مالکان اراضی پر بلا تخصیص مسلم و غیر مسلم ٹیکس لگایا۔ یزید نے عیسائیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی وہ پالیسی بھی ترک کر دی جو عمر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کی تھی۔ یزید ثانی بھی یزید اوّل کی طرح عیش وعشرت کا دلدادہ تھا۔ شکار اور موسیقی کا بہت شوقین تھا، اسے مغنیہ اور رقاصہ عورتوں سے بہت دلچسپی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک منظور نظر مغنیہ کی وفات کا صدمہ ہی اس کی موت کا موجب بنا اور وہ جنوری 724ء مطابق 106ھ میں فوت ہو گیا۔

یزید ثانی کے بعد عبد المالک کا چوتھا بیٹا ہشام مسند آرائے خلافت ہوا۔ جس نے 106ھ سے لے کر 125ھ تک انیس سال حکومت کی۔ ہشام نے اپنی بود و باش کے لیے دریائے فرات کے کنارے رصافہ کے ایک قصبہ میں محلات بنوائے اور زیادہ تر اسی جگہ رہتا تھا۔ رصافہ اس وجہ سے اچھا خاصا شہر بن گیا۔

خلفائے بنو اُمیہ اگرچہ جبر و تشدد کے بل پر ساری مملکت اسلامی کے حکمران بن گئے تھے لیکن عامۃ الناس کا ایک معتدبہ طبقہ اُن کے اقتدار سے بیزار رہتا تھا۔ شیعہ فرقہ کے لوگ اپنے مذہبی عقیدہ کی بناء پر ان سے نفرت کرتے تھے۔ خارجی پہلے ہی سے مخالف تھے۔ اہل سنت میں سے علمائے حقانی کے گروہ نے کبھی اُن کی خلافت پر جواز کی مہر ثبت نہ کی۔ مدینہ کے علمی اور دینی حلقے جو کتاب و سنت کے حامل تھے، انہیں جائز و جابر سلاطین قرار دیتے تھے اور عامۃ الناس دل سے خواہاں تھے کہ ان کے دنیاوی اقتدار کا خاتمہ ہو اور

Marfat.com

مملکتِ اسلامی میں صحیح اسلامی نمونے کی حکومت قائم ہو جائے۔

ہشام کے خلیفہ بننے پر زید ابن علی نے عوام کے اس رجحان کو بھانپ کر لوگوں سے بیعت لینا شروع کر دیا۔ اس کا اعلان تھا کہ

1- میں کتاب وسنت کے مطابق خلافت کے صحیح فرائض بجالاؤں گا۔

2- فاسق وفاجر حکمرانوں سے جنگ کروں گا۔

3- ضعیفوں اور ناتوانوں کی دست گیری کروں گا۔

4- وظائف بحال کردوں گا اور بیت المال کو مسلمانوں پر مساوی طور پر بانٹوں گا۔

5- اِن مجاہدین کو جو سالہا سال سے سرحدات پر پڑے ہیں واپس بلاؤں گا۔

لیکن عراق کے حاکم یوسف ابن عمر الثقفی نے یہ تحریک آسانی سے دبا دی۔ کوفہ کے گلی کوچوں میں لڑائی ہوئی اور تحریک دب گئی۔ بنو اُمیہ کے اقتدار کا تختہ اُلٹنے کے لیے شیعوں کی یہ پہلی کوشش تھی۔ جو ناکام رہ گئی تاہم تحریک اندر ہی اندر جاری رہی اور دن بہ دن زور پکڑتی چلی گئی۔

ہشام کے عہد میں اُندلس میں عربوں اور بربریوں کے درمیان بدمزگی ترقی کرنے لگی اور اُن کے باہمی اختلافات کے باعث فتوحات کی رفتار سست ہوگئی۔ منازہ نامی ایک بربری سردار نے اُندلس کی شمالی سرحد پر ایک خودمختار ریاست قائم کر کے بورڈو کے ڈیوک سے اتحاد کر لیا۔ خلیفہ ہشام نے ان حالات کی اطلاع پا کر عبدالرحمن ابن عبداللہ الغافقی کو اندلس کا حاکم بنا کر بھیجا۔ عبدالرحمن نے ایک جنگ میں منازہ کو شکست دی اور بورڈو کے ڈیوک پر گیرون اور ڈاڈون تک یلغار کر کے اس کا اور اس کے حلیف ہسپانوی ڈیوک کا قلع قمع کر دیا۔ عبدالرحمن کی فوجوں نے ان دونوں کا تعاقب لواچر کے مقام تک کیا۔ اتنے میں آسٹریلیا کا سپہ سالار چارلس مارٹل فرانس سے لشکر جرار لے کر ہسپانیہ کے عیسائیوں کی مدد کے لیے آ پہنچا۔ طورس اور پائیرس کے قریب اکتوبر 732ء مطابق 114ھ میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان جنگ ہوئی جس میں عبدالرحمن الغافقی شہید ہو گیا۔ سالار کے مارے جانے پر عربوں اور بربریوں کے درمیان جھگڑا پیدا ہوا اور اسلامی لشکر راتوں رات میدان سے پسپا ہو گیا۔ اس کے بعد اُندلس کے مسلمانوں نے فرانس میں پیش قدمی کرنے کی طرف توجہ نہ کی۔

ہشام بڑا لالچی خلیفہ تھا۔ اس نے جزیرہ قبرص کے لوگوں کا خراج بڑھا دیا۔ اسکندریہ کا خراج دگنا کر دیا۔ اپنے حاکموں سے استحصالِ زر کرتا رہا۔ اس خلیفہ کے عہد میں عربوں کے تشدد اور استکبار سے تنگ آ کر بربریوں نے بغاوت کر دی۔ خراسان کے ترک اور ایرانی بددل ہونے لگے جن میں خاندان رسالت کے حامیوں کو اپنی انقلابی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کے لیے نہایت موزوں زمین مل گئی۔ ہشام نے 6 فروری 723ء بمطابق 125ھ کو وفات پائی۔ اس کی موت کے وقت سلطنت کا حال خراب ہو چکا تھا اور نظم ونسق کی

Marfat.com

طنابیں ڈھیلی پڑ گئی تھیں۔

مشہور و معروف مقتدائے تصوف حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ نے اسی خلیفہ کے عہد میں 112ھ بمطابق 728ء وفات پائی۔ آپ نے اوائل عمر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فیضان حاصل کیا اور امام حسن رضی اللہ عنہ کی صحبت سے شرف یاب ہوئے۔ ان کی ساری زندگی خلفائے بنو اُمیہ کے دور تاریک میں دین کی شمع روشن رکھنے کی جدوجہد میں گزری۔ آپ کے روحانی فیضان کا سلسلہ بہت وسیع تھا۔ بہت سے مشائخ تصوف اس عہد میں آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔

امویوں کے خلاف بغاوتوں اور شورشوں کا جو سلسلہ ہشام کے دور میں شروع ہوا تھا، وہ پھر تھمنے میں نہ آیا، بعد میں آنے والوں میں کوئی خلیفہ حالات کو معتدل کرنے اور انتشار ختم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ تیرھواں خلیفہ مروان ثانی ابن محمد ابن مروان اوّل بنو امیہ کا آخری خلیفہ ثابت ہوا جس کا دورِ حکومت 127ھ تا 132ھ بمطابق 745ء سے 750ء تک محیط ہے۔ اموی حکومت کے خاتمے کا احوال بہ الفاظ مختصر کچھ یوں ہے:

بنو اُمیہ کے عہد میں متعدد تحریکیں ان کے اقتدار کا تختہ اُلٹنے کے لیے کام کر رہی تھیں۔ ایک مذہبی فرقہ شیعوں کا تھا جو شروع سے بنو اُمیہ کے اقتدار کا مخالف چلا آ رہا تھا اور یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ خلافت کے حق دار اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے سوا اور کوئی نہیں۔ ان میں ایک فرقہ زیدیوں کا تھا جو زید ابن علی کے جانشینوں کو اپنا دینی امام و مطاع سمجھ رہا تھا ایک فرقہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد کو اور ایک فرقہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد کو امام مانتا تھا۔ اہلِ بیتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ائمہ کرام نے مسلمانوں میں دنیاوی خلافت قائم ہو جانے کے بعد اپنی تمام تر توجہات مسلمانوں کے اندر دین حقانی کی تبلیغ و ترویج پر مرتکز کر دی تھیں۔

شیعوں کے علاوہ اہلِ سنت کے مقتدر علمائے کرام بھی اس عہد میں بنو اُمیہ کی خلافت کو سلاطین جائر کی دنیاوی حکومت سمجھتے تھے۔ اس لیے عامۃ الناس میں بنو اُمیہ کے اقتدار کے خلاف بیزاری ترقی کرتی چلی گئی۔ بنو اُمیہ کے اقتدار کے رقیبوں میں علویوں اور فاطمیوں کے علاوہ خارجی بھی تھے جو جنگِ صفین کے وقت سے بنو اُمیہ اور اہلِ بیت دونوں کے خلاف چلے آ رہے تھے اور ایک بنو عباس تھے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد ہونے کی وجہ سے منصب خلافت کو وراثتاً اپنا جائز حق متصور کر رہے تھے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں عراق کے حاکم تھے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی تھی۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ایک مستند عالم دین بھی تھے جنہوں نے بہت سی حدیثیں جمع کر کے روایت کیں۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے صلبی جانشین بھی یکے بعد دیگرے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کی طرح آئمہ دین بنتے رہے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیٹا علی دمشق میں رہتا تھا لیکن ولید اوّل کی وفات پر حمائمہ میں جا بسا۔ اس نے 736ء مطابق 118ھ میں وفات پائی۔ علی کا بیٹا محمد شیعوں کا امام بن بیٹھا۔ اس نے اپنے بیٹے

Marfat.com

ابراہیم کو مسند امامت کا وارث مقرر کر دیا۔ بنو عباس کے ایلچی ہر جگہ بالعموم اور مملکت خلافت کے مشرقی اقطاع میں بالخصوص دیر سے کام کر رہے تھے۔

746ء مطابق 128ھ میں عباسی امام ابراہیم نے ابو مسلم عبدالرحمن بن مسلم نامی ایک ایرانی نژاد شخص کو اپنا ایلچی بنا کر خراسان بھیجا۔ اس وقت بنو اُمیہ کے خلیفہ مروان ثانی کے عہد کی ابتداء تھی اور اس کے اقتدار کے خلاف شام میں بنو کلب نے، عراق میں شیعوں اور خارجیوں نے نیز خود اُموی حاکم عبداللہ ابن عمر نے اور مغربی ایران میں خارجیوں نے شورشیں برپا کر رکھی تھیں۔ ابو مسلم نے خراسان پہنچ کر پہلے قبیلہ خزاء کے مستقر میں نماز جمعہ کے اندر عباسی امام ابراہیم کے نام کا خطبہ پڑھنا شروع کیا۔ قبیلہ کے بعض سرداروں نے اس پر اعتراض کیا۔ تو ابو مسلم مخوان چلا گیا جہاں جنوبی عرب کے بعض قبائلی اس کے مرید بن گئے۔ ابو مسلم نے خراسان کے ایرانی دہقانوں کو بھی مسلمان بنا کر اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کر لیا۔ ایرانی نو مسلم اس کے بہت زیادہ عقیدت مند ہو گئے۔ اس طرح ابو مسلم نے اپنے مریدوں کی بھاری جمعیت تیار کر کے وادی مرغاب کے مرکز مرو پر قبضہ جما لیا کیونکہ وہاں کے عرب آپس میں پھٹے ہوئے تھے۔ مرو پر قبضہ جما کر ابو مسلم نے نیشاپور کے اموی حاکم نصر ابن سیار کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ اموی حاکم پر پہلے قبیلہ طے کے ایک شخص قحطبہ ابن صالح نے حملہ کیا۔ قحطبہ امام ابراہیم کے بارہ خراسانی خلیفوں یعنی نائبوں میں سے ایک تھا۔ امام ابراہیم نے 747ء مطابق 129ھ میں مکہ معظمہ میں قحطبہ کو اپنا خلیفہ بنا کر سیاہ علم عطا کیا تھا۔ قحطبہ نے خراسان میں طوس کے مقام پر اموی حاکم نصر کے بیٹے کو شکست دی۔ نصر جرجان کی طرف بھاگ گیا۔

۷۴۸ء مطابق ۱۳۰ھ میں ابو مسلم خراسانی نیشاپور میں داخل ہوا۔ نصر کی درخواست پر عراق کے حاکم یزید ابن ہبیرہ نے جو خارجیوں کو شکست دے کر عراق کا حاکم بنا تھا۔ کمک بھیجی، قحطبہ نے اسے بھی شکست دی۔ نصر بھاگتا ہوا مارا گیا۔ اس کی فوج اور بقیۃ السیف شامی فوج جو عراق سے آئی تھی، نہاوند کے مقام پر جمع ہوئیں۔ قحطبہ کے بیٹے حسن نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ کرمان کے اموی حاکم حامر المری۔ کے زیر کمان ایک بھاری لشکر محصورین کی امداد کے لیے آگے بڑھا جسے قحطبہ نے اصفہان کے قریب 18 مارچ 749ء مطابق 131ھ میں شکست دی۔ نہاوند کی محصور شامی فوج نے یہ خبر سن کر ہتھیار ڈال دیئے۔ نصر کی فوج نے ہتھیار نہ ڈالے جس کے ایک ایک آدمی کو خراسانیوں نے چُن چُن کر قتل کر دیا۔

قحطبہ یہ فتح حاصل کرنے کے بعد عراق کی طرف بڑھا۔ عراق کا اموی حاکم یزید بن ہبیرہ دَجلَہ کو عبور کر کے مقابلے کو آیا لیکن قحطبہ نے کوفہ کی طرف چڑھائی کر دی۔ یزید نے تعاقب کیا۔ 27 اگست 729ء کو قحطبہ نے پلٹ کر یزید کے کیمپ پر حملہ کیا جو انبار کے مقام پر تھا۔ یزید واسط کی طرف پسپا ہوا۔ قحطبہ کسی جھڑپ میں مارا گیا یا دریا کو عبور کرتے ہوئے اس کی موجوں کی نذر ہو گیا۔ اس کے بیٹے نے فوج کی کمان سنبھالی اور آگے بڑھ کر کوفہ پر قبضہ جما لیا۔

Marfat.com

کوفہ میں بنو عباس کے ایجنٹ پہلے ہی سے مصروف کار تھے۔ ابوسلامہ نامی ایک شخص خاندان نبوت کا وزیر ہونے کی حیثیت سے کوفہ میں خفیہ طور پر کام کر رہا تھا۔ حسن بن قحطبہ کی خراسانی فوج کے فاتحانہ داخلے پر ابوسلامہ نے انتظامی امور کی زمام اپنے ہاتھ میں لے لی۔ خلیفہ مروان نے خراسان میں عباسیوں کی کامیاب تحریک کا حال سن کر بنو عباس کے امام ابراہیم کو حمائمہ سے گرفتار کر کے حران کے زندان میں ڈال دیا تھا۔ لیکن امام مذکور اپنے خاندان کے افراد کو گرفتار ہونے سے پہلے کوفہ بھیج چکا تھا اور ان کو حکم دیا تھا کہ میرے بھائی ابوالعباس کو میرا جانشین سمجھتے ہوئے اس کے کہنے پر چلنا۔ اکتوبر ۷۴۹ء میں خاندان بنو عباس کے چودہ افراد کوفہ پہنچ گئے۔ وزیر ابوسلامہ امام ابراہیم کا ذاتی دوست تھا۔ وہ اس کے سوا دوسرے عباسیوں کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاندان میں سے کسی شخص کو آگے لانے کی کوشش کی لیکن وہ لوگ اپنے میں سے کسی ایسے موزوں شخص کو پیش نہ کر سکے جو خلافت اور امامت کی ذمہ داریوں کا بار سنبھال سکتا۔ آخر ابو مسلم خراسانی کے نمائندے نے بنو عباس کے چودہ افراد کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ وہ ابوالعباس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں اور اسے خلیفہ بنا لیں۔ ابوالعباس اس وقت بخار میں مبتلا تھا۔ خطبہ دینے کے لیے منبر پر چڑھا تو کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کے بجائے اس کے چچا داؤد نے تقریر کی اور قرآن کریم کے حوالے دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ بنو عباس کا خاندان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاندان کی بہ نسبت مسلمانوں کی امامت اور خلافت کا زیادہ حقدار ہے نیز اس نے اس بات پر زور دیا کہ خراسانیوں نے اہلِ عراق کو شامی ظالموں کے پنجے سے نجات دلائی اور وہ بنو عباس کے حامی ہیں۔ ابوالعباس پہلے کوفہ میں رہا پھر ابوسلامہ کے پاس خراسانیوں کے کیمپ میں چلا گیا۔ وہاں سے حیرہ گیا۔ ابوسلامہ کو ابومسلم خراسانی کے مریدوں میں سے کسی نے قتل کر دیا اور ابوالعباس کو اس کی خواہ مخواہ کی سرپرستی سے نجات مل گئی۔

دریائے دجلہ کی شمالی وادی میں عباسیوں کی طرف سے عون ابن الازوی یلغار کر رہا تھا۔ سقوط کوفہ کے بعد اس لشکر کی کمان عبداللہ بن ابوالعباس کے ہاتھ میں دے دی گئی۔ مروانِ ثانی دمشق سے شامیوں کا بھاری لشکر لے کر آیا۔ دریائے زاب کے کنارے فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ مروان نے شکست کھائی۔ وہ حران اور دمشق ہوتا ہوا ساحل مصر کے مقام فرماد کی طرف بھاگ گیا۔ خراسانیوں نے تعاقب کرتے ہوئے شام کی ولایت پر قبضہ جما لیا۔ دمشقیوں نے مقابلہ کیا اور ہار گئے۔ آخری جنگ مصرِ زیریں میں بوصیر کے مقام پر اگست 750ء مطابق 132ھ میں ہوئی۔ مروان مارا گیا اور اقتدار خلافت کی زمام بنو اُمیہ کے ہاتھ سے نکل کر بنو عباس کے ہاتھ میں چلی گئی۔ واسط میں مروان کا حاکم یزید بن ہبیرہ اڑا ہوا تھا۔ مروان کی ہلاکت کی خبر سن کر اس نے صلح کی بات چیت کی۔ چالیس دن کی گفت و شنید کے بعد شرطیں طے ہوئیں جن کی تصدیق ابوالعباس نے بھی کر دی لیکن جب یزید نے ہتھیار ڈال دیئے تو ابوالعباس نے امویوں کے سارے سردار قتل کرا دیئے۔

Marfat.com

اگر بنو امیہ کے عہد کا اجمالی جائزہ لیا جائے تو نظر آتا ہے کہ دورِ بنو امیہ کے آغاز سے پہلے، شیخین رضی اللہ عنہما کا عہد دینِ اسلام کی ایسی خالص حکومت کا عہد تھا جو کسی قسم کے غل وغش سے آلودہ نہ تھی۔ اس عہد کے مسلمانوں کے سامنے اپنی آخرت کی بھلائی اور رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر دین کی خدمت بجا لانے کے سوا اور کوئی مقصد نہ تھا۔ انہوں نے جو کچھ کیا اللہ عزوجل کے دین کی سربلندی اور اطاعت کے لیے کیا۔ ان میں ایسے لوگوں کی کافی تعداد موجود تھی جنہوں نے براہ راست سرچشمہ ہدایت سے فیضان حاصل کیا تھا اور اللہ عزوجل کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں تربیت پائی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں طرح طرح کے فتنے سر اٹھانے لگے کیونکہ مسلمانوں کے معاشرے میں ایسے لوگ پیدا ہونے لگے جو آخرت پر دنیا کی زندگی کی آسائشوں اور قدروں کو ترجیح دیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کی فتوحات کے باعث مسلمانوں کی سوسائٹی کے بعض مقتدر لوگ اور بعض عوام حکمرانی کے منصوبوں اور دولت کی فراوانی کے نشوں سے لذت آشنا ہونے لگے۔ اس مرض کی ترقی فتنے پیدا کرنے کا موجب بنی جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے مخلص، بے غرض اور بہادر خادمِ دین کی کوششیں بھی فرو کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

فتنہ وفساد کی ترقی خاندان بنو اُمیہ کی خالص دنیاوی اور استبدادی حکومت قائم کرنے پر منتج ہوئی۔ مسلمانوں کے حکمران طبقہ نے نہ صرف دین کی خدمت کے احساس کو پسِ پشت ڈال دیا بلکہ وہ قیصر وکسریٰ کے صحیح جانشین بن گئے۔ بنو اُمیہ کے حکمرانوں نے اگرچہ خلیفہ ہی کا لقب اختیار کیا لیکن وہ درحقیقت روم کے قیصروں اور ایران کے کسراؤں کی طرح مطلق العنان شہنشاہ تھے۔ انہوں نے اپنے اقتدار کی بنیادیں جاگیرداری ہی کے پرانے معاشرتی نظام پر قائم کیں اور معاشرے میں ایک ایسا طبقہ پیدا کر لیا جو انعامات خسروی کے لالچ میں ہر اچھے برے اقتدار کی ریڑھ کی ہڈی بن جایا کرتا ہے۔ بنو اُمیہ کی حکومت نہ تو اسلام کی دینی حکومت تھی، نہ مسلمانوں کی جمہوری حکومت تھی بلکہ وہ ان عربوں کی قومی حکومت بن گئی جو بنو اُمیہ کے شاہی خاندان کے وفادار اور ممد ومعاون بننے کے لیے حاضر وآمادہ تھے۔

بنو اُمیہ کے شاہی خاندان کے افراد کے بعد قریش کو حکمرانی کے مناصب پر فائز کیا جاتا تھا۔ بنو کلب اور ان کے اتحادی عرب قبیلے بنو اُمیہ کے اقتدار کی عسکری پشت پناہ بنے۔ دوسری قوموں کو مثلاً ایرانوں بربریوں اور ترکوں کو مسلمان ہو جانے کے باوجود عیسائیوں، پارسیوں، ارسیوں اور یہودیوں کی طرح محکوم رعایا سمجھا جاتا تھا۔ قصہ مختصر بنو اُمیہ کی دنیاوی حکومت نے عام طرز عمل میں بھی اسلام کی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال دیا یعنی غیر عرب مسلمانوں سے مساوات کا سلوک نہ کیا اور غیر مسلموں سے وہ رواداری نہ برتی جس کی تاکید کی گئی تھی۔ علوی، خارجی اور عباسی ان کے حریف تھے۔ انہیں عربوں کے ایک طبقہ میں اور غیر عربوں میں ایسی زرخیز زمین مل گئی جس میں وہ اچھی فصل کاشت کرنے کی اُمید پر بنو اُمیہ کے خلاف بیزاری پھیلانے کے لیے تخم ریزی کر سکتے تھے۔ محکومین یعنی مملکت اسلامی کے عوام علویوں اور عباسیوں کو امید بھری نگاہوں

Marfat.com

سے دیکھنے لگے اور خاندان نبوت کے وارثوں کو خلافت کا جائز حقدار متصور کرنے لگے۔ دین اسلام کے اعلیٰ مقاصد کو پس پشت ڈالنے اور اسلام کی تعلیمات سے منحرف ہو جانے کے باوجود خلفائے بنو اُمیہ اسلام ہی کے نام پر حکومت کرتے تھے۔ فرض شناس علمائے دین کا طبقہ ان کی مستبدانہ حکومت کو صحیح اور جائز نہیں سمجھتا تھا لیکن انہیں ایسے عالمان دین مل گئے جو ان کے حق میں فتوے دینے لگے اور ان کی حکومت کو جائز اسلامی حکومت ثابت کرنے کے درپے ہو گئے۔ خلفائے بنو اُمیہ کے عہد میں ان کی دنیاوی استبدادی حکومت کو جائز اسلامی خلافت ثابت کرنے کے لیے بہت سی جھوٹی حدیثیں وضع کی گئیں بعد میں جن کی چھان بین کرنا بہت مشکل کام بن گیا۔

شاہانِ بنو اُمیہ نے آئندہ کے لیے ایک نمونہ قائم کر دیا کہ مسلمانوں کے بادشاہ اور سلاطین مطلق العنان ہوں۔ خلیفہ کہلائیں اور خلافت کو آبائی یا خاندانی وراثت بنا لیں، عیش و عشرت میں شان و شوکت کے ساتھ زندگی بسر کریں، حدود شریعت کو پامال کریں اور فاسق و فاجر اور ظالم و مستبد ہونے کے باوجود مسلمانوں کے لیے واجب الاطاعت بنے رہیں۔ یہ سکہ ایسا چلا کہ مسلمانوں میں حکمرانی کا مقصد یہی سمجھ لیا گیا اور آئندہ ادوار کے مسلمان انہی کے کارناموں پر فخر کرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ بنو اُمیہ کا پانچواں خلیفہ عبد المالک علی الاعلان ملحدانہ باتیں کیا کرتا تھا اور جب اس کو خلیفہ بننے کی خوشخبری سنائی گئی تو وہ قرآن پڑھ رہا تھا۔ خبر سنتے ہی اس نے قرآن پاک کو غلاف میں لپیٹا اور ''اب سے میرے اور تیرے درمیان جُدائی ہے'' کہہ کر ایک طرف رکھ دیا۔

ان میں صرف عمر ابن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ایسا خلیفہ ہو گزرے ہیں جنہوں نے صحیح اسلامی نقشے کے مطابق حکومت کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے صرف تین سال کا قلیل عرصہ پایا، اس لیے زیادہ کچھ کر نہ سکے، تاہم اتنا ہوا کہ عمر ابن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا عہد بعض خلفائے بنو اُمیہ پر اس امر کی شہادت بن گیا کہ وہ سب دین کی مقتضیات کو پسِ پشت ڈال کر حکومت کرتے تھے۔

ملک شام میں بسنے والے عرب مسلمان، حکمران طبقہ کے لوگ اور امراء عیسائیوں کی معاشرت سے بہت زیادہ متاثر ہو گئے اور ان میں شراب نوشی، لہو و لعب اور قمار بازی کی بُرائیاں گھر کرنے لگیں۔ اس کے علاوہ اُونچے طبقہ کے لوگ موسیقی، مصوری اور دیگر فنونِ لطیفہ سے بھی کافی دلچسپی کا اظہار کرنے لگے۔ عربوں کی ابتدائی سادگی اور اسلام کی منضبط زندگی ایک بھولے بسرے خواب کی حیثیت اختیار کرنے لگی۔ سوسائٹی میں گانے والوں اور گانے والیوں کے مستقل طبقے اور طائفے پیدا ہو گئے۔ دمشق تو رنگ رلیوں کی زندگی کا گہوارہ بنا ہی تھا مدینہ جیسے شہر میں بھی جہاں تابعین رات دن دین کی نشر و اشاعت میں مصروف رہتے تھے اور لوگ ان کی پاک صحبت سے فیضان حاصل کیا کرتے تھے مغنیات نے ڈیرے جما لیے۔ یونس نامی گویئے نے اس دور میں بہت شہرت پائی۔ روایات میں مکہ کے اندر ایک رئیس کے کلب نما گھر کا ذکر بھی ملتا ہے جس میں اس

Marfat.com

نے لوگوں کے مطالعہ کے لیے کتابیں رکھی ہوئی تھیں اور تفریح طبع کے لیے شطرنج اور گنجفہ کی قسم کی کھیلوں کے سامان بھی رکھ چھوڑے تھے۔ یہ اُونچے طبقہ کے لوگوں کا حال تھا۔

لیکن عرب کے بدوی قبائل جو سرحدات اور مملکت کی چھاؤنیوں میں مقیم تھے۔ حسب معمول اپنی ابتدائی سادگی، شجاعت، جفاکشی، اسلام کی محبت اور جہاد کے شوق کی صفات سے متصف رہے۔ ان غازیوں کی معاش کا انحصار پہلے مال غنیمت اور وظائف پر رہا پھر انہیں جاگیریں ملنے لگیں۔

مملکت کے غیر باشندوں میں کچھ تو ایسے لوگ تھے جو مسلمان ہو گئے تھے۔ ان میں ایران کے موالی اور افریقہ کے بربری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انہیں عرب مسلمانوں کے سے حقوق تو حاصل تھے لیکن عرب انہیں اپنے سے حقیر قسم کے مسلمان سمجھتے تھے۔

غیر مسلموں میں کچھ تو ذمّی لوگ تھے کچھ خراجی، ذمّی محض جزیہ ادا کرتے تھے اور خراجی مقرر شدہ خراج دیا کرتے تھے۔ خلافت کی حکومت نے ان کی داخلی معاشرت سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا۔ ان کا زرعی اور معاشرتی نظام جوں کا توں برقرار رہا۔ عیسائیوں کے مقدمات کے فیصلے ان کے پادری اپنی شریعت اور قانون کے مطابق کرتے تھے۔ ترکستان کے ترک جو مسلمان نہیں ہوئے تھے خراجی تھے ان پر ان کے خوانین حکومت کرتے تھے۔ خود عربوں اور نومسلموں میں فوجداری اور دیوانی مقدموں کے فیصلے حکومت کے مامور قاضی شریعت اسلامی کے مطابق کرتے تھے۔ ابتدائی عہد کے یہ قاضی فقہی موشگافیوں سے بہت کم واقف تھے۔ عام طور پر فعل کی حیثیت اور شہادت کی بنا پر فیصلہ صادر کر دیتے تھے۔ یعنی فیصلہ کا بہت کچھ انحصار قضاۃ کی صوابدید پر ہوتا تھا۔ فقہ اسلامی کی تدوین کا کام دوسری صدی ہجری میں شروع ہوا۔

اسلام نے مسلمانوں میں شروع ہی سے قرآن پاک کی تلاوت کا والہانہ جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ یہ جذبہ مسلمانوں میں حفاظ اور قاری پیدا کرنے اور نوشت وخواند کے شوق کو ترقی دینے کا موجب بنا۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں قرآن خوانی کے ساتھ حدیث گوئی کے شوق نے بہت فروغ پایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کا تذکرہ کرتے تھے۔ لوگ ان تذکار کو بڑی عقیدت کے ساتھ سنتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث بیان کرنے میں بڑی ہی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ جس کلمہ یا حرف کے متعلق انہیں ذرا سا بھی شُبہ ہوتا تھا اُسے بیان کر دیتے تھے۔ سننے والے بھی ان احادیث کو اسی احتیاط کے ساتھ ازبر کر لیتے تھے۔ حدیث کی روایت فضیلت اور فخر کی بات متصور ہوتی تھی۔ جو شخص ایک یا دو حدیثوں کا راوی ہوتا تھا وہ بھی مرجع خلائق بن جاتا تھا۔ علم دین کے جویا اس حدیث کی روایت کا حق حاصل کرنے کے لیے دور دراز کے مقاموں سے چل کر اس کے پاس پہنچتے تھے۔ غرض حدیث اہلِ دین کے نزدیک ایک قابل فخر متاع تھی جسے بڑی احتیاط کے ساتھ سنبھالا جاتا تھا۔

Marfat.com

لیکن بنو اُمیہ کے عہد میں ان کی استبدادی حکومت کو شرعاً جائز قرار دینے کے لیے جھوٹی حدیثیں بھی وضع ہونے لگیں۔ محدثین نے ایک حدیث کی بناء پر دین کی نشر و اشاعت کے تین دور مقرر کیے ہیں۔ ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ جو سب سے افضل تھا۔ اس کا شمار 52ھ تک کیا جاتا ہے کیونکہ اس کے بعد کوئی اِکا دُکا صحابی باقی رہ گیا تھا۔ دوسرا تابعین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے براہ راست کسب فیض کرنے والوں کا زمانہ جس کا شمار 52ھ سے 102ھ تک کیا جاتا ہے۔ یہ فضیلت میں دوسرے درجے پر ہے۔ تیسرا تبع تابعین یعنی تابعین سے کسب فیض کرنے والوں کا زمانہ جس کا شمار 102ھ سے 152ھ تک یعنی بنو اُمیہ کی خلافت کے خاتمے کے بیس سال بعد تک کیا جاتا ہے۔ یہ زمانہ فضیلت میں تیسرے درجے پر ہے۔ غرض بنو اُمیہ کی خلافت کے زمانہ میں تابعین اور تبع تابعین اسلام کی نشر و اشاعت کی خدمات بجالاتے رہے۔ لوگ دینی اُمور میں انہی سے رجوع کرتے، فتوے لیتے اور دین کے نکات سمجھتے تھے۔ مدینہ ان بزرگان کرام رحمہم اللہ کا مرکز تھا۔ صحیح اسلامی تخیل کے علم بردار حاملین کتاب وسنت کی زیادہ تعداد یہیں رہتی تھی۔ بنو اُمیہ کی خلافت کی حیثیت ان کے ہاں عام طور پر زیر بحث رہتی تھی۔ اسی لیے خلیفہ عبدالمالک کا درباری شاعر عمر ابن ربیعہ اُن بزرگوں کی ہجویں لکھ لکھ کر اپنے آقا کی خوشامد کیا کرتا تھا اور انہیں معاشرے میں بے وقر بنانے کی کوشش کیا کرتا تھا۔

اس دور میں بعض اہلِ علم وفضل کے دل میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات پر کتابیں اور رسالے لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ عُروہ نامی ایک عالم نے سیرت نبوی پر متعدد رسالے لکھے۔ یہ بزرگ تابعین میں سے تھے۔ انہوں نے 94ھ میں یعنی خلیفہ ولید اوّل کے عہد میں وفات پائی۔ ان کے شاگرد زہری نے بھی سیرت پر کتابیں لکھیں اور مغازی یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی جنگوں کے حالات مرتب کیے۔ زہری کا زمانہ 52ھ سے 124ھ تک کا ہے گویا ان کی زندگی کا علمی دور اپنے استاد عروہ کی وفات کے بعد 94ھ سے شروع ہوا۔ لہٰذا یہ تبع تابعین میں سے تھے۔ عروہ اور زہری کی تصانیف اب موجود نہیں۔ البتہ بعد میں آنے والے مصنفین و مؤلفین نے ان کی کتابوں سے بہت کچھ اخذ کیا اور ان کے حوالے دیئے۔ مغازی کے تمام حالات ارباب سیر اور مؤرخین نے انہی کی تصانیف سے لیے۔

دوسری صدی ہجری کے آغاز میں موسیٰ ابن عقبی اور ابو معتز مشہور ارباب سیر ہوئے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ زہری کے معاصرین میں سے ہیں۔ زہری کی وفات کے بعد ان کے شاگرد ابو معشر کے پاس تشریح نکات کے لیے آیا کرتے تھے۔ ان کی تصانیف بھی ناپید ہو چکی ہیں۔ بعد میں آنے والے مشہور مؤرخ طبری نے ان کی کتابوں کے بہت سے حوالے دیئے ہیں۔

بنو اُمیہ کی دنیاوی خلافت کا اقتدار قائم ہو جانے پر مدینہ منورہ دین اسلام کی اشاعت کا مرکز اور سرچشمہ تھا۔ جہاں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے سلسلہ درس و تدریس سے تشنگانِ علوم دینیہ اپنی طلب کی پیاس بجھاتے تھے اور مملکت اسلامی کے دُور دراز اقطاع سے آ کر کسبِ فیضان کرتے تھے۔ حضرت انس بن

Marfat.com

مالک رضی اللہ عنہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے۔ ہجرت کے وقت ان کی عمر دس سال کی تھی۔ دس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے اور ۹۳ھ میں ایک سو تین سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ نے خلافت راشدہ کے بعد بنو اُمیہ کی خلافت کے زمانے میں پورے باون سال دین کی نشر و اشاعت کا کام کیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی بہت سی احادیث کے راوی ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۵۷ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ جن لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کسب فیضان کیا وہ تابعین کہلائے۔ انہوں نے اپنے اپنے رجحان طبع کے مطابق حدیث، فقہ، تجوید، تفسیر وغیرہ میں تحصیلات کیں اور ان پر زیادہ توجہ دی۔ وہ اشاعت دین کے مبلغ بنے۔ اس کے علاوہ بزرگوں کے فیضانِ صحبت سے تزکیہ نفس اور کسبِ مکارم اخلاق کا سلسلہ بھی جو منبعِ انوار ہدایت حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوا تھا، جاری رہا جو بعد میں تصوف کے نام سے موسوم ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ علم و عمل دونوں میں جامع کمالات تھے۔

تاہم مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ بعض طبائع نے علم پر عمل کو اور بعض نے عمل پر علم کو ترجیح دینی شروع کر دی۔ اس طرح اُمت میں علماء اور صوفیا کے دو الگ الگ سلسلے قائم ہونے لگے۔ جو بزرگ تزکیہ نفس اور عرفانِ الٰہی کے حصول کی جدوجہد میں زیادہ منہمک ہوئے وہ صوفی کہلائے، کیونکہ ان میں سے اکثر دنیاوی لذائذ کو ترک کر کے صوف کے کپڑے پہننے لگے تھے۔ ابتدائی اَدوار کے ائمہ دین اور علمائے کرام میں سے اکثر باعمل و اصحاب معرفت ہونے کے لحاظ سے بھی باکمال تھے لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، علمائے ظاہر کی ایک الگ جماعت بن گئی اور اربابِ معرفت کے سلسلے الگ قائم ہونے لگے۔ علمائے ظاہر کی تبلیغ یہ تھی کہ دین کے احکام پر چلو اور اس کی شریعت کی پابندی کرو۔ صوفیائے کرام کی کوشش یہ تھی کہ ان کے حلقۂ ارادت میں آنے والے لوگ احکام دین و شریعت کی پیروی اور پابندی کے ساتھ ساتھ بہتر قسم کے انسان اور مسلمان بنیں اور توحید الٰہی کی صحیح معرفت حاصل کرنے کی طرف متوجہ رہیں۔

بنو اُمیہ کی دنیاوی خلافت قائم ہو جانے پر صالحینِ اُمت حکمرانوں کی اصلاح کی طرف سے مایوس ہو کر دین کی خدمت میں لگ گئے اور اس عہد کے حالات میں ہمیں ایسے مردان باخدا کے وجود کا سراغ ملتا ہے جنہوں نے سیاست کی طرف سے قطع نظر کر کے علمی اور عملی حیثیت سے دین اسلام کی ترویج کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور لوگوں کو ظاہری اور معنوی حیثیت سے سچا مسلمان بنایا اور ان میں رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر زندگی بسر کرنے کی صفات پیدا کرنا اپنی زندگیوں کا مقصود قرار دے لیا۔ تابعین میں سے جن بزرگوں نے خلفائے بنو اُمیہ کا عہد پایا، امام باقر، ابو حازم مکی، سلیمان اور حسن بصری رحمہم اللہ بہت مشہور ہیں۔

132ھ میں بنو عباس کی حکومت کا آغاز ہوا۔ ابو العباس عبداللہ پہلے خلیفہ کی حیثیت سے تخت پر بیٹھا اور بیٹھتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ خاندانِ بنو اُمیہ کے افراد کو خون کا غسل دیا اور السفاح یعنی ''خون ریز'' کا لقب پایا۔ مروان کی شکست اور ہلاکت کے بعد ابو العباس دمشق پہنچا اور اس نے خاندان بنو اُمیہ کے پچاس

Marfat.com

سرکردہ افراد کو کھانے پر دعوت دی۔ جب یہ سب لوگ جمع ہو گئے تو جلادوں کو حکم دیا کہ ان سب کو تہ تیغ کر دیں۔ سب کے سب قتل کر دیئے گئے۔ اس کے بعد السفاح نے بنو اُمیہ کے افراد کے قتل عام کا حکم دے دیا۔ ساری مملکت میں انہیں چُن چُن کر قتل کیا گیا بلکہ جنگل کے درندوں کی طرح ان کا شکار کھیلا گیا۔

السفاح کو بنی اُمیہ سے اس قدر شدید نفرت تھی کہ ان کے تمام خلیفوں کے مقبرے تک مسمار کرا دیئے گئے۔ صرف معاویہ اوّل رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے مقبروں کو چھوڑ دیا گیا۔ خلیفہ ہشام کا ایک پوتا عباسیوں کی شمشیر انتقام سے بچ بچا کر اُندلس (ہسپانیہ) پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہاں کے مسلمانوں نے اس کا خیر مقدم کیا۔ اُندلس میں اس نے پہلے امارت اور پھر متوازی خلافت قائم کر لی۔

السفاح کے خلیفہ بننے پر شام کے عرب قبائل بنو قیس نے جو آخری اموی خلیفہ مروان کے منظور نظر تھے۔ بغاوت کر دی اور ابو محمد سفیانی کو اپنا لیڈر بنا لیا۔ عباسیوں نے 752ء مطابق 134ھ میں بنو قیس کی سرکوبی کی۔ ابو محمد حجاز کی طرف بھاگ گیا جہاں وہ گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔

ابو العباس عبد اللہ السفاح کے بعد 137ھ میں اس کا بیٹا ''المنصور'' خلیفہ بنا۔ اس خلیفہ کے عہد میں جا بجا شورشیں پھوٹیں اور بغاوتیں رونما ہوئیں۔ اس نے اپنے عہد کے بیشتر وقت اور اپنی استعداد اور طاقت کو بنو عباس کے اقتدار کی جڑیں مضبوط کرنے میں صرف کیا اور اپنے جانشینوں کے حشم و اقتدار کے لیے راہیں صاف کر دیں۔

المنصور کے خلیفہ بننے پر اس کے چچا عبد اللہ ابن علی نے جو اپنے بھائی کے بعد خود خلیفہ بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ بغاوت کر دی اور ابو مسلم خراسانی خراسانیوں کا لشکر لے کر گیا جس نے بغاوت فرو کی۔ ابو مسلم کو خلیفہ نے اس فتح کے صلے میں بابل کا حاکم بنا دیا۔ یہ ابو مسلم ہی تھا جس کی اَن تھک کوششوں اور محنتوں نے بنو عباس کو خلافت دلانے اور ان کا اقتدار قائم کرنے میں بہت کچھ مدد کی تھی۔ ابو مسلم خراسانیوں میں بہت محترم اور ہر دلعزیز تھا۔ خراسانی اسے اپنا پیرو اور دینی پیشوا سمجھتے تھے اور اس کے ہر حکم پر جانیں قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ خلیفہ المنصور اس کے اثر و رسوخ سے بہت خائف تھا۔ بابل کا حاکم بننے کے تھوڑا عرصہ بعد المنصور وہاں آیا۔ خلیفہ کی آمد پر ابو مسلم کے پیرو اس سے بگڑ گئے اور کسی بات پر جھگڑا اس حد تک بڑھ گیا کہ ابو مسلم کو اس کے مریدوں ہی نے خلیفہ کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا۔ المنصور اس حادثے پر ٹس سے مس نہ ہوا اور اس نے قاتلوں سے کسی قسم کی باز پرس نہ کی۔

ابو مسلم کے قتل کی خبر سن کر اس کے ایک معتقد سند باد نے خراسان میں بغاوت کا عَلم بلند کر دیا اور لشکر لے کر ایران میں کرمان تک یلغار کی۔ خلیفہ کے لشکر نے سند باد کو شکست دے کر اس بغاوت کا قلع قمع کر دیا۔

دوسری طرف شیعوں نے مدینہ اور عراق میں بیک وقت بغاوت کے عَلم بلند کر دیئے۔ اس فرقہ کے

Marfat.com

لوگ عقیدۃً حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد کو خلافت کا جائز وارث سمجھتے تھے۔ اسی لیے بنواُمیہ کے بعد بنوعباس کی خلافت کے قیام پر دل سے بیزار تھے۔ اولاد علی رضی اللہ عنہ بھی یہ سمجھ رہی تھی کہ بنوعباس نے ہم سے دھوکا کیا اور خود اقتدار سنبھال لیا۔ اس لیے 761ء میں مدینہ میں النفس الزکیہ محمد بن عبداللہ بن حسن نے جو باپ کی طرف سے حسنی اور ماں کی طرف سے حسینی تھے، بغاوت کا علَم بلند کیا اور لوگوں سے اپنی خلافت پر بیعت لینا شروع کر دی اور ادھر بصرہ میں محمد کے بھائی ابراہیم نے سادات کا علَم بلند کر دیا۔ مدینہ کے علمی اور دینی حلقوں میں ان دنوں امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا بہت شہرہ تھا۔ لوگ ان کی علمی فضیلت اور تقویٰ کے بہت معترف تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے محمد کی بیعت کے نامعتبر ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا۔ اس لیے مدینہ کے بہت سے لوگ ان کی امداد کرنے کے خیال سے دستبردار ہو گئے۔

خلیفہ المنصور کے سالار عیسیٰ بن موسیٰ نے مدینہ پہنچ کر بغاوت فرو کی۔ محمد اور ان کے خاندان کے تمام افراد قتل کر دیئے گئے۔ ان کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ مدینہ کی بغاوت فرو کرنے کے بعد عیسیٰ ابن موسیٰ نے بصرہ پر لشکر کشی کی جہاں محمد کے بھائی ابراہیم نے نہ صرف بصرہ کی ولایت میں بلکہ سوسیانہ اور ایران کے بعض اقطاع میں لوگوں کو بہت بڑی حد تک متاثر کر کے اپنا حامی بنا لیا تھا۔ کوفہ کے نزدیک مہامرہ کے مقام پر ابراہیم اور عیسیٰ ابن موسیٰ کے درمیان جنگ ہوئی۔ ابراہیم نے شکست کھائی اور لڑتے ہوئے جان دے دی۔ اس شکست سے شیعوں کے حوصلے پست ہو گئے اور بغاوت دب گئی۔ ان بغاوتوں کا نتیجہ اس شکل میں رونما ہوا کہ سادات جو بنوعباس کی نگاہ میں پہلے مشتبہ تھے اب کے معتوب ہو گئے اور بنوعباس اور ان کے عامل ان کے ساتھ ہر جگہ سختی کے ساتھ پیش آنے لگے اور ان کی نقل وحرکت کی کڑی نگرانی کرنے لگے۔

المنصور کے عہد میں شام اور عراق کی سرحدوں پر بازنطینی رومیوں سے جنگ وجدال کا معرکہ متواتر گرم رہا۔ اس کے علاوہ خلیفہ نے قفقاز میں خزر ترکوں کی سرکوبی کرنے کے لیے ایک مہم بھیجی جو بحیرہ خزر کے کناروں سے اُٹھ کر قفقاز کی ولایت میں لوٹ مار کرتے تھے۔ بحیرہ خزر کے جنوب میں ویلمیوں نے بھی سر اُٹھایا۔ خلیفہ کے لشکر نے ان کی شورش کو دبایا۔ ان کے علاوہ دریائے جیحون کے پار ترکوں اور سندھ پار کے ہندوؤں نے بھی اسلام کے اقتدار سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے۔ ان کا خیال تھا کہ خلافت کا منصب چونکہ نئے خاندان کے ہاتھوں میں منتقل ہو گیا ہے۔ اس لیے نئے حکمرانوں کے لیے ان دور افتادہ ملکوں کا سنبھالنا مشکل ہو گا لیکن خلیفہ المنصور نے دونوں طرف لشکر بھیج کر ترکوں اور ہندوؤں دونوں کے خیال کو غلط ثابت کر دیا۔

خلیفہ المنصور نے دمشق اور کوفہ دونوں کو چھوڑ کر دریائے دجلہ کے کنارے ایک غیر معروف سے گاؤں بغداد کو اپنا دارالخلافت بنانے کے لیے پسند کیا جو مملکت کا ایک مرکزی مقام تھا۔ المنصور نے اس مقام پر شاندار عمارتیں بنوائیں اور نئے شہر کا نام رکھا جو مشہور نہ ہوا اور بغداد کے نام سے جو دراصل ساسانی بادشاہ

Marfat.com

نوشیرواں کا ''باغ داذ'' تھا شہرت پائی۔ دریا کے دوسرے کنارے کرخ کے نام سے ایک دوسرا شہر آباد ہو گیا۔

امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ نے خلیفہ المنصور کے عہد میں 767ء مطابق 150ھ میں وفات پائی۔ یہ پہلے امام ہیں جنہوں نے اسلامی فقہ کو مدون کیا اور فتویٰ دینے کے اصول و قواعد مرتب فرمائے۔ آپ 80ھ میں پیدا ہوئے اور آپ نے ۱۵۰ھ میں بحالتِ نظر بندی زندان میں وفات پائی۔ خلیفہ نے انہیں قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول نہ کرنے کی بناء پر نظر بند کر دیا تھا۔ روایت ہے کہ خلیفہ المنصور ان سے اس بنا پر ناراض تھا کہ انہوں نے شیعوں کی شورش کے زمانے میں ابراہیم کو یعنی سادات کو حق بجانب قرار دیا تھا۔

اسی کدورت کی بناء پر خلیفہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ کو نظر بند کر دیا اور عامۃ الناس کی روز افزوں عقیدت کا حال دیکھ کر بحالت نظر بندی زہر کھلا کر واصل بالحق کرا دیا۔

158ھ خلیفہ المنصور کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ''المہدی'' مسند خلافت پر بیٹھا۔ اس خلیفہ کے عہد میں بھی متعدد بغاوتیں اور شورشیں اُٹھیں اور بنو عباس کے اقتدار کے استحکام کا کام جس پر المنصور کا سارا عہد صرف ہو گیا تھا، جاری رہا۔ خراسان کی ولایت مذہبی اور سیاسی تحریکوں کا گہوارہ بن چکی تھی۔ اس ولایت کی سرحدیں مختلف مذاہب رکھنے والے ملکوں سے ملتی تھیں۔ اس لیے یہاں پر اسلام، بدھ مت، زرتشتی دین، ترکوں اور مغلوں کی ارواح پرستی (شمنیت) اور ہنود ہند کے مشرکانہ عقائد کا ایک سنگم سا بن گیا تھا۔ خراسان کے باشندے ان سب مذاہب کے جستہ جستہ عقائد سے متاثر ہوتے رہتے تھے۔ ابو مسلم خراسانی مسلمان کہلانے کے باوجود تناسخ کا قائل تھا اور ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق خدا کا اوتار ہونے کا مدعی بن گیا تھا۔ اس کے پیرو اور مرید بھی ہندوؤں کے بہت سے مشرکانہ عقائد رکھتے تھے۔

خلیفہ المنصور کے عہد میں ابو مسلم اپنے خراسانی مریدوں کا ایک وفد لے کر خلیفہ کے حضور میں حاضر ہوا۔ اس وفد نے خلیفہ سے التجا کی کہ ہمیں ہندوؤں کی طرح راجا پوجا کی اجازت دی جائے۔ آپ راجہ ہونے کی حیثیت سے خدا کے اوتار ہیں اور آپ کی پرستش کرنا ہمارا فرض اور ہماری نجات کا ذریعہ ہے۔ خلیفہ المنصور نے انہیں بہت کچھ سمجھایا اور کہا کہ ان کے یہ عقائد باطل ہیں لیکن وہ نہ مانے اس لیے خلیفہ کے حکم سے سب کے سب قتل کر دیئے گئے۔ ابو مسلم کے قتل کی وجہ بھی یہی تھی۔ ابو مسلم کے قتل پر اس کے ایک مرید سند باد نے خراسان میں بغاوت کا علم (جھنڈا) بلند کیا اور ایران میں دور تک یلغار کی۔ سند باد کی یہ بغاوت طاقت سے دبا دی گئی۔

لیکن اس واقعہ کے تین سال بعد ابو مسلم کے ایک اور شاگرد اور مرید ہاشم المقنع مروی ایرانی نے خراسان میں بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ یہ ہاشم جو بعد میں المقنع کے نام سے مشہور ہوا ابو مسلم کا کاتب یعنی سیکرٹری رہ چکا تھا۔ ابو مسلم کے قتل ہو جانے پر المقنع نے ابو مسلم کا جانشین، خدا کا اوتار اور پیغمبر ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

Marfat.com

ابو مسلم کے معتقدین اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ المقنع لوگوں کو ماہِ نخشب کا معجزہ بھی دکھاتا تھا۔ یعنی اپنے حکم سے تاریک راتوں میں آسمان پر ماہتاب نکال کر دکھایا کرتا تھا۔ اس شعبدہ بازی کے لیے اس نے پارے سے بھرا ہوا ایک حوض بنا رکھا تھا۔ رات کے وقت اس کا عکس آسمان پر ڈالا جاتا تھا جو دیکھنے میں چاند معلوم ہوتا تھا جب المقنع نے اپنے مریدوں اور معتقدوں کی اچھی خاصی جمعیت فراہم کر لی تو اس نے خلیفہ المہدی کے عہد میں ۷۷۸ء میں سنام کے قلعے سے بغاوت کا علَم بلند کر دیا اور تھوڑے ہی دنوں میں خراسان کی ساری ولایت سر کر لی۔

خلیفہ عہد المہدی نے المقنع کی سرکوبی کے لیے لشکر بھیجا۔ المقنع متعدد شکستیں کھانے کے بعد قلعہ بند ہو گیا اور آخر ۷۸۰ء میں محاصرہ کی شدت سے تنگ آکر اور خلیفہ کے لشکروں کے حملوں کی تاب نہ لاکر اپنے بال بچوں سمیت آگ میں جل مرا۔ یعنی راجپوت عورتوں کی طرح جوہر کی رسم ادا کر دکھائی۔

۷۷۹ء میں ایران کے شمالی صوبہ جرجان یا گورگان میں مزدکیوں کی تحریک نے پھر زور پکڑا۔ یہ لوگ عصر حاضر کی اصطلاح میں "اشتراکی" تھے۔ یعنی زر، زن اور زمین کو سب لوگوں کی مشترکہ ملکیت قرار دیتے تھے۔ خراسان میں المقنع کا زور ٹوٹنے کے بعد المقنع کے بہت سے شاگردان کے ساتھ آن ملے۔ خلیفہ المہدی کے زمانے میں ان کی جمعیت ترقی کرنے لگی لیکن انہوں نے کوئی ایسی حرکت نہ کی کہ حکومت کو ان کا نوٹس لینے کی ضرورت محسوس ہو۔

شمالی افریقہ کے بربری قبائل مسلمان ہو چکے تھے لیکن بنو اُمیہ کے عہد سے انہیں دوسرے درجے کے مسلمان سمجھا جاتا تھا۔ یعنی عرب انہیں حقارت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور اپنے سے درجہ میں کم خیال کرتے تھے۔ بربریوں نے خلفائے بنو اُمیہ کے عہد میں بھی متعدد شورشیں برپا کیں اور اسی سلسلے میں انہوں نے خلیفہ المہدی کے زمانے میں بھی قیروان کے نزدیک شورش برپا کر دی۔ عربوں کے استکبار کی وجہ سے بربری قبائل نے خارجیوں کے عقائد قبول کر لیے تھے اور خارجی انہیں وقتاً فوقتاً حکومت کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے۔ بربریوں کی یہ شورش آسانی کے ساتھ فرو کر لی گئی۔

خلیفہ المہدی کے زمانے میں بعض لوگوں کے طبائع دینِ اسلام کے معتقدات کی طرف سے منحرف ہونے لگے۔ خلیفہ المہدی نے دینی عقائد کا احتساب کرنے کے لیے ایک محکمہ قائم کر دیا اور جا بجا ایسے افسر مقرر کر دیئے جو ملحدوں اور زندیقوں کے خیالات کا محاسبہ کرنے کے بعد انہیں سزائیں دیتے تھے۔ یہ افسر "عارف" کہلاتے تھے۔ اس محکمہ کے ہاتھوں ایک شخص عبداللہ ابن المقنع ایرانی نے موت کی سزا پائی۔ یہ شخص نومسلم تھا اس کا پہلا نام روز بہ تھا۔ اس نے "خدائی نامہ" اور "کلیلہ دمنہ" کا ترجمہ عربی میں کیا اور ایک نیم سیاسی اور نیم مذہبی سی تحریک جاری کر دی۔ محکمہ احتساب عقائد نے جب اس سے باز پرس کی تو اس نے اپنی صفائی میں اپنے بیان کا ایک ایسا مسودہ تیار کیا جو ذومعنی تھا۔ "عارف" نے اسے قتل کرا دیا۔

Marfat.com

اسی طرح بصرہ کے ایک شاعر صالح بن عبد القدوس نے اپنے ملحدانہ عقائد کی تبلیغ شروع کر دی۔ وہ زرتشتیوں کی طرح نیکی اور بدی کی دو الگ الگ مستقل طاقتوں کا قائل تھا یعنی زرتشتیوں کے اہرمن اور یزدان کی طرح دو خداؤں کا وجود مانتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ بعض باتوں میں اپنے آپ کو مانیشیوں اور مزدکیوں یعنی مانی اور مزدک کے پیروؤں کا ہم خیال بھی ظاہر کرتا تھا۔

جب اسے پتا چلا کہ حکومت اسے احتساب کے شکنجے میں کسنے والی ہے تو دمشق کی طرف بھاگ گیا لیکن وہاں سے پکڑ کر بصرہ لایا گیا۔ "عارف" کی عدالت نے اس کے عقائد سے آگاہ ہونے کے بعد اس پر زندیق ہونے کا فتویٰ لگا دیا اور اسے صلیب پر لٹکانے کی سزا دی۔ یہ واقعہ ۷۸۳ء میں رونما ہوا۔

ایک اور شاعر بشار ابن بُرد بھی کھلم کھلا آتش پرستی کی تبلیغ کیا کرتا تھا۔ اسے بھی موت کی سزا ملی۔

ملحدوں اور زندیقوں کے علاوہ خود مسلمانوں میں حکومت کے مسلمہ عقائد سے اختلاف رکھنے والوں کو بھی احتساب کے شکنجے میں کسا جاتا تھا۔

المہدی کے زمانے میں اہلِ سنت و جماعت کا مسلک سرکاری مذہب سمجھا جاتا تھا۔ اس مسلک کے عقائد کے برخلاف تبلیغ کرنے والوں سے احتساب کا محکمہ باز پرس کرتا تھا اور فتوے لگایا کرتا تھا۔

یہ واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ خلفائے بنو عباس کے زمانے میں مختلف قوموں اور مذہبوں کے باہمی اختلاط کی وجہ سے لوگوں کے مذہبی عقائد میں فوضویت رونما ہونے لگی تھی اور الحاد و زندقہ کی عام روچل نکلی تھی۔

المہدی کے بعد 169ھ میں "الہادی" خلیفہ بنا۔ جس نے صرف ایک سال حکومت کی۔ اس کے عہد کا کوئی واقعہ قابلِ ذکر نہیں۔ تاہم اس نے اپنے باپ کی وصیت کے مطابق زندیقوں کا قلع قمع کیا تھا۔ یہ قابلِ ذکر ہے۔

الہادی کے بعد 170ھ میں ہارون الرّشید خلیفہ بنا۔ اس خلیفہ کا عہد عوام کی خوشحالی کا زمانہ تھا جس میں علم وفن، صنعت وحرفت اور داخلی اور خارجی تجارت نے بہت ترقی کی۔ ہارون الرّشید کے عہد میں مملکت کے خزانے مال و دولت سے معمور ہو چکے تھے لہٰذا ہارون الرشید کے دربار کی شان وشوکت اپنے عہد کے تمام دوسرے بادشاہوں سے بہت ارفع ہو گئی تھی۔ زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمان دوسری اقوام پر بازی لے گئے تھے۔ ہارون الرشید کے عہد کے اہم واقعات حسب ذیل ہیں:

شام کے عرب قبائل بنو قیس اور بنو کلب جو شروع ہی سے ایک دوسرے کے حریف چلے آ رہے تھے آپس میں لڑ پڑے۔ ساری ولایت میں لوٹ مار غارت گری اور تاراجی کا بازار گرم ہو گیا۔ جعفر برمکی وزیر نے خود شام میں جا کر اس فتنہ وفساد کو دبایا اور امن قائم کیا۔

ہارون کے عہد میں شمالی افریقہ کے بربری قبائل نے پھر سر اُٹھایا۔ اس بغاوت کو جنوبی الجزائر کے

Marfat.com

حاکم ابراہیم ابن اغلب نے جوزاب میں رہتا تھا کامیابی کے ساتھ فرو کیا ابراہیم کا باپ اغلب چند سال پہلے کی شورش میں، جو خلیفہ المہدی کے عہد میں پھوٹی تھی، بربریوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اس کارنامہ پر خوش ہو کر ہارون الرشید نے ابراہیم ابن اغلب کو شمالی افریقہ کا موروثی سلطان بنا دیا۔ ابراہیم نے عباسیہ کے نام سے ایک نیا شہر آباد کیا۔ فرانس کے بادشاہ شارلیمان نے سلطان ابراہیم کے پاس اپنے سفیر بھیجے اور دوستانہ مراسم پیدا کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

ایشیائے کوچک کی بازنطینی رومی مملکت اور اسلامی خلافت کے درمیان خلفائے بنو اُمیہ کے زمانے سے جنگ وجدال کے معرکے برپا ہوتے رہتے تھے جو بنو عباس کے ابتدائی خلفاء کے زمانے میں بھی جاری رہے۔ اس سرحد پر مسلمان غازیوں کی چھاؤنیاں مستقل طور پر قائم رہتی تھیں اور جہاد کا فریضہ ادا کرنے کے لیے عام مسلمان بھی رضا کارانہ طور پر آتے رہتے تھے۔ ہارون الرشید کے عہد میں روم کے عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان ایک بڑی جنگ واقع ہوئی۔ خلیفہ کے لشکر نے آگے بڑھ کر ہرقلیہ کے شہر پر قبضہ جما لیا۔ قسطنطنیہ کا قیصر نقفورس نقفور دب کر صلح کرنے پر مجبور ہو گیا اور اس نے دربارِ خلافت کو سالانہ خراج بھیجنا منظور کر لیا۔

۸۰۵ء میں ترکستانات کے حاکم رفیع ابن لیث نے سمرقند میں بغاوت کا علم بلند کر دیا اور جیجون پار کے ملک پر قبضہ جما لیا۔ ہارون الرشید رفیع ابن لیث کی سرکوبی کے لیے خود لشکر لے کر جا رہا تھا کہ راستے میں فرشتہ اجل آن پہنچا اور ہارون الرشید فوت ہو گیا۔

ہارون الرشید کا عہد عربوں اور عجمی مسلمانوں کی علمی اور ادبی سرگرمیوں کے موسمِ بہار کا زمانہ متصور ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں آ کر علم وفضل کے چشمے یک لخت اُبل پڑے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ علمی تحقیقات وتحصیلات کے ذوق وشوق کی بنیادیں بنو اُمیہ ہی کے عہد میں تیار ہونے لگی تھیں اور مدینہ شریف کے دینی حلقوں میں قرآن فہمی، حدیث گوئی اور قرآن کی صحت الفاظ وصحت اعراب کے تحفظ، احادیث کی صحت وقطعیت کے لیے بے پناہ شوق نے جو تابعین اور تبع تابعین کے دلوں میں پرورش پاتا رہا اور ان کے شاگردوں میں منتقل ہوتا چلا گیا، مسلمانوں کے علمی ذوق کو بہت کچھ ترقی دی۔

خلفائے بنو عباس اگرچہ ظاہری ٹھاٹھ باٹھ اور دنیاوی شان وشوکت کے لحاظ سے خلفائے بنو اُمیہ کے پورے پورے مقلد تھے بلکہ ان پر بھی بازی لے گئے تھے لیکن ایک بات میں وہ خلفائے بنو اُمیہ پر فوقیت رکھتے تھے۔ خلفائے بنو عباس کو دین وعلم کے ساتھ دلی وابستگی تھی وہ علماء اور صلحاء کی قدر کرتے تھے اور ہر قسم کے علم وفن کی سرپرستی کرتے تھے۔ خلفائے بنو اُمیہ کی بہ نسبت ان کا عہد مملکت کی اکثریت کے لیے امن وسلامتی، خوشحالی اور فارغ البالی کا زمانہ تھا۔ اس لیے لوگوں کے علمی ذوق نے بہت ترقی کی اور اس عام علمی ذوق وشوق کے نتائج خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں نمایاں طور پر ظاہر ہونے لگے۔ قرآن کریم کو بجنسہ د

Marfat.com

بلفظہٖ محفوظ رکھنے کے شوق نے بعض علماء کو فنِ تجوید کو ترقی دینے کی طرف راغب کیا۔ ہارون کے عہد میں خلیل بصری نے ''کتاب العین'' کے نام سے تجوید کی ایک لغت تیار کی جس میں قرأت کے اصول مقرر کر دیئے۔ اسی خلیل نے قرآن پاک کے مستند طرزِ تحریر کو سامنے رکھ کر علم نحو کے ابتدائی اصول مرتب کیے۔ خلیل بصری کے ایک عجمی شاگرد سیبویہ نامی نے ان اصولوں پر اضافہ کیا۔ خلیل نے علمِ عروض کی بحروں اور وزنوں پر بھی ایک رسالہ لکھا۔ کوفہ میں اسی دور میں الکسائی قاری اور نجومی نے تجوید اور نحو کے علم کو ترقی دی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عمر کا آخری حصہ بنو عباس کے ابتدائی دور میں گذرا۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے 767ء مطابق 150ھ میں خلیفہ المنصور کے عہد میں وفات پائی۔ اسلامی فقہ کو تدوین کرنے کی پہلی جامع اور کامیاب کوشش کا سہرا انہی کے سر پر ہے۔ فقہ کے جو اُصول حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے وضع کر دیئے ان پر مسلمانانِ عالم کی بھاری اکثریت آج کے دن تک کاربند ہے۔ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی زمانہ میں مدینہ میں بیٹھے فقہ کی تدوین کر رہے تھے اور شریعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کے لیے کوشاں تھے جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے 29 سال بعد 179ھ میں فوت ہوئے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ آپ نے جبری طلاق کے ناجائز ہونے کا فتویٰ صادر کیا تو خلیفہ المنصور نے آپ کو اُونٹ پر سوار کر کے تشہیر کرائی اور اتنے تازیانے لگوائے کہ آپ کے دونوں بازو بیکار ہو گئے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اُونٹ پر بیٹھے اعلان فرماتے رہے کہ میں مالک ابن انس رحمۃ اللہ علیہ ہوں اور میں نے فتویٰ دیا ہے کہ جبری طلاق ناجائز ہے۔ بعض رواۃ لکھتے ہیں کہ خلیفہ المنصور کو شبہ تھا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے النفس الزکیہ محمد بن عبداللہ ابن حسن کے دعوائے خلافت کی حمایت کی تھی۔ اس وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ کے زیر عتاب آ گئے اور مسئلہ طلاق کا بہانہ بنا کر انہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں شیخ الاسلام اور مفتیٔ اعظم مقرر ہوئے۔ بعض مسائل میں ان کا اجتہاد بھی متاخرین کے لیے سند بن گیا۔

بنو اُمیہ کے عہد میں عروہ، زُہری، موسیٰ ابن عقبیٰ اور ابو معشر رحمۃ اللہ علیہم ایسے مصنفین تھے جنہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر کتابیں لکھیں اور مغازی یعنی عہد نبوت کی جنگوں کے حالات مرتب کیے۔ یہ شوق خلفائے بنو عباس کے ابتدائی دور میں بھی ترقی پذیر رہا۔ چنانچہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے مغازی اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب لکھی۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی علمی عمر کا زمانہ 757ء سے 773ء تک مطابق 135ھ سے 151ھ کا سمجھا جاتا ہے۔ اس نے یہ کتاب خلیفہ المنصور کے لیے لکھی تھی۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ان کی خدمت میں رفع شبہات کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے۔ بعد کے مصنفین نے ابن اسحاق کے بہت سے حوالے دیئے ہیں۔ اصل تصنیف ابھی ناپید نہیں ہوئی کیونکہ دور مابعد کے مورخ ابن ہشام نے ابن اسحاق کی ساری کتاب اپنی تصنیف سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نقل کر دی ہے اور ابن ہشام کی ضخیم تصنیف شام میں، اور اب

پاکستان میں بھی، پوری کی پوری طبع ہو چکی ہے۔

ایک اور مورخ واقدی بھی اسی عہد کی پیداوار ہے جو 130ھ میں پیدا ہوا اور 207ھ میں فوت ہوا۔ یہ شخص خلفائے بنو عباس کا پروردہ تھا اور بغداد کا قاضی تھا۔ واقدی نے اپنی تصانیف میں داستان سرائی اور مبالغہ آرائی سے بہت کام لیا۔ بعد کے اَدوار کے اکثر مؤرخ واقعات بیان کرنے میں اس کی تحریروں سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اس کے شاگرد اور کاتب (سیکرٹری) محمد بن سعد نے بھی اسی موضوع پر کتابیں لکھیں اور سوانح نویسی کی صنف کی ابتداء کی۔

اُمویوں یعنی خلفائے بنو اُمیہ کی تاریخ ان کے آخری عہد میں ابو مخنف ابن یحییٰ نامی ایک شخص نے مرتب کی۔ شیعہ ہونے کے ناطے یہ بنو امیہ کا کٹر مخالف تھا لہٰذا ان کے بارے میں لکھتے ہوئے اس نے بے حد مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ انقلابِ حکومت کے بعد اس نے خلفائے بنو عباس کی ملازمت اختیار کر لی اور عباسی دربار کو بنو اُمیہ کی ایسی کمزوریوں سے آگاہ کیا جو انہیں معلوم نہ تھیں۔ غرناطہ کی اموی امارت کے دربار نے خلیفہ المنصور کے پاس اعتراضات لکھ کر بھیجے جن کا جواب عباسی دربار نے ابو مخنف کے بتائے ہوئے حالات کی روشنی میں دیا۔ ابو مخنف نے اصنام کے حالات پر بھی ایک کتاب لکھی۔

اسی عہد میں نصر نے جنگِ صفّین کے حالات پر مشتمل ایک کتاب لکھی جو شیعہ فرقہ کے لوگوں میں بہت مقبول ہوئی۔ سیف ابن عمر الاسدی نے جنگِ جمل کے حالات پر اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد کے فتنہ ارتداد کے حالات پر الگ الگ کتابیں لکھیں اور ان میں بہت کچھ رنگین بیانی سے کام لیا اور اپنے قبیلہ کی بہت تعریف کی۔ بعد میں آنے والے مورخین اس کے بیان سے بہت کچھ دھوکا کھاتے رہے۔ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں علّان الشعوبی نے قبائلِ عرب کے حالات پر ایک کتاب لکھی۔

بنو عباس کے ابتدائی خلفاء کے عہد میں شعر و شاعری کا انداز قریب قریب وہی رہا جو بنو اُمیہ کے زمانے میں بن چکا تھا۔ بدوی شاعری رجز و تعلّی کے مضامین سے مملو تھی۔ شہری شاعری کی صنف اعظم قصیدہ گوئی تھی۔ ہر قصیدہ متعدد اصنافِ سخن پر مشتمل ہوا کرتا تھا جس میں تشبیب، گریز، مدح اور التجا و دعا کے ابواب کا ہونا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ عشق معاشقہ، شکار، شراب، مینا و ساغر، ہجو، دنیا کی بے ثباتی اور نوحہ گوئی وغیرہ کے مضامین رائج تھے۔ عباسی عہد کے شعراء نے شاعری اور زبان کو بہت جلا دی۔ ایرانی نژاد اور ترکی نژاد شعراء نے بھی عربی زبان میں نظمیں لکھ کر زبان دانی اور سخن گوئی کے جوہر دکھائے۔ خلیفہ ہارون الرّشید کے عہد میں مروان بن ابی حفصہ شاعر خراسان کے ایک یہودی کا بیٹا تھا۔ خالف الاحمر شاعر فرغانہ (ترکستان) کے ایک آزاد شدہ شخص کا پوتا تھا۔ ابو نواس ایک ایرانی دھوبن کا لختِ جگر تھا۔ عرب شاعر ابو العطاہیہ موت کے مضامین کا ترجمان تھا۔ اس کے کلام میں دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کے خاتمہ کے مضامین کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

خلفائے بنو عباس نے علم و ہنر کی سرپرستی کے ساتھ ہی فنونِ لطیفہ کی سرپرستی کو بھی فراموش نہیں کیا بلکہ موسیقی اور مصوری کو بہت کچھ فروغ دیا۔ ہارون الرشید کے عہد میں ابراہیم بن الموصلی اور اس کا بیٹا اسحاق درباری گویئے تھے اور کنیزوں کو رقص وسرود کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ان دنوں میں شاہی دربار اور معاشرے کے ثروت مند طبقات میں گانا بجانا سننے کا شوق بہت ترقی کر گیا تھا۔ مغنیات پردے کے پیچھے بیٹھ کر گاتی اور ساز بجاتی تھیں اور لوگوں نے علمی حیثیت سے بھی موسیقی کے قواعد وضوابط کی تدوین شروع کر دی تھی۔ ''علم الغنا'' اور ''علم الموسیقی'' پر بہت رسالے لکھے گئے۔ خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں گویوں، سازندوں، بذلہ سنج اور لطیفہ گو ظریفوں، شاعروں، بیت خوانوں، عالموں اور مختلف فنون کے ماہروں کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔

علم طب پر خاص توجہ مبذول کی جاتی تھی۔ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں بغداد میں پہلا سرکاری ہسپتال قائم کیا گیا۔ خوزستان ایران میں ایک پرانا ہسپتال پچھلے زمانوں سے چلا آتا تھا جس کے اطباء علاج کے لیے شاہی دربار میں بلائے جاتے تھے۔

اس صدی میں اسلام کی مملکت عباسیوں اور امویوں کی دو خلافتوں پر منقسم ہو چکی تھی۔ عباسی خلافت کا اقتدار وسط ایشیا میں فرغانہ اور سمرقند تک، ہندوستان میں ولایت سندھ و ملتان تک اور شمالی افریقہ میں بحرِ ظلمات (اوقیانوس) کے ساحل تک پھیلا ہوا تھا، اور اُندلس (ہسپانیہ) میں اموی خلفاء عباسیوں کے برابر کی شان وشوکت کے ساتھ حکمرانی کر رہے تھے۔

عروج وترقی کی منازل طے کرنے کے معاملے میں دونوں مملکتوں کے مسلمان یکساں طور پر سرگرم اور کامیاب تھے۔ کسی ترقی کے اعتبار سے ایک مرکز خلافت کو دوسرے مرکز خلافت پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ اس دور میں اور بعد کے متعدد اَدوار میں مسلمان تہذیب وتمدن کے نہ صرف سب سے بڑے علمبردار بنے رہے بلکہ ہرگونہ علمی ترقیات کی بنیادیں اسی دور میں رکھی گئیں اور تعمیرات، صنعت وحرفت، تجارت، تمول، تمدن، معاشرت اور علم وفنون کے اعتبارات سے مسلمان اس وقت کی دوسری اقوامِ عالم سے اتنا آگے نکل گئے تھے کہ ہندی، چینی، تاتاری، فرنگی اور حبشی ان کے مقابلے میں زمانہ قبل از تاریخ کی وحشی اقوام نظر آتی تھیں اور انہیں خوف واحترام بلکہ عقیدت وتعظیم کی نگاہوں سے دیکھتی تھیں۔

عباسیوں کی مملکت ولایات میں بٹی ہوئی تھی جن پر خلفائے بغداد کے مقرر کردہ حاکم حکومت کرتے تھے۔ بعض ولایات میں موروثی امارتیں قائم کر دی گئیں جن کے امراء خود کو خلیفہ کا مطیع متصور کرتے تھے، اُسے خراج بھیجتے تھے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کے لیے حاضر و آمادہ رہتے تھے۔ یہ حاکم اور امراء عساکر پالتے تھے اور خلیفہ کے حکم سے یا اس کی اجازت لے کر جنگی مہمیں اختیار کرتے تھے۔ پیداوار اور مال و دولت کی اتنی فراوانی تھی کہ ساری مملکت کے لوگ عام طور پر خوش حالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ امراء اور خلفاء اربابِ کمال کی قدر کرتے تھے اور غربا پروری کو اپنا فریضۂ منصبی سمجھتے تھے۔ اس لیے

Marfat.com

اس دور میں محتاجی اور فقیری کی وہ کیفیات کہیں نظر نہیں آتی تھیں جو عصر حاضر کے سرمایہ دارانہ نظام معیشت نے ہر جگہ پیدا کر رکھی ہیں۔ اس زمانے میں کوئی شخص بھوکا نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ امراء کے دستر خوان سب کے لیے کھلے تھے اور مشائخ طریقت کے لنگر جاری رہتے تھے۔ عدل قائم کرنے پر خاص توجہ مبذول کی جاتی تھی۔

اس دور کے تمول کا یہ عالم تھا کہ بغداد میں اور مملکت کے دوسرے تجارتی اور صنعتی مراکز میں کروڑ پتی تاجروں اور تجّارُوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ تواریخ میں بغداد کے ایک جوہری ابن الجساس کا حال لکھا ہے جس پر خلیفہ نے کسی جرم کی پاداش میں سولہ کروڑ طلائی دینار جرمانہ کر دیا اور یہ جوہری جرمانہ ادا کرنے کے بعد بھی دنیا کے ممتاز ترین تاجروں میں شمار ہوتا رہا۔ بیان کیا گیا ہے کہ عام شرفاء اور امراء کے گھروں میں تیرہ تیرہ کروڑ دینار کے قیمتی غالیچے بچھے ہوئے نظر آتے تھے۔ عباسی خلفاء کے تمول کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ روایت ہے کہ ہارون الرّشید کی ملکہ زبیدہ سونے اور چاندی کے برتن استعمال کیا کرتی تھی۔ جوتوں میں موتی ٹکوانے کا فیشن سب سے پہلے زبیدہ ہی نے چلایا۔ اس ملکہ نے ایک حج کے موقع پر تیس لاکھ دینار خیرات کیے۔ حاجیوں کے آرام کے لیے نہر بنوائی۔ خلفاء عام طور پر تخت نشینی، عروسی اور غیر ملکی سفیروں کے استقبال کے مواقع پر تزک واحتشام کی نمائش کیا کرتے تھے۔

825ء میں مامون الرّشید کی شادی وزیر کی بیٹی بوران کے ساتھ ہوئی۔ دولہا اور دلہن سونے کے فرش پر جو جواہرات سے مرصّع تھا، کھڑے کیے گئے اور ایک ہی جسامت کے ایک ہزار موتی سونے کی طشتری میں رکھ کر ان کے سروں پر سے نچھاور کیے گئے۔ اس تقریب پر ہال کمرے کے اندر دو سو شمع دان روشن تھے اور شہزادوں اور رئیسوں میں مشکنا نے تقسیم کیے گئے جن پر طرح طرح کے انعامات درج تھے۔

خلیفہ المقتدر کے عہد میں جو اس دور سے پچاس سال بعد کا خلیفہ تھا، قیصر روم قسطنطین ہفتم کے ایلچی آئے۔ اس تقریب پر دربارِ خلافت کے تزک و احتشام کی خاص نمائش کی گئی۔ ایک لاکھ ساٹھ ہزار سواروں اور پیادوں نے پریڈ کی۔ سات ہزار گورے اور کالے خواجہ سرا اور سات سو مصاحب دربار میں کھڑے ہوئے۔ ایک سو شیروں کو پریڈ میں چلایا گیا۔ محلاتِ شاہی پر اڑتیس ہزار پردے لگائے گئے جن میں ساڑھے بارہ ہزار پردے خاص زربفت کے تھے۔ بائیس ہزار غالیچے بچھائے گئے۔ ایوان میں سونے چاندی اور جواہرات سے بنایا ہوا ایک درخت سجایا گیا جس کی شاخوں پر سونے اور چاندی کے طیور (پرندے) بٹھائے گئے تھے۔ اس شجرِ زریں کا وزن پانچ لاکھ مثقال تھا۔ باغ میں کھجور کے پست قامت بوٹے لگائے گئے جو نخل بندی کے فن کی ترقی کی خبر دے رہے تھے۔

خلیفہ امین نے ابونواس کا ایک شعر گانے پر اپنے چچا ابراہیم راگی کو تین لاکھ درہم انعام دیا اور اس کی سیر و تفریح کی کشتیوں میں سے ایک ایک کشتی پر تین تین کروڑ درہم صرف ہوئے۔ کھانے پینے میں

Marfat.com

طرح طرح کی فضول خرچیاں ایجاد کی جاتی تھیں۔ مثلاً اسی ابراہیم راگی کا ذکر ہے کہ اس نے اپنے بھائی ہارون کی ضیافت کی تو ایک قاب (ڈش) خاص قسم کی مچھلی کی محض زبانیں پکا کر تیار کی گئی تھی۔ ڈیڑھ سو زبانوں کی قاب پر ایک ہزار درہم سے زیادہ صرف ہوئے۔ قصہ مختصر اس دور کے خلفائ، امراء اور تاجروں کو سخاوت، داد و دہش اور ہر طرح کی فضول خرچیاں کرنے کے باوجود اپنے مال و دولت کو خرچ کرنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا۔

سطوت و طاقت کا یہ عالم تھا کہ جب روم کے قیصر نقفور نے ہارون الرّشید کو گستاخانہ خط لکھا تو اس کے جواب میں قیصر کو ''رومی کتے'' کے خطاب سے نوازا گیا اور لکھا گیا کہ ''تو اپنی اس گستاخی کا جواب پائے گا نہیں بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔''

فرانس کے سرکاری ریکارڈ میں لکھا ہے کہ فرانس کے شان و شوکت رکھنے والے بادشاہ شارلیمان نے خلیفہ ہارون الرّشید کے دربار میں سفارت بھیجی تھی لیکن اس سفارت کا ذکر عباسی دربار کے وقائع نویسوں نے کہیں نہیں کیا گویا بغداد میں اس سفارت کو اتنا اہم نہیں سمجھا گیا کہ اس کا تذکرہ قلم بند کر لیا جاتا۔

خلیفہ مامون الرشید کے عہد میں تبت اور چین کے درمیان جنگ واقع ہوئی اور تبت کے لاماؤں نے خلیفہ بغداد سے امداد مانگی۔ کالی وردی والے، عباسی مجاہدین کا ایک لشکر تبت گیا جس نے اہلِ تبت کے ساتھ مل کر چین کی فوجوں سے جنگ کی اور انہیں شکست دی۔ تبت کے تاریخی ریکارڈ میں اس اسلامی لشکر کی امداد کا تذکرہ بڑی خصوصیت کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔

کشور کشائی اور فتوحات کا زمانہ تو بنو اُمیہ کے عہد کا ابتدائی دور ہی تھا۔ عباسیوں نے اس وسیع سلطنت کو محفوظ رکھنے کے لیے روم کے قیصر کے خلاف جنگیں کیں یا ترکستان میں چند مہمات پیش آئیں۔ عباسیوں کے اس ابتدائی دورِ عروج میں مملکت کے اندر دین اسلام بہت پھیلا یعنی ایران کے مجوسی اور ترکستانات کے ترکوں کی بھاری تعداد نے جوق در جوق دین اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کر لی۔ دین کی تبلیغ کا سہرا زیادہ تر صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کی کوششوں کے سر پر ہے جو اسلام کی زندگی کا عملی نمونہ تھے اور غیر مسلموں کے طبائع کو اپنی سیرت اور اپنے اخلاق کی طاقتوں سے متاثر کرتے تھے۔ اس عہد کے مشائخ عظام میں بعض جید ہستیاں ایسی نظر آتی ہیں جنہوں نے خود اسلام قبول کیا یا جو نو مسلم والدین کی اولاد تھے۔

عربی زبان بنو اُمیہ کے وقت سے سرکاری دفتری زبان بن گئی تھی۔ بنو عباس کے اس ابتدائی دور میں یہ مملکت کی علمی زبان بھی بن گئی اور ہر قسم کی علمی کتابیں اسی زبان میں تصنیف و تالیف ہونے لگیں، جن کے لکھنے والے محض عرب نہ تھے بلکہ عجمی بھی عربی زبان میں اتنی مہارت حاصل کرنے لگے کہ ان کی تحریرات مستند شمار ہونے لگیں۔ معاشرتی زبان بھی عربی بن گئی اور تمام پڑھے لکھے لوگ اسی زبان کو بات چیت اور خط و کتابت میں استعمال کرنے لگے۔

Marfat.com

اس ابتدائی دور میں ہی تمام مسلمانوں کو یکساں قسم کے حقوق ملنے لگے اور غیر عرب بھی حکومت کے بڑے بڑے مناصب پر فائز کیے جانے لگے۔ عربوں اور عجمیوں کا نسلی امتیاز ازدواجِ باہمی کی ترقی کے باعث مٹتا چلا گیا۔ لونڈی غلام رکھنے کا رواج جو ازمنہ قدیم سے جاری تھا اس عہد میں بھی جاری رہا لیکن دین اسلام کی تعلیمات کے زیر اثر مسلمان گھرانوں میں غلاموں سے افرادِ خاندان کا سا سلوک کیا جاتا تھا۔ پہلے محض جنگی قیدی غلام بنائے جاتے تھے پھر بردہ فروشی کا رواج عام ہو گیا۔ مسلمانوں کی معاشرت کالے، زرد، گندمی اور گورے رنگ کے غلاموں کو اپنے اندر جذب کرتی چلی جا رہی تھی۔ آزاد مسلمان کو غلام بنانا قانوناً ممنوع تھا لیکن غلام مسلمان ہو جانے پر بھی غلام ہی رہتا تھا تا آنکہ اس کا مالک اسے آزاد نہ کر دے۔ کنیز ماں بن جانے پر زوجیت کے پورے حقوق حاصل کر لیتی تھی۔ آزاد عورت اور غلام مرد کا بچہ آزاد متصور ہوتا تھا اور غلام مرد اور غلام عورت کا بچہ خانہ زاد غلام سمجھا جاتا تھا۔ یہ غلام اور خانہ زاد خاندان کے افراد کی سی حیثیت رکھتے تھے بلکہ رشتہ داروں سے زیادہ قابل اعتماد سمجھے جاتے تھے۔ مالک اپنے غلاموں کے ساتھ اپنی بیٹیوں کے ازدواج کو عار نہیں سمجھتے تھے۔

عباسی خلفاء کے ابتدائی سو سالہ دور میں علمی ترقیات کی بنیادیں بڑی مضبوطی کے ساتھ قائم ہوئیں۔ سوسائٹی میں ہر قسم کے علوم و فنون کی تحصیل کا شوق بہت ترقی کر گیا اور علمی اور فنی تحصیلات کو عوام کا معیارِ معیشت بلند کرنے اور زندگی کو بہتر بنانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس دور کے نامور عرب شعراء میں سے ہارون الرّشید کا درباری شاعر ابو نواس، کلثوم ابن عمر التعابی اور عبداللہ ابن المقفع مجوسی ملحد شاعر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر نے ۷۶۰ء میں الحاد پھیلانے کی بنا پر موت کی سزا پائی۔ جابر ابن حیان کوفی الکیمیا کا مشہور و معروف ماہر بھی اسی دور میں گزرا ہے جس نے گندھک اور شورے کے تیزابوں کو ملا کر ایک ایسا نیا تیزاب بنایا جس میں سونا اور چاندی گھل جاتے تھے۔ مشہور عالم اور سائنس دان ابو یوسف یعقوب الکندی بھی اسی عہد میں پیدا ہوا جو فلسفہ، مناظرہ و مرایا، نجوم اور ہیئت کا بہت بڑا ماہر تھا۔ اس نے مختلف علوم پر کوئی 265 کتابیں تصنیف کیں، نیچرل ہسٹری کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا، مادہ کی تبدیلیوں پر نظریات قائم کیے، تلواروں کے متعلق ایک پُراز معلومات رسالہ لکھا جس میں پچیس قسم کے فولادوں اور پھلوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ الکندی ''مہوس'' یعنی سونا بنانے کا قائل نہ تھا البتہ عطریات کی کشید میں بہت دلچسپی لیتا تھا۔ الحاج ابن یوسف بن مطر اس دور میں ریاضی اور علم ہیئت کا بہت بڑا ماہر ہو گزرا ہے اور ابراہیم انفرادی نے ہندی علمِ ہیئت پر ایک کتاب خلیفہ منصور عباسی کے لیے لکھی۔ محمد خوارزمی نے خلیفہ مامون کے لیے اسی علم پر ایک اور کتاب لکھی۔ اس عہد میں علم ہیئت کے نئے زائچے مشاہدات کی بنا پر تیار ہوئے اور کرۂ ارضی کے قطر اور محیط کی پیمائش کی گئی۔ الخوارزمی اور ۶۹ دوسرے ہیئت دانوں نے کرۂ ارضی کی تصویر بنائی، اجرامِ سماوی کا نقشہ تیار کیا، مملکت اسلام کا نقشہ بنایا، جغرافیائی معلومات مرتب کیں، حساب، الجبرا اور ہندسہ کے علوم ایجاد کیے اور

Marfat.com

حساب میں صفر کا استعمال شروع کیا۔

اہلِ سنت و جماعت کے چاروں ائمہ کرام یعنی حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اسی دور میں ہی گزرے ہیں جنہوں نے اسلامی فقہ کی تدوین کر کے شریعت کے نفاذ کو آسان تر کر دیا۔ فقہ کی تدوین کے سلسلے میں حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششیں بھی قابل ذکر ہیں جن کی فقہ نے ملک شام میں بہت فروغ حاصل کیا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ نے عراق اور مشرقی ممالک میں رواج پایا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ دیارِ مغرب میں رائج ہوئی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ نے مصر میں جگہ پکڑی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ نے عرب و نجد میں مقبولیت حاصل کی۔

تفسیر اور حدیث کی طرف بھی اسی دور میں بہت توجہ مبذول کی گئی۔ محمد الکلبی نے قرآن پاک کی ایک تفسیر لکھی جو یہودیوں اور عیسائیوں کی روایات پر مبنی ہے۔ مقاتل البلخی نے قرآن کریم سے قانونی اصطلاحات اخذ کیں اور الفراء نے جو الکسائی نحوی کا شاگرد تھا قرآن پاک کی تفسیر لکھی۔

اس دور کے مقتدر صوفیائے کرام میں حضرت امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ، مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ، محمد وسع رحمۃ اللہ علیہ، حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ، عتبہ بن العلام رحمۃ اللہ علیہ، فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ، ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ، بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ، بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ، داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ، شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور یقیناً حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ وہ بزرگ ہستیاں تھیں جنہوں نے خلفاء اور امراء سے بے نیاز ہو کر دین کی خدمت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور لاکھوں انسانوں کے طبائع کو صراطِ مستقیم پر لگایا اور جن کا روحانی فیضان آج تک جاری ہے۔

اس دور میں مسلمانوں کا سوادِ اعظم تو اہلِ سنت و جماعت کے معتقدات کا حامل تھا۔ تاہم فروعات میں مخصوص قسم کے عقائد رکھنے والے فرقے بھی موجود تھے جو اپنے پیروؤں کی تعداد بڑھانے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ ''شیعہ'' یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو خلافت کا مستحق سمجھنے والے لوگ عباسی حکومت کے معتوب تھے لیکن ایک فرقہ کی حیثیت سے مملکت بھر میں پھیلے ہوئے تھے۔ مملکت میں خارجی عناصر بھی موجود تھے اور ''ملاحدہ'' یعنی اسلامی عقائد کے ساتھ مجوسی، ہندوی اور تاتاری عقائد کو مدغم کر کے نئے مذہب چلانے والے لوگ بھی پیدا ہوئے۔ ان میں سے بعض نے مثلاً ابومسلم خراسانی اور المقنع نے نبی، رسول اور اوتار بننے کے دعوے بھی کیے۔ ''قدریہ، جبریہ، مرجیہ'' وغیرہ خصوصی عقائد رکھنے والے لوگ پیدا ہوئے لیکن انہوں نے جداگانہ فرقہ کی حیثیت اختیار نہ کی۔ البتہ اس عہد کے اواخر میں ''معتزلہ'' نے ایک الگ فرقہ کی حیثیت سے زور پکڑا اور اپنے عقائد کو دربار خلافت کا سرکاری دین قرار دلانے میں کامیابی حاصل کر لی لیکن اس دور کے ائمہ، فقہائ، محدثین، علمائے دین اور صوفیائے کرام کے وجود و خلوص کی برکات اور

Marfat.com

ان کی بے لوث دینی خدمات کے باعث مسلمانوں کا سواد اعظم اہلِ سنت و جماعت کے معتقدات کا قائل رہا۔ اس زمانے میں بعض دلچسپ لوگ نبوت و رسالت کے مدعی بن کر کھڑے ہوئے جن کو ان کے دعوے کی شدت و اہمیت کی بنا پر قتل وغیرہ کی سزائیں ملیں۔

حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کا زمانہ تاریخ عرب میں سب سے زیادہ وقیع حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس زمانے میں آفاقِ عالم پر اہل عرب کا قبضہ تھا اور انہوں نے اپنے پڑوسی ملکوں سے شہرت و تمدن کو بخوبی لے لیا تھا۔ فارسی، ہندی، رومی جو داخلِ اسلام ہو چکے تھے، ان سے بھی انہوں نے فیض تہذیب حاصل کیا تھا اور ان کے شہر فتح کر کے دینی تعلیمات پھیلانا شروع کر دی تھیں۔ عزت و عظمت شہروں میں ٹھاٹھیں مار رہی تھی اور شام و عراق کے اطراف، ثقافت و مدنیت سے جگمگا رہے تھے۔ بصرہ بھی انہی شہروں میں سے ایک تھا اور یہاں حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے اپنی زندگی کا غالب حصہ گزارا۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، بصرہ کی بنیاد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں خلیج فارس کے کنارے رکھی گئی۔ اسے عرب و عجم کی ایک بڑی بندرگاہ کی حیثیت حاصل تھی۔ یہاں ایک بہت بڑی جامع مسجد اموی حاکم زیاد بن ابید نے نئے اسلامی طرز پر تعمیر کرائی تھی۔ زیاد موسم سرما بصرہ میں گزارتا اور موسم گرما کوفہ میں۔ بنی تمیم اور دوسرے بدو قبائل اور شہری عرب بھی یہاں آ کر مقیم ہو گئے تھے اور عیش و عشرت کی زندگی گزارتے تھے۔ ان لوگوں نے شہر کی تعمیر و آبادی میں بڑا حصہ ڈالا۔

معتبر ماخذ سے پتہ چلتا ہے وہ تمیمی جو بصرہ میں آباد ہوئے تھے، شعر و نقد سے دلچسپی رکھتے اور مجادلہ و مناظرہ کو ناپسند کرتے تھے۔ وہ نحو کے قواعد کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے گفتگو کرتے، اہل کوفہ کی طرح شاذ و نادر امور کا استعمال نہ کرتے تھے۔ اہل سنت تھے۔ اپنی دین داری کی وجہ سے تصوف کی طرف ان کا رجحان تھا۔ یہ لوگ اپنے شیوخ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ، فضل رقاشی رحمۃ اللہ علیہ، عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ اور صالح مری رحمۃ اللہ علیہ کے متبع تھے۔

جب اسلام اقصائے عالم میں منتشر ہو گیا تو عرب فاتحین نے بصرہ کو چھاؤنی بنانا مناسب جانا کیونکہ یہ بستی مفتوحہ ممالک کے درمیان تھی اور ہند، فارس اور جزیرۂ عرب کے لئے قریبی بندرگاہ تھی۔ پھر کیا تھا، بصرہ پر ایسا رنگ چڑھ گیا کہ جو فاتحین کے وہم و گمان میں بھی تھا کیونکہ بصرہ قریب و بعید والوں کے لئے مرجع انام ہو گیا۔ ایک بڑی منڈی ہونے کے ساتھ ساتھ اسے علم و دین کے مرکز کی حیثیت بھی حاصل ہو گئی۔ علماء و محدثین یہاں آ کر رہنے لگے جو قسم قسم کے علوم میں دست گاہ رکھتے تھے۔ قرآن و حدیث کے بارے میں ان کی آراء اطراف و جوانب میں پھیل جاتی تھیں۔ یہ لوگ امت عربیہ کے لئے حیاتِ فکری کے سرچشمے تھے۔ چونکہ مسلمانوں کو قرآن مجید میں انتہائی دلچسپی تھی، اس لئے انہوں نے اس سلسلے میں بہت سی کتابیں لکھ ڈالیں اور اس کی بنیاد پر تعلیم و تعلم کی مجلسیں قائم کر دیں۔ اس کے علاوہ کلامِ پاک کی تفہیم و تفہم کے سلسلے میں

Marfat.com

عربی نظم ونثر اور اس کی تنقید و تنقیح کی طرف بھی توجہ دی۔

یہاں آ کر آباد ہونے والے فقہائ، معلمین اور ادباء صاحبانِ فکر و حکمت تھے، اس لئے حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کے دور میں وہاں ایک بڑا مدرسہ قائم ہو گیا جس کی بہت سی ثقافتی شاخیں تھیں اور مختلف قبائل و اقوام کے افراد جو نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، جوق در جوق اس مدرسے میں تحصیل علم کی خاطر آنے لگے۔ چنانچہ بصرہ اور اس کے اطراف میں ایک وحدتِ فکر یہ قائم ہو گئی اور یہ شہر ایک نئے رجحانِ عقلی اور ایک عمومی مذہب ادبی و اجتماعی کا گہوارہ بن گیا۔ اس دور اور اس کے بعد والے دور میں بلادِ عربیہ کے درمیان کچھ مادی وسیاسی اختلافات تھے چنانچہ بصری عموماً عثمانی تھے، کوفی علوی، شامی اموی اور جزائری خارجی۔ یہ متضاد موجیں باہم متصادم ہوتیں اور قوم کی حیاتِ فکری و اجتماعی کو متاثر کرتیں۔ اس دور میں گروہ بندی بہت زیادہ پھیل گئی تھی۔ کچھ لوگ سنی تھے، کچھ شیعہ، کچھ زبیری، کچھ اموی اور کچھ خارجی۔ حتیٰ کہ ان جماعتوں کا تصادم ہوا اور تاریخ عرب میں کئی ہولناک واقعات درج ہو گئے جن میں سے چند ایک کا اجمال آپ گزشتہ صفحات میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اہل بصرہ نے اپنی وحدتِ نحو ولغت کے بارے میں بھی اہل کوفہ سے کچھ مختلف آراء قائم کیں جن کی وجہ سے بصری اور کوفی مکتبہ ہائے فکر نے بہت سے مسائل نحو و اعراب وضع کئے۔

اب دینی تعلیمات کے بارے میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے اور مفسرین کے دو گروہ بن گئے۔ کچھ وہ لوگ تھے جو قیاس واقتباس کو دخل دیتے تھے اور کچھ تقلید ونقل کے قائل تھے۔ بعض تشدد پسند حضرات اپنے مذہب کی تائید میں طرح طرح کی شرح و تاویل کرنے لگے۔ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں اہل ہوا و بدعت دین سے کھیلنے نہ لگیں چنانچہ اجتماعی ضروریات کی بناء پر ایک ایسے مذہب کی ضرورت پیدا ہوئی جو معتدل ہو۔

بصرہ کے اس شدید بحران کے دور میں ایک عظیم ہستی کھڑی ہوئی جس نے عقلی و نفسی حیات پر ایک گہرا اثر چھوڑا۔ یہ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اس مردِ بزرگ نے ہندی و ایرانی اثرات مٹانے میں بڑی جدوجہد کی جو کہ دینی تعلیمات کو تباہ کرتے ہوئے سانپوں کی طرح بانبیوں سے نکل کر ہر طرف پھیل رہے تھے۔

یہ اثرات جو چند اوہام و مزاعم باطلہ سے مرکب تھے، ایسے وقت ظاہر ہوئے جب نو مسلم، مسلمانوں اور حیاتِ اسلامی میں جذب ہو کر مطمئن زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ گو یہ اوہام و مزاعم بعض معاشروں میں گھر کر چکے تھے مگر ان سے بھی ثقافت، تہذیب و تمدن اور آرٹ کو بڑا فائدہ پہنچا۔ حکمت ہند، صنعت چین اور معارف فارس سے کون انکار کر سکتا ہے! اگر ایسا نہ ہوتا تو تمدنِ عرب کو رنگارنگی حاصل نہ ہوتی۔ اسلام کی فتح یابی کے بعد کوئی بھی اس طوفان کے سامنے نہ ٹھہر سکا کیونکہ عجمیوں نے ایسے ایسے فتنے اٹھا دیئے تھے جن سے اہل عرب کو پہلے کبھی واسطہ ہی نہ پڑا تھا، خواہ ان کا تعلق روزمرہ کی زندگی سے ہو، طرزِ معیشت سے ہو، لہو و طرب سے ہو یا کسی اور شعبہ حیات سے۔

Marfat.com

حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کے زمانے کا بصرہ مختلف قسم کی ثقافتوں کا مرکز تھا۔ ایک طرف علماء وفقہاء کی مجالس گرم تھیں، تو دوسری طرف عیاش طبع گروہ کی بھی گرم بازاری تھی۔ متمدن شہروں کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہاں متضاد ثقافتوں کے مرکز ہوتے ہیں۔ بصرہ میں ایسے صاحب جاہ دولتمند بھی تھے جو دادِ عیش دے رہے تھے اور ایسے غرباء بھی جو روکھی سوکھی پر گزارا کر کے بغض وحسد کی نگاہوں سے یہ نمایاں طبقاتی تفاوت دیکھ رہے تھے۔ بصرہ میں چاروں طرف سے آنے والوں کی اس قدر کثرت تھی کہ شہر کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ گو یہاں کے باشندے ایک دوسرے سے مختلف تھے مگر دینی وحدت انہیں جمع کئے ہوئے تھی اگرچہ عربی عصبیت کے وہ نعرے جو اموی دور سے یہاں بلند ہو رہے تھے، اسلامی مساوات پر غالب آ چکے تھے۔ بربریوں کے ساتھ عربوں کے سلوک کا تذکرہ آپ گزشتہ سطور میں پڑھ چکے ہیں۔ اگرچہ اسلام کی صریح و واضح تعلیم تو یہ تھی کہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں نہ کسی عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل ہے، معیارِ فضیلت تو صرف تقویٰ ہے، مگر انسانی فطرت کی کجی ایسی روشن ہدایت کی طرف سے بھی نگاہ بند کر سکتی ہے۔

عجمی اور بیرونی باشندوں میں بڑے بڑے صاحب علم وتقویٰ بزرگ تھے مگر عربی امراء انہیں گوارا کرنے پر آمادہ نہ تھے، نتیجتاً حکومت کی سیاست ایک عجیب کشمکش میں مبتلا تھی کیونکہ ان اجانب وموالی کو، جو اسلام میں داخل ہوئے تھے اور صاحبانِ فکر ومعرفت تھے، یہ بات سخت گراں گزرتی تھی کہ انہیں حقیر سمجھا جاتا ہے، ان کے غصب کردہ حقوق واپس نہیں دیئے جاتے اور وہ معاملہ نہیں کیا جاتا جو انصاف و اسلام کے قرین تر ہو۔ اس زیادتی کا تدارک کرنے کے لئے انہوں نے بہت سے اسباب و وسائل اختیار کئے۔ انہوں نے دیکھا کہ لوگوں کی نظروں میں عزت ووقار حاصل کرنے کے لئے علم سے بہتر کوئی چیز نہیں چنانچہ انہوں نے اسی میں کمال حاصل کیا۔ اس دور میں رائج علوم کی فہرست کچھ یوں ہے:

فقہ، حدیث، قرآن، تفسیر، روایت، تاریخ، مغازی، تاریخ خلفا، قصص انبیا، اصولِ فقہ اور افتا۔

یہ وہ علوم ہیں جو حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کے دور میں مروج تھے اور جن میں موالی یعنی آزاد کردہ غلاموں نے کمال پیدا کیا تھا تا کہ عربی عصبیت کو کم کر کے حکام کا تقرب اور اہل عرب پر تفوق حاصل کریں۔ اموی دورِ حکومت میں فکری قیادت انہی لوگوں کے ہاتھوں میں تھی۔ اگرچہ یہ لوگ اسلام قبول کر چکے تھے اور دل و جان سے اسلام کی خدمت میں مگن تھے لیکن ان کے قلوب میں کینے کا غبار بھی موجود تھا۔ یہ لوگ اپنے موروثی رسوم ورواج سے یکسر لاتعلق بھی نہ ہوئے تھے، اس لئے انہوں نے اپنی کئی رسوم بھی اسلام کا حصہ بنا دیں اور کئی مواقع پر ایسی رسوم اختلاف و جنگ آزمائی کی موجب بنیں۔

جس طرح عصبیت نے سیاست وقبائل میں گروہ بندی پیدا کر دی تھی، اسی طرح ان خیالات نے نئے مذہبی فرقے پیدا کر دیئے۔ یہ فرقے عجیب وغریب خیالات کے مؤید تھے مثلاً حلول، تناسخ، وراثت امامت وغیرہ قسم کی بدعتیں جنہیں رواج دینے میں موالی کی کینہ پروریوں اور زہر افشانیوں کا بڑا ہاتھ تھا۔ یہ

Marfat.com

عمل حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دور تک جاری رہا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے موالی پر وہ نظر التفات ڈالی جس کے وہ ہمیشہ سے خواہاں تھے۔ آپ کے دور میں ان لوگوں نے آزادی کا سانس لیا اور جس مساوات کے تمنائی تھے، اس سے پوری طرح بہرہ ور ہوئے۔ آپ نے قضا وفتویٰ جیسے کام ان لوگوں کے سپرد کر دیئے۔ آپ نے قبیلہ ازد کے موالی یزید بن حبیب کو مصر کا مفتی بنا دیا جو مسائل حلال وحرام میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے، اور تفقہ دینی وروایت حدیث اور تاریخ غزوات وفتن میں بھی ماہر تھے۔

ان مخلص موالی علماء کے دم سے علم و دین کی مجلسیں گرم تھیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگانِ دین کو مسلمانوں کے عیش ونشاط کی طرف مائل ہو جانے کا بڑا دکھ تھا، اس لئے انہوں نے دعوت و اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے ان جیسے بزرگان کے حلقہ ہائے درس و ذکر میں شرکت کی اور ان کی ثقافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بالآخر آپ زہد وتقشف میں اپنے سب معاصرین پر بازی لے گئیں۔ آپ نے حوادثِ فکر اور حیاتِ فکری واجتماعی کا بغور مطالعہ کیا تھا، یہاں تک کہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی آپ کے احاطہ علم سے باہر نہ رہی تھی۔ اپنی افتادِ طبع کے مطابق آپ نے ایک نئی راہ تراشی جس کا مقصد یہ تھا کہ انسان دنیا سے خلاصی حاصل کرے اور اللہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جائے۔

Marfat.com

باب سوم

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا دورِ غلامی میں

اس زمانے کے عرب کا حال آپ نے پڑھ لیا۔ تصور کیا جا سکتا ہے کہ آئے دن کی ان شورشوں اور بغاوتوں نے عام لوگوں کا کیا حال کیا ہوگا اور معاشرے کے عمومی اخلاق و اطوار پر اس کا کتنا برا اثر پڑا ہوگا۔ اس زمانے کا بصرہ بھی یقیناً ان رجحانات سے محفوظ نہیں رہا۔ بغاوت کے جذبات یہاں کے کچھ طبقات میں بھی پائے جاتے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ تو وہ تھے جنہیں علم و دین سے کچھ واسطہ نہ تھا، کچھ ایسے ریا کار عابد و زاہد تھے جو زہد و پرہیز گاری کے اصولوں کو بھول کر دنیوی عیش و عشرت کو مطمح نظر بنا بیٹھے تھے اور کچھ وہ تھے جو سیاسی سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے تھے۔ کوئی سال ایسا نہ جاتا تھا جب کسی نہ کسی گروہ کی طرف سے بغاوت کا علم بلند نہ کیا جاتا۔ باغیوں کی ہنگامہ خیزی اور پھر حکومت کی طرف سے بغاوت فرو کرنے کے لئے طاقت کا بے دریغ استعمال، عامتہ الناس اس چکی میں پستے ہی رہتے تھے۔ پھر ایک سال ایسا آیا کہ شہر قحط کی مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔ لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا اور ان کی بہنیں بھی اس عذاب کی زد میں آ گئیں۔ بھوک نے لوگوں کو اپنوں سے بیگانہ کر دیا۔ اس ہنگامہ دار و گیر میں ان کی بہنیں نہ جانے کہاں چلی گئیں۔ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا تنہا رہ گئیں۔

پھر چوروں ڈاکوؤں کے دھاوے شروع ہو گئے۔ یہ بھوک سے مارے ہوئے لوگوں کو پکڑ پکڑ کر باندی اور غلام بنا کر فروخت کرنے لگے۔ ایسا ہی ایک ظالم حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا پر بھی آ نازل ہوا۔ اس نے انہیں پکڑ کر ایک تاجر کے ہاتھوں فروخت کیا (روایات میں اس تاجر کا نام عتیق بتایا گیا ہے)، جس نے انہیں آگے کسی اور کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ ایک یہ روایت بھی مشہور ہے کہ آپ کی بہنوں نے غربت و تنگدستی سے تنگ آ کر خود آپ کو بیچ دیا تھا، لیکن ہماری تحقیق کے مطابق، یہ روایت بے بنیاد اور باطل ہے، اور کسی بھی مستند تاریخی ذریعے سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔

حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کا یہ مالک بڑا سنگ دل شخص تھا۔ رات رات بھر آپ کو اپنی خدمت پر مامور رکھتا اور آپ کی کم عمری اور زبوں حالی پر ذرا ترس نہ کھاتا۔ آپ نہایت صبر اور خاموشی کے ساتھ اس کی خدمت کرتی رہیں۔ جب بھی موقع ملتا، آپ نماز کے لئے کھڑی ہو جاتیں اور رو رو کر پروردگار سے کہتیں کہ

Marfat.com

اے میرے رب! تو مجھے جس حال میں بھی رکھے مجھے منظور ہے۔ اگرچہ میں غلامی کی مصیبت میں مبتلا ہوں، خدمت گزاری کی مشقتیں سہ رہی ہیں لیکن اگر تو مجھے اس حال میں رکھنا چاہتا ہے تو مجھے کسی اور حال کی خواہش نہیں۔ میں تو صرف اتنا جاننا چاہتی ہوں کہ تو مجھ سے راضی ہے یا ناخوش!

شاید حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ اللہ کی رضا اس وقت انہیں اسی حال میں رکھنے کی ہے، اس کی وجہ کوئی ناراضی نہیں بلکہ یہ محض ایک آزمائش ہے۔ اپنے آقا کی خدمت میں انہیں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی کیونکہ جو اللہ کی رضا کے جویا ہوتے ہیں، وہ ساری دنیا کی مصیبتوں سے بے پروا ہو جاتے ہیں۔

ایک دن آپ کے آقا نے آپ کو کسی چیز کی خریداری کے لئے بازار بھیجا۔ وہاں ایک بدقماش شخص آپ کے پیچھے لگ گیا۔ آپ اپنی جان بچانے کے لئے بھاگیں، بھاگتے بھاگتے آپ کو ٹھوکر لگی، آپ گریں اور آپ کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔

اسی حالت میں آپ گھر آئیں۔ جب نماز کے لئے کھڑی ہوئیں تو صرف اتنا کہا: اے میرے پروردگار جو تیری رضا، اگرچہ میری تکلیف میں اس درد کا اضافہ اور ہو گیا، لیکن اگر تو اسی میں راضی ہے تو میں بھی راضی ہوں۔

واقفانِ حال کے لئے حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کا یہ صبر و شکر باعث حیرت نہیں ہوگا، کیونکہ آپ جیسے اللہ کے نیک بندے ایک ایسی وسیع دنیا، ایسی بلند سطح کے باشندے ہوتے ہیں کہ جہاں بڑی بڑی تکالیف و حوادث بھی چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔

اس رات رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نماز کے لئے کھڑی ہوئیں تو دل کا عالم ہی کچھ اور پایا۔ آج آپ اللہ سے رحم کی دعا مانگنے لگیں، التجا کرنے لگیں کہ آپ کو غلامی کی زنجیروں سے نجات مل جائے۔ آپ کی دعاؤں کی صدا آپ کے آقا کے کان تک بھی پہنچ گئی۔ وہ کان لگا کر سننے لگا۔ اس نے سنا، رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کہہ رہی تھیں:

"اے پروردگار! تجھے معلوم ہے کہ میرا دل تیری اطاعت کا خواہاں ہے، میری آنکھیں تیری خدمت سے ٹھنڈی ہوتی ہیں، اگر معاملہ میرے ہاتھوں میں ہوتا تو میں ایک لحظہ بھی تیری عبادت سے غافل نہ ہوتی مگر تو نے میرا معاملہ ایک سنگ دل انسان کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔"

یہ الفاظ سن کر آقا کا دل کانپ اٹھا۔ اس نے اٹھ کر حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کو دیکھنا چاہا تو اسے یوں لگا جیسے ان کے سر پر ایک چراغ روشن ہے جس سے سارا کمرہ بقعہ نور بنا ہوا ہے۔ فوراً آگے بڑھ کر اس نے بی بی رابعہ رحمۃ اللہ علیہا سے اپنی خطاؤں کی معافی چاہی اور کہا:

"آپ میری طرف سے آزاد ہیں۔ اگر آپ کا جی چاہے تو میرے پاس رہیں، اور جی چاہے تو کسی

Marfat.com

بھی ایسی جگہ چلی جائیں جہاں آپ کو خوشی ملتی ہو۔"

اس غیر متوقع انعام پر حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا حیران رہ گئیں۔ ایک لمحے کو انہیں یقین نہ آیا کہ غلامی کا بوجھ ان کے کاندھوں سے اتر چکا ہے۔ آپ نے بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ بلند کئے اور اپنے رب کا شکر ادا کرنے لگیں جس نے انہیں اس عذاب سے نجات دلائی تھی جس نے ان کے ماں باپ کی وفات کے وقت سے انہیں گرفت میں لے رکھا تھا۔ یقیناً غلامی کی اس کیفیت میں انہیں دن رات جان توڑ مشقت کرنا پڑتی تھی، برتن مانجھ مانجھ کے اور کپڑے دھو دھو کے آپ کی ہتھیلیاں پھٹ گئیں اور ہاتھ بے رنگ ہو گئے تھے، فرش اور دیواروں کی صفائی کرتے کرتے آپ کی کمر دکھنے لگتی تھی، کھانا پکانے کے لئے چولہا روشن کرتے وقت سلگتی لکڑیوں میں پھونکیں مارتے دھوئیں کے مارے آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے لیکن یہ سب تکالیف اس درد کے سامنے بے معنی تھیں جو آپ اس وقت محسوس کرتی تھیں، جب آپ کو بارگاہِ خداوندی میں حاضری دینے کا وقت نہیں ملتا تھا۔

آج آپ اس عذاب سے نجات پا گئی تھیں۔ آپ کی دلی کیفیت کیا تھی، اس کے بارے میں ہمیں وہ پرندہ ہی بتا سکتا ہے جسے قفس سے رہائی پا کر ایک بار پھر کھلی فضاؤں میں اڑنے کا موقع مل گیا ہو، یا پھر وہ قیدی جو عمر قید کاٹ کر رہا ہوا ہو۔

آپ نے اپنے سابقہ آقا کے لئے دعائے خیر کی اور اس کے گھر کو خیر باد کہہ دیا۔

❁

Marfat.com

عورتوں کے مباحثے میں جو کہ عورتوں کی فضیلت پر تھا فرمایا کوئی عورت نبی نہیں ہوئی، کسی عورت نے خدائی کا دعویٰ بھی نہیں کیا پھر بھی انبیاء، اولیاء صدیق شہدا اسی کی گود میں پرورش پا کر بڑے ہوئے۔

(رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا)

Marfat.com

باب چہارم

آزادی کے بعد

آزادی پانے کے بعد آپ کہاں گئیں، کن کن حالات سے گزرتی رہیں اور قوتِ لایموت حاصل کرنے کے لئے کن ذرائع کو اختیار کرتی رہیں، اس کے بارے میں کوئی تفصیلی تذکرہ تاریخ کی کتب میں محفوظ نہیں۔کوئی نہیں جانتا کہ آپ نے کبھی شادی کی یا نہیں، آپ کی اپنی بہنوں سے دوبارہ ملاقات ہوئی یا نہیں، آپ نے باقاعدہ تعلیم کہاں سے حاصل کی اور اس وقت حکمرانوں سے آپ کا تعلق کیسا رہا۔

آپ ایک آزاد کردہ کنیز تھیں۔اس زمانے کے عرب میں آزاد کردہ غلاموں اور کنیزوں کو ''موالی'' کے زمرے میں شمار کیا جاتا تھا، اور خصوصاً بنوامیہ کے دور میں موالی کے مسئلہ کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی کیونکہ ان کی سیاست حسب نسب پر مبنی تھی، اور وہ لوگوں کے مقام و مرتبے کا تعین ان کے حسب نسب کو دیکھ کر ہی کیا کرتے تھے۔موالی کو انہوں نے کسی قسم کا کوئی حق نہ دیا تھا جس کے ردِعمل کے طور پر آگے چل کر فقہاء نے اس مسئلے کو بڑی اہمیت دی اور اس پر کئی کتابیں لکھی گئیں۔فن وفکر وادب کو موالی سے ایک خاص تعلق رہا ہے۔ ان میں ایسے ایسے شعراء وادباء پیدا ہوئے جو اہل عرب سے بھی سبقت لے گئے۔

بہرحال، اتنا یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا آزادی پانے کے بعد دنیاوی طمطراق سے منہ موڑ کر ایسی مجالس میں شریک ہونے لگیں جہاں زاہدوں، عابدوں، صوفیا اور علماء کا گزر رہتا تھا۔آپ ہنوز نوجوان تھیں، اور اس عمر میں آپ کا ایسی مجالس میں شریک ہونا خصوصی انفرادیت رکھتا ہے کیونکہ آپ سے پہلے، اور آپ کے بعد، کوئی ایسی خاتون ہمیں نظر نہیں آتی جس نے اس عمر میں دنیا ترک کر کے حصولِ علم وعرفان کے لئے اپنی زندگی مختص کر دی ہو۔چند روایات کے مطابق آپ بصرہ سے کوفہ تشریف لے گئیں جو اس وقت ایک بڑا علمی مرکز تھا اور جہاں نادرِ روزگار علما کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔

مختصر سے عرصے میں آپ نے علومِ دینیہ میں مہارت حاصل کر لی بلکہ اس معاملے میں مردوں پر بھی سبقت لے گئیں۔فقہ وحدیث وتفسیر کے اسرار ورموز کو آپ بخوبی سمجھتی تھیں، ہر چھوٹے بڑے مسئلے سے آگاہ تھیں، اور بہت سی احادیث آپ کو یاد تھیں۔ان علوم میں آپ نے اس قدر مہارت حاصل کر لی تھی کہ جب آپ وعظ فرماتیں تو بڑے بڑے محدث اور فقیہہ بھی حیران رہ جاتے۔

Marfat.com

یہ تو کسی کو معلوم نہیں کہ حدیث اور فقہ میں آپ کے استاد کون کون تھے، البتہ یہ امر طے شدہ ہے کہ بڑے بڑے علماء بھی آپ کی خدمت میں بڑی نیازمندی کے ساتھ حاضر ہوا کرتے تھے۔ ان میں ایک ممتاز نام حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر تھے اور جنہیں امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ مشہور بزرگ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔

اس باوقار علمی فضا میں فقہ، روایت اور لغت کے مفکرین و علماء کی آپ کے اپنے شہر بصرہ میں بھی کوئی کمی نہیں تھی۔ اس کے علاوہ متضاد طرزِ زندگی اور طرزِ فکر رکھنے والی شخصیات بھی موجود تھیں جبکہ کوفہ میں اربابِ نحو، ادب، فقہ و مناظرہ کے حلقے اور شیوخ و علمائے تفسیر و حدیث موجود تھے۔ ان دونوں شہروں اور ان کے آس پاس کے شہروں کے علمائے کبار کا دینی و اجتماعی زندگی پر بڑا اثر تھا۔ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک چلتا پھرتا مدرسہ تھا۔ ان میں فقیہہ بھی تھے اور نحوی بھی، صاحب بیان بھی تھے اور اربابِ ذکر و تصوف و موعظت بھی۔

اور ان سب سے ہٹ کر ایک اور روشِ حیات تھی جسے زہد کا نام دیا جانا چاہئے۔ اس راہ کے چلنے والے گہری حد تک مذہب پرست تھے جنہیں تعیش و انحراف سیاسی سے نفرت تھی۔ یہ لوگ خدا کے سوا اور کسی چیز سے رغبت نہ رکھتے تھے، اپنے گھر بار سے دور رہتے تھے، شادی بیاہ کا جھنجھٹ نہ پالتے اور اپنے وقت کا ایک ایک لمحہ علم و عبادت کے لئے مختص کئے رہتے۔ یہ وہ لوگ تھے جو رات کو عبادت کرتے اور دن میں روزہ رکھتے۔ ان کا اٹھنا بیٹھنا بھی اپنے ہی جیسے لوگوں میں تھا۔ ان کے چہروں پر غم برستا اور ہنسی مسکراہٹ جیسی چیزیں ان سے نا آشنا رہتیں۔ یہ مسکراتے تو بھی ان کی مسکراہٹ میں ایک خاص طرح کی تلخی نظر آتی۔ سخت ریاضتیں کرنا اور آہ و زاری کرنا ان کے معمولات میں شامل تھا۔ لوگ انہیں متعبدین یعنی عبادت گزار اور بکائین یعنی رونے والے جیسے القاب سے یاد کیا کرتے تھے۔ رباح بن عمرو قیسی رحمۃ اللہ علیہ، امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیات اس حلقے میں شامل تھیں۔

رابعہ رحمۃ اللہ علیہا عبادت و زہد میں ان سب سے آگے تھیں۔ آپ کی زیادہ تر راتیں نماز اور دعا کے عالم میں گزرتیں۔ آپ سوتیں تو اس حالت میں کہ اپنی کوتاہیوں پر پشیمان و افسردہ ہوتیں اور بیدار ہوتیں تو اس عالم میں کہ خود کو ملامت کر رہی ہوتیں کہ اتنا وقت سو کر کیوں گنوا دیا، اسی عبادت و ذکر میں صرف کیوں نہ کیا؟ عشا کی نماز سے فارغ ہوتیں تو چھت پر چڑھ جاتیں، قمیص و دوپٹہ لپیٹ لیتیں اور عرض گزار ہوتیں:

"پروردگار! ستارے روشن ہو گئے، لوگ سو گئے، بادشاہوں نے دروازے بند کر لئے، ہر حبیب اپنے حبیب کے ساتھ محوِ خلوت ہے، اور میں یہاں تیرے سامنے کھڑی ہوں۔"

پھر آپ تمام رات نوافل ادا کرتیں، تہجد پڑھتیں، فجر کی نماز ادا کرتیں اور اس کے بعد کلام پاک کی

Marfat.com

تلاوت شروع کر دیتیں۔ جب روشنی پھیل جاتیں تو آپ کی عرض کا عالم کچھ یوں ہوتا:

"الٰہی! رات گزر گئی، دن آ گیا۔ کاش مجھے معلوم ہو پاتا کہ تو نے میری نماز قبول کر لی یا رد کر دی؟ تیری عزت کی قسم! میرا یہی طریق رہے گا جب تک تو مجھے جواب نہ دے گا یا میری مدد نہ کرے گا۔ قسم ہے تیری عزت کی! اگر تو مجھے اپنے دروازے سے دھتکار بھی دے گا تو میں نہ ٹلوں گی کیونکہ میرے دل میں تیری محبت گھر کر گئی ہے۔"

نیند کا غلبہ ہو جاتا اور آنکھیں مند بھی جاتیں تو بھی تھوڑی ہی دیر آپ جیسے گھبرا کر، ڈر کر جاگ جاتیں اور اللہ سے دعا مانگتے ہوئے فریاد کرتیں:

"لوگ سو گئے، غافل مدہوش ہو گئے اور رابعہ بے چاری تیرے سامنے کھڑی ہے۔ تیری نگاہ اسے سونے نہیں دیتی۔ قسم ہے تیری عزت و حرمت کی! میں نہ دن میں سوؤں گی نہ رات میں مگر یہ کہ نیند غالب آ جائے حتیٰ کہ میں تجھ سے آ ملوں۔"

مدتوں آپ کا یہی دستور رہا۔ آپ کے مجاہدے کی شدت اور نفس کے محاسبے کی سختی کا عالم یہ تھا کہ اگر ان بنیادی راحتوں کے حصول پر بھی نفس کو ملامت کرنے سے باز نہ رہتیں جو ہر انسان کی جسمانی ضرورتوں کا حصہ ہیں۔ نیند آ جاتی تو اٹھ کر اپنے آپ سے کہتیں: "اے نفس تو کب تک سوئے گا اور کب تک خراٹے لیتا رہے گا؟ وہ دن قریب ہے کہ تو ایسی نیند سو جائے گا کہ پھر یوم حشر کی چیخ و پکار ہی تجھے جگا سکے گی۔"

اپنے نفس پر یوں ملامت کرتے رہنے کا مقصد یہی تھا کہ یہ کبھی غفلت میں نہ پڑے اور ہمیشہ اللہ کی یاد میں منہمک رہے۔ آپ کا یوں دنیا سے منہ موڑ لینا اور اللہ کی طرف متوجہ رہنا اس زمانے کی فضا کے مطابق تھا کیونکہ اس دور کے اکثر بزرگان کا یہی وطیرہ تھا۔ ان بزرگان کی خواہش تھی کہ مسلمانوں میں نشاط و طرب اور لہو و لعب عام نہ ہو اور وہ یادِ الٰہی سے غافل نہ ہونے پائیں۔ گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ بنو امیہ اور بنو عباس کے حکمرانوں میں عیش پرستی کس حد تک سرایت کر گئی تھی۔ چونکہ عوام خواص کے دین پر ہوتے ہیں، اس لئے ان بزرگوں کو یہ خدشہ لاحق رہتا تھا کہ حکمرانوں کی طرف دیکھ کر عام مسلمان بھی انہی کی طرح عیش کوشیوں میں مگن ہو جائیں گے اور اپنی دنیا میں آمد کا حقیقی مقصد فراموش کر بیٹھیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ یہ ہر اس چیز سے بے رغبتی ظاہر کرتے تھے جس کی طرف دنیا داروں کو رغبت ہوتی ہے۔ زہد ایسے بزرگوں کے لئے ایک پُرسکون غار تھا جہاں یہ اہل عرب کی بیماریوں، نئے تہذیب و تمدن اور نئے طریق ہائے فکر و بود و ماند سے بھاگ کر پناہ گزین ہو گئے تھے۔ ہر ملک، ہر زمانے، اور ہر مذہب میں ایک دور ایسا آتا ہے جب زہد ایسے ہی اسبابِ ظاہری و باطنی کے تحت پروان چڑھنے لگتا ہے۔ بہت سے لوگ زہد کو فرار کی خاطر اختیار کرتے ہیں اور اس کے پس پردہ ان کی ناکامی و محرومی کارفرما ہوتی ہے۔ زیادہ تر زہاد کی زندگی کی چھان بین کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا زہد و تقشف اصلاً کسی نفسانی محرومی کی وجہ سے تھا۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ زہد

Marfat.com

کسی کی فطرت وطینت بن گیا ہو کیونکہ انسان فطرتاً رغبت وطلب کی طرف مائل ہے نہ کہ بے رغبتی وقناعت کی طرف۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو زہد کو حقیقی معنوں میں اخلاص کے ساتھ اختیار کرتے ہیں۔

زہد پسند حضرات اسبابِ دنیوی سے ازحد پرہیز کرتے تھے، مجرد رہنا ان کے لئے قابل ترجیح تھا، قوتِ لایموت کے حصول کے لئے صرف اللہ پر بھروسہ کرتے اور نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دیتے تھے۔ اپنی اصل میں زہد اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جب بعض نیک مسلمانوں کی توجہ تقشف وزہد کی طرف دیکھی تو انہیں اس حد تک غلو کرنے سے منع فرمایا۔ زہد کی راہ پر چلنے والے افراد کی نیت خواہ کتنی بھی نیک کیوں نہ ہو، وہ یہ بات فراموش کر دیتے ہیں کہ اسلام دنیا و آخرت کے عمل کی دعوت دیتا اور ایک دستورِ جہاد پیش کرتا ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ دنیا میں خیر وفلاح کا دور دورہ ہو جائے۔ دنیا سے ہٹ کر خلوت اختیار کرنے والے یہ بھول گئے کہ نبی کریم ﷺ نے اجتماعی زندگی گزاری، اسی کا درس دیا اور تبلیغ اسلام کے لئے دنیاوی اسباب کا سہارا لیتے رہے۔ آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ انسانیت دنیا میں پھلے پھولے نہ یہ کہ شکست کھا کر منہ چھپا لے اور اپنی زرخیزی کھو بیٹھے۔

حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کے دور میں زہد باقاعدہ ایک فن بن چکا تھا جسے باقاعدہ سیکھا جاتا تھا۔ اس کا بانی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو سمجھا جاتا ہے جنہوں نے حزن وملال کو زہد کا جزو بنا دیا تھا۔ آپ دنیوی زندگی میں زیادہ تر موت، حسابِ اعمال اور دوزخ کا ذکر کیا کرتے تھے، دوستوں اور مریدوں سے آپ کی زیادہ تر گفتگو آخرت کے خوف کے متعلق ہوا کرتی تھی، آپ اس راہ میں مسلسل جدوجہد کرتے رہے یہاں تک کہ زہد و تقویٰ کے درجہ کمال کو پہنچ گئے، آپ نے قومی عصبیت، حسب ونسب وجاہ سے منہ موڑ کر علم وعمل کا دامن تھاما اور محبوبِ خلائق بن گئے۔ پوری مملکت میں آپ کا نام عزت و وقار کے ساتھ لیا جانے لگا۔ جہاں کہیں فقہ، بیان اور زہد کا تذکرہ آتا، لوگ کہتے: ”حسن ان تمام فضائل کے مستند امام ہیں۔“

آپ کی شکل میں بصرہ نے ایک ایسے معلمِ زمانہ کو دیکھا جس نے سینکڑوں کو تعلیم دی اور ہزاروں کو متاثر کیا۔ اگرچہ آپ کی راہ پر چلنے والے بہت کم پیدا ہوئے کیونکہ دنیاوی مال ومتاع کو تج کر زاہدانہ زندگی اپنا لینا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں، تاہم حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا جیسے مخلصین نے آپ کی جلائی ہوئی شمع کو روشن رکھا۔ ہم خود کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ ان نیک پاک ہستیوں کے طرزِ حیات پر حرفِ اعتراض اٹھائیں۔ اللہ کے بعض راز صرف اس کے خاص بندوں پر ہی افشا ہوتے ہیں، اور ممکن ہے کہ یہ زاہدانہ طرزِ زندگی بھی انہی رازوں میں سے ایک ہو جسے سمجھ پانا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں۔

Marfat.com

باب پنجم

محبت الٰہی کے راستے پر

مشہور مصنفہ سیدہ ودادا السکاکینی لکھتی ہیں کہ مجھے یہ بات بہت پسند ہے کہ میں رفتارِ فکر و اصحاب فکر کا مطالعہ کروں۔ پرواز و انقلاب، دہر کا ایک ہی نہج ہے جو تمام اشیاء میں جاری و ساری ہے حالانکہ انھیں شعور بھی نہیں ہوتا۔ یہ قانونِ فطرت اس قدر تیزی سے چلتا ہے کہ دیکھنے والوں کو پتا بھی نہیں چلتا۔ جیسے ایک پھول پھلتا پھولتا رہتا ہے مگر نہ ہم تو اپنی ان آنکھوں سے اور نہ کسی سائنسی ذریعے سے اس کی نشوونما کی رفتار کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں۔ کتنے ہی ایسے درخت ہیں جو ہم باغ میں اپنے ہاتھوں سے لگاتے ہیں۔ اس وقت وہ ایک پتلی سی شاخ ہوتی ہے۔ چند روز میں ایک تناور درخت بن جاتا ہے مگر ہمیں اس کے آہستہ آہستہ بڑھنے کا علم بھی نہیں ہوتا۔

رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا جو پہلے ایک چھوٹی سی بیل، پھر ایک تر شاخ کی مانند بنیں، چند سال گزرنے پر ایک تناور، سایہ دار اور میوہ دار درخت بن گئیں۔ اس کے سائے میں وہ لوگ آرام کرتے تھے جو دنیا کی بادِ سموم کے مارے ہوئے تھے مگر اس کا پھل عارفوں کے سوا کسی نے نہ چکھا کیونکہ معرفت کے اس درجے تک تو اہل بصیرت ہی پہنچ سکتے ہیں۔ یہ حسّی و معنوی انقلاب جو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے زہد و عبادت کے ساتھ ساتھ چلتا رہا، ایک شعلہ عشق، معرفت باطن، انجذابِ مادر اور تجرد کی صورت اختیار کر گیا۔ اب ان کی شب بیداری دوسرے شب بیداروں کی طرح نہ تھی۔ اب وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت جنت کی طمع یا دوزخ کے خوف سے نہ کرتی تھیں۔ وہ رات دن گریہ و زاری کرتی رہتیں مگر حساب قیامت کے ڈر کی وجہ سے نہیں جیسا کہ دوسرے لوگ حسابِ حشر سے ڈر کر گڑگڑاتے ہیں بلکہ اب ان کی زندگی ایک نئے موڑ کی طرف مڑ گئی تھی۔ ان کا مقصود صرف ایک ذاتِ باری تھی جو اہل نظر، کرامت کا مطمع نظر ہوتی ہے۔

اولیا کے نزدیک جب تک انسان چار بھٹیوں میں پگھلایا نہ جائے، پختہ نہیں ہوتا۔ ان میں پہلی آگ ''فقر'' کی ہے، دوسری ''محبت'' کی، تیسری خدا تعالیٰ کی تقدیر کا شکوہ نہ کرنا یعنی بغیر چوں و چرا تسلیم کر لینا اور چوتھی روزی کی فکر سے فارغ ہو جانا۔ یعنی اللہ پر مکمل بھروسہ۔ جب تک چار بھٹیوں سے گزرا نہ جائے کندن نہیں بنتا اور نہ ہی عشق کے درجے تک پہنچ سکتا ہے۔

Marfat.com

نبی کریم ﷺ نے فقر پہ فخر فرمایا۔ صوفیا کا ایک مقولہ ہے۔

اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللهُ

جب فقر پورا ہو جائے تو اللہ باقی رہ جاتا ہے۔

باقی تمام چیزیں ختم ہو جاتی ہیں۔

کیونکہ یہ دولت یعنی فقر آپ ﷺ پر پوری ہوگئی اس لیے راہ عشق کے مسافر پر لازم ہے کہ آپ ﷺ کی پیروی کریں کیونکہ ان کے اتباع کی بدولت ہی اللہ کی بارگاہ میں محبوبیت کا درجہ حاصل ہوسکتا ہے۔

فقر ایک ایسی بادشاہت ہے کہ دنیا و جہاں کے بادشاہ اس ملک کے خوشہ چین ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ فقر اپنی دولت کا دروازہ کس کے لیے کھولے گا۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے۔

ایک آدمی نے اللہ تعالیٰ سے فقر کی درخواست کی اس کو فقر عطا کر دیا گیا کیونکہ جو شخص کوئی چیز طلب کرے اور پھر اس کے لیے کوشش بھی کرے تو اس کو وہ مل ہی جاتی ہے آخر اس کی حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ، اس کی بیوی اور ان کے تین بیٹے ایک ہی چادر میں باری باری نماز ادا کرتے۔ کچھ مدت اسی حالت میں گزر گئی۔ ایک دفعہ اس درویش نے دو رکعت نماز ادا کی، دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے اور انتہائی عاجزی سے روتے ہوئے درخواست کی کہ اے اللہ تعالیٰ جبکہ تو نے مجھے فقر کی دولت عطا فرمائی تو اب یہ دولت مجھ سے واپس نہ لے لینا۔

وہ اسی طرح بار بار کہتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا۔ جب دعا سے فارغ ہوا تو اٹھا اور پانی نکالنے کے لیے کنوئیں میں ڈول ڈال دیا۔ وہ چاندی سے بھرا ہوا باہر آیا اس نے اسے واپس کنوئیں میں پھینک دیا اور آہ وزاری کرتے ہوئے کہا۔ ''اے اللہ، میرے پیدا کرنے والے، تو نے مجھ سے فقر کی دولت کیوں واپس لے لی؟'' پھر اس نے ڈول کو دوبارہ کنوئیں میں الٹ دیا اور گریہ وزاری کرنے لگا۔ اب کی بار ڈول اشرفیوں سے بھرا ہوا نکلا۔ اس کے بعد تیسری دفعہ ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا باہر آیا۔ اب تو وہ بہت غمگین ہوا۔ قریب تھا کہ اس کی روح جسم سے پرواز کر جائے کہ ہاتف غیبی نے آواز دی: ''حق سبحانہ وتعالیٰ نے تجھے اپنا مقبول بندہ بنا لیا ہے۔ اب تمام دنیا بھی اگر تیرا خزانہ ہو جائے اور تو اسے خرچ کرتا رہے تو تیرے فقر کی دولت کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔''

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے دعا کی اور عرض کیا: اے اللہ! تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اتنا مال دیا کہ حساب اور شمار سے گزر گیا۔ ان کے مویشیوں اور بھیڑ بکری کے گلوں کی حفاظت کے لیے ستر ہزار کتے گلے میں سونے کے پٹے ڈالے ہوئے ہمراہ جاتے تھے اور میرے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کو تو نے ایسی حکومت عطا فرمائی کہ نہ تو اس سے پہلے کسی کو ایسی حکومت نصیب ہوئی اور نہ بعد میں ہوگی اور میرے بھائی حضرت

Marfat.com

یوسف علیہ السلام کو تو نے عزیز مصر بنایا۔ آپ ﷺ اسی طرح رب العزت کی نعمتوں کو شمار کرتے گئے جو کہ ہر پیغمبر کو نصیب ہوئی تھیں اور پھر عرض کیا کہ مجھ کو اور میری امت کو آپ نے کیا عطا فرمایا ہے؟ خداوند تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ میں نے تجھ کو اور تیری امت کو وہ کچھ عطا کیا ہے جو میں نے کسی پیغمبر اور کسی امت کو نہیں عطا کیا۔ اس لیے کہ تو انبیاء کا بادشاہ ہے اور تیری امت بہترین امت ہے اور جب تک میری تقدیر میں تیری پیدائش کا فیصلہ نہ ہوا کوئی چیز بھی پیدا نہ کی گئی۔ اگر تو نہ ہوتا تو نہ یہ زمین و آسمان ہوتے اور نہ ربوبیت کا اظہار ہوتا۔ اے میرے پیارے! میں نے دنیا و عقبیٰ کو تیرے لیے پیدا کیا، تجھ پہ پیش کیا اور کہا تجھ سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا اور نہ کچھ مواخذہ ہوگا لیکن تو نے خود ہی کسی چیز کی طرف نگاہ نہ اٹھائی اور الفقر فخری کہہ دیا اور میرے دیدار کے سوا کوئی چیز طلب نہ کی۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سمجھتی تھیں کہ فقر ایک لازوال بادشاہی ہے اور رب العالمین کی رضامندی کا سبب ہے۔ وصل وصال وسیلہ ہے۔ یہ یقینی طور پر ان کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ ابدی دولت اور سرمدی سعادت صرف اسی کی قسمت میں ہے جس نے اپنی توجہ کو دولت دنیا سے اٹھا لیا اور فقر کی کٹھالی میں اپنے آپ کو پگھلا ڈالا اور رضائے مولا کے سوا کوئی آرزو اپنے دل میں نہ رکھی۔ اپنے آپ کو جلانا اور اس کے ساتھ موافقت کرنا، اپنے آپ کو چھوڑنا اور دوست سے ملنا ہمیشہ سے عاشقوں کا دستور چلا آیا ہے۔ جان کی بازی لگانا اور دردِ سر خریدنا، علاج معالجہ سے امید منقطع کرنا اور جان دوست کے سپرد کر دینا اور پھر بھی اس کا احسان سمجھنا رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا شیوہ تھا۔ وہ سمجھتی تھیں فقر اور قناعت کے خزانہ اور نامرادی کے گوشہ اور نیازمندی کی مراد کو کبھی بھی ہاتھ سے نہ چھوڑنا اور اپنے آپ کو مکمل طور پر جانگدازی کے سپرد کر دینا چاہیے۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا کمال سوز و گداز میں تھا۔ عاشق جتنا بے قرار ہو عشق اتنا ہی آبدار ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس دن احمد ﷺ کو دل کا درد نہ ہو اور نیا عشق عطا نہ ہو، خدا کرے اس دن میں برکت نہ ہو۔ اس لیے کہ جتنا فراق زیادہ ہو عشق اتنا ہی بے شمار ہوتا ہے اور جتنا عشق بے شمار ہو عاشق اتنا ہی بے قرار ہوتا ہے اور جتنا عاشق بے قرار ہوا اتنا ہی معشوق اس کے قریب ہوتا ہے اور عاشق کا دل زخمی ہوتا ہے اور جتنا عاشق کا دل زخمی ہوتا ہے اتنا ہی عشق چمکتا ہے۔ اس لیے عاشق کا قرار بے قراری میں ہے، اس کی راحت زخموں میں اور اس کا سکون بے سکونی میں ہے۔

راہِ سلوک کا سرچشمہ اختیاری فقر میں ہے۔ جب فقر مضبوط ہو جاتا ہے تو تمام مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ فقر کا گلہ نہیں بلکہ شکر ادا کرنا چاہیے کیونکہ یہ دولت حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا جیسے لوگوں کے حصہ میں آئی ہے۔ اس کے لیے اخص الخواص دوستوں کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ اس کی قیمت وہی جانتا ہے جو زندہ دل ہو اور زندہ دل لاکھوں میں ایک ہوتا ہے۔ اگر دنیا کے دولت مندوں کو فقر کی قدر و منزلت معلوم ہو جائے تو اس کو حاصل کرنے کے لیے اپنا سب کچھ نثار کر دیں۔

Marfat.com

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہیں مدد اور رزق فقیر لوگوں (ضعفائ) کے طفیل ملتا ہے۔ (بخاری)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں جنت کے دروازے پر کھڑا دیکھ رہا تھا کہ اس میں داخل ہونے والے اکثر فقیر لوگ تھے اور دولت مند حساب و کتاب کی الجھنوں میں پڑے ہوئے تھے اور دوزخ پر گیا تو اس میں اکثر داخل ہونے والی عورتیں تھیں۔ (صحیحین)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز فقراء مہاجرین دولت مند (مہاجرین) سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ (مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آل محمد ﷺ نے آنحضور ﷺ کی وفات تک کبھی دو دن متواتر جو کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی۔ (صحیحین)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھوک کا شکوہ کیا اور پیٹ ننگے کر کے آپ ﷺ کو دکھائے۔ ہمارے پیٹوں پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھایا۔ آپ ﷺ کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہماری فاقہ کشی کا یہ حال تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو کھانے کے لیے صرف ایک ایک کھجور دیا کرتے تھے۔ (ترمذی)

فقر دو قسم کا ہے: ایک فقر وہ ہے جسے قلت مال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مومن کے لیے یہ بھی ایک نعمت الٰہی ہے اور کافر کے لیے عذاب الٰہی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: خداوند تعالیٰ کی نگاہ میں بدترین انسان فقیر متکبر ہے۔

دوسرا فقر وہ ہے جسے فقیرانہ عادات و خصائل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی تواضع، انکساری۔ فقر سے یہی چیز مطلوب ہے۔ شیخ سعدی کے بقول

درویش صفت باش کلاہ تتری دار

یعنی (درویشی کی عادت اپنے اندر پیدا کر اور سر پر بے شک ہیٹ پہن)

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی طبیعت میں فقر بچپن سے ہی تھا۔ انہوں نے بچپن سے جوانی تک رنج و الم اور آفات و مصائب کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا تھا۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں ان کے خاندانی اور معاشی حالات کے بارے میں لکھا جا چکا ہے۔ ایک کم عمر بچی کے دل و دماغ نے ان پے در پے سانحات و حادثات کا کیا اثر لیا ہوگا۔ یہ دن والدین کی محبت اور بھائی بہنوں کے ساتھ کھیلنے، فرمائش کرنے اور بچپن کی ضد و تکرار کے ہوتے ہیں مگر ان کی زندگی کے ان دنوں میں ان کی ہر خوشی اور خواہش چھن گئی۔ گرمیوں کے موسم میں جب آسمان پر سورج آگ برسا رہا ہوتا، وہ کمزور جسم اور ناتواں ہاتھوں سے دریا سے پانی بھر کر لاتیں اور

Marfat.com

آپ کا سارا جسم پانی سے بھیگ جاتا اور سردیوں کے ٹھنڈے موسم میں ساری ساری رات اپنے آقا کے سامنے ہاتھ باندھ کر خدمت کے لیے کھڑی رہتیں۔ اولیائے کرام نے جو ریاضتیں اپنی خوشی اور رغبت سے جوانی کے ایام میں کیں، وہی ریاضتیں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے اپنے بچپن کے دنوں میں دورِ غلامی میں کیں۔ اس بچپن کے دور میں جب اتنی سختی کوئی برداشت کرتا ہے تو بستر پر جانے کی تمنا اس کے دل میں ہوتی ہے تا کہ کچھ آرام ہو سکے مگر روایات ہمیں بتاتی ہیں کہ سب کچھ سہہ کر بھی وہ رات کے سناٹے میں تسلیم و رضا کا پیکر بنی اپنے رب کے حضور کھڑی ہو جاتیں اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتیں کہ دنیا والے میرے راستے کی رکاوٹ ہیں، اس لیے میں تیرے حضور میں دیر تک پہنچتی ہوں۔ یہی وہ ریاضت ہے جو تصوف کی بنیاد ہے اور یہی فقر کے ساتھ تسلیم و رضا کی آئینہ دار......

تسلیم و رضا کیا ہے؟......

جب انسان فقر میں محکم و مضبوط ہو جائے تو اس کے لیے تسلیم لازمی چیز ہے:

عاشق مست سر براہ نہاد
پیش چوگاں چو گو زپائے فتاد

(مست عاشق نے اپنا سر راستہ پر رکھ دیا اور گیند کی طرح بلے کے سامنے گر پڑا۔)

اگر مصیبتوں کے تیر راہِ حق کے مسافر کی طرف پھینکے جائیں تو اپنی جان کو سپر بنائے اور دم نہ مارے بلکہ نہایت خوش ہو۔ تا کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے خوش ہو جائیں۔

1- اے دل بہوس برسرکارے نرسی تا غم نخوری بہ غمگسارے نرسی
2- تا شانہ صفت سر تہی در تہ ارّہ ہرگز بسر زلف نگارے نرسی
3- تا خاک ترا کوزہ نسا زندہ کلالاں ہرگز بہ لب لعل نگارے نرسی
4- تا ہمچوں حنا سودہ نہ گردی بہ تہ سنگ ہرگز بکف پائے نگارے نرسی

1- اے دل تو اپنی ہوس سے کوئی کام سرانجام نہیں دے سکتا۔ جب تک تجھے غم نہ پہنچے گا تیرا کوئی غمگسار بھی نہ ہوگا۔

2- جب تک تو کنگھی کی طرح اپنا سر آرے کے نیچے نہیں رکھے گا تب تک تو محبوب کی زلفوں تک نہیں پہنچ سکے گا۔

3- جب تک تیری مٹی کو کمہار پیالہ کی شکل نہ دیں گے تو کسی لعل جیسے سرخ لب معشوق کے ہونٹوں تک نہیں پہنچ سکے گا۔

4- جب تک تو مہندی کی طرح پتھر کے نیچے نہیں پسے گا کبھی بھی معشوق کے پاؤں کے تلووں تک نہ پہنچ سکے گا۔

Marfat.com

جب تک محبوب کی ہر ادا محبوب نہ ہو دوستی کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

چونکہ ہمہ از طرف محبوب است — ہر چہ کردو کند ہمہ خوب است

(چونکہ یہ سب چیزیں محبوب کی طرف سے ہیں اس لیے جو کچھ اس نے کیا اور جو کچھ کرے گا سب ٹھیک ہے۔)

خدا کو پہچاننے والے ہمیشہ خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں مقیم ہیں۔ ایک لحہ بھی وہاں سے غائب نہیں ہوتے۔ اس لیے کہ وہ جو کچھ بھی دیکھتے ہیں اُس کے سوا کچھ نہیں دیکھتے۔ ان کی نگاہ خداوند تعالیٰ کی نگاہ ہوتی ہے۔ ہر چند کہ وہ اپنے آپ کو عالم کثرت میں لانا چاہیں ایسا نہیں کر سکتے۔ ان کی توجہ حقیقی قبلہ کی طرف ہوتی ہے۔ وہ جب بھی جہان کے آئینہ میں نگاہ ڈالتے ہیں خدا کی ذات کے سوا ان کو کچھ نظر نہیں آتا۔ وہی ایک سورج ہے جو تمام جہان میں چمک رہا ہے اور ہر ذرّہ اسی سے نور اور روشنی حاصل کر رہا ہے۔

جب تک راہِ عشق کا مسافر تسلیم و رضا کے سمندر میں غوطہ نہ لگائے گا، اُسے معلوم نہ ہو سکے گا۔ یہ دولت قیل و قال سے میسر نہیں آسکتی مگر یہ کہ حق تعالیٰ خود ہی رہنمائی فرمائیں۔ جب تک انسان رنج نہ اٹھائے گا خزانہ تک نہ پہنچ سکے گا اور جب تک انسان ڈنک نہ کھائے گا شہد نہ چکھ سکے گا۔ ہر وہ سختی جو انسان کو پہنچے اس میں اپنا فائدہ سمجھے اور تسلیم کے دائرہ کے اندر رہے۔

1- ما بلا بر کسے قضا نہ کنیم — تا کہ او را ز اولیا نہ کنیم
2- ایں بلا گو ہر از خزانہ ماست — مابہ ہر کس گہر عطا نہ کنیم
3- طریق عشقبازی بے بلا نیست — زمانے بے بلا بودن روا نیست
4- بلا کش تا لقائے دوست بینی — کہ مرد بے بلا صاحب لقا نیست
5- میان صد بلا خوش باش با او — کہ ہر جا او بود ہرگز بلا نیست

1- ہم اسی پر مصیبتوں کو مسلط کرتے ہیں جس کو ہم اپنا دوست بنانا چاہتے ہیں۔
2- یہ مصیبت ہمارے خزانہ کا ایک بے بہا گوہر ہے۔ ہم ہر آدمی کو گوہر عطا نہیں کیا کرتے۔
3- عشق بازی کا طریقہ مصیبت کے بغیر نہیں ہے ایک لحہ بھی مصیبت کے بغیر گزارنا جائز نہیں ہے۔
4- مصیبت برداشت کر تا کہ تجھے دوست کی ملاقات ہو کیونکہ مصیبت میں گرفتار نہ ہونے والے کو کبھی ملاقات نصیب نہیں ہوتی۔
5- دوست کے ساتھ سینکڑوں مصیبتوں میں بھی خوش رہ کیونکہ جہاں وہ ہو وہاں مصیبت نہیں ہے۔

جو کچھ انسان کی قسمت میں ہے اس پر راضی رہا جائے کیونکہ قسمت میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ یہ خدا تعالیٰ کی کتنی بڑی مہربانی ہے کہ اس کی رضا انسان کی رضا پر موقوف ہو جائے اگر وہ خداوند تعالیٰ سے راضی ہے تو وہ بھی اس سے خوش ہے۔

Marfat.com

1- اے دل خدا کی تقدیر پر راضی رہ اور ماضی و مستقبل کے غم کو فراموش کر دے۔
2- اگر تیری قسمت میں ایک چیز ہو اور تو دس چیزیں طلب کرے تو خود ہی فیصلہ کر کہ تجھے دس چیزیں کیونکر مل سکتی ہیں۔

فقر و فاقہ میں ثابت قدم اور صبر و شدائد کے برداشت کرنے میں مضبوط رہنا پڑتا ہے۔ اگر انسان ہزار دفعہ بھی کوشش کرے تو بھی اپنی قسمت سے زیادہ حاصل نہ کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ "ہم نے ان کی روزی ان کے درمیان تقسیم کر دی ہے۔" جب تو نے اس مقدمہ کو سمجھ لیا تو یقین رکھ اور بے غم ہو کر بیٹھ جا اور اپنے کاموں کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے آپ نے فرمایا مجھ پر امتیں پیش کی گئی ہیں۔ بعض نبیوں کے ساتھ صرف ایک آدمی تھا، کسی کے ساتھ دو، کسی کے ساتھ ایک قبیلہ تھا۔ کسی کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر میں نے ایک بہت بڑی جماعت دیکھی۔ میں نے خیال کیا کہ شاید میری امت ہو تو مجھ کو بتایا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی امت ہے، پھر مجھے کہا گیا کہ ادھر دیکھو۔ میں نے دیکھا تو بے شمار جماعتیں تھیں جنہوں نے آسمان کے کناروں کو چھپا رکھا تھا۔ فرمایا گیا یہ آپ کی امت ہے۔ ان میں سے ستر ہزار ایسے آدمی ہوں گے جو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اگر بیمار ہو جائیں تو علاج معالجہ نہیں کرتے۔ نہ جھاڑ پھونک کے نزدیک جاتے ہیں۔ نہ داغ لگواتے ہیں نہ فال وغیرہ لیتے ہیں۔ بس اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ صبر اور شکر میں راضی برضا ہیں۔ (صحیحین)

(یہ بڑے بلند مرتبہ لوگوں کا مقام ہے۔ ہم جیسے کمزور ایمان لوگوں کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "علاج کرا لیا کرو۔ علاج میری سنت ہے۔")

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرو تو اللہ تعالیٰ تم کو پرندوں کی طرح روزی عطا فرمائیں گے کہ صبح خالی پیٹ اٹھتے ہیں اور شام کو اپنے پوٹے بھر لیتے ہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اگر تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو اس طرح کبھی نہ کہہ کہ اگر میں اس طرح کرتا تو یوں ہو جاتا۔ بلکہ یوں کہا کرو کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قسمت میں لکھا ہے وہی ہوگا۔ یہ "اگر" کا لفظ شیطان کے عمل دخل کے لیے دروازہ کھول دیتا ہے۔ (مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: "اے عبداللہ! دنیا میں اس طرح زندگی گزار جیسے کوئی ناواقف آدمی کسی جگہ جا کر گزارہ کرتا ہے یا جیسے کوئی راہ چلتا مسافر، اور اپنے آپ کو ہمیشہ مردوں کی فہرست میں شمار کر۔ (بخاری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں مصیبت کے ثواب کا علم ہو تو تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ ہمیشہ تم پر مصیبت قائم رکھے۔ (ابن ماجہ)

Marfat.com

حضرت رابعہ بصری ؒ دنیا کی دلفریبیوں سے ہمیشہ دور رہیں۔ کثرت رنج والم اور حزن وملال اس بیگانگی اور بے نیازی کی وجہ تھی۔ انہوں نے دنیا کی نفی کی اور اپنے اللہ پر ہمیشہ توکل کیا۔ ایک دفعہ حضرت رابعہ بصری ؒ کے مکان پر پانچ درویش مہمان آئے۔ اس وقت کھانے کا وقت تھا۔ حضرت رابعہ بصری ؒ نے اپنی خادمہ کو بلایا اور پوچھا۔ ان درویشوں کو کھانا کھلانے کے لیے کچھ موجود ہے؟ اس نے جواباً کہا کہ صرف ایک روٹی ہے۔ اس ایک روٹی سے کیا ہوگا؟ مہمانوں کے حصے میں کیا آئے گا؟

حضرت رابعہ بصری ؒ مہمانوں کے پاس جا کر بیٹھ گئیں۔ ابھی کچھ وقت ہی گزرا تھا کہ ایک فقیر نے آ کر آواز لگائی۔ میں بھوکا ہوں۔ حضرت رابعہ بصری ؒ نے خادمہ کو کہا کہ روٹی اس فقیر کو دے دو۔ خادمہ نے وہ روٹی فقیر کو دے دی اور حضرت رابعہ بصری ؒ ان درویشوں کے ساتھ پھر مصروف گفتگو ہوگئیں۔ کچھ دیر گزری کہ خادمہ پھر حاضر ہوئی اور کہا...... ایک شخص کھانا لے کر آیا ہے...... حضرت رابعہ بصری ؒ نے استفسار کیا...... اس کھانے میں کتنی روٹیاں ہیں؟

خادمہ نے جواب دیا۔ دو روٹیاں ہیں۔

آپ ؒ نے فرمایا۔ اسے واپس کر دو۔ وہ شخص غلطی سے ہمارے گھر آ گیا ہے۔ وہ کھانا ہمارا نہیں ہے۔

خادمہ نے کھانا واپس کر دیا......

پھر تھوڑی دیر اور گزری تھی کہ خادمہ نے اطلاع دی کہ ایک اور شخص کھانا لایا ہے۔ حضرت رابعہ بصری ؒ نے پھر روٹیاں گننے کا حکم دیا۔ خادمہ نے بتایا کہ پانچ روٹیاں ہیں۔ حضرت رابعہ بصری ؒ نے جواباً کہا...... اس بار پھر کھانا دینے والے سے غلطی ہوئی ہے۔ یہ ہمارا کھانا نہیں ہے۔

تیسری بار ایک اور شخص کھانا لے کر حاضر ہوا۔ خادمہ نے پھر اطلاع دی۔ آپ نے پھر وہی روٹیاں گننے کا کہا۔

خادمہ نے بتایا کہ اس بار گیارہ روٹیاں ہیں تو حضرت رابعہ بصری ؒ مسکرا پڑیں اور فرمایا......

ٹھیک ہے کھانا لے لو۔ یہ ہمارے لیے ہی ہے......

خادمہ نے کھانا لے لیا اور دستر خوان بچھا دیا۔ تمام درویشوں نے سیر ہو کر کھایا تو ایک درویش بولا کہ تین مختلف اشخاص کھانا لے کر آئے۔ دو کا کھانا آپ ؒ نے قبول نہ کیا اور تیسرے کا قبول کر لیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

آپ ؒ نے مہمان کی طرف گہری نظر سے دیکھا اور فرمایا......

اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے کہ دنیا میں ایک کے بدلے دس اور آخرت میں ستر دوں گا۔ بس اسی حساب سے میں نے پہلے دو کھانے واپس کر دیے اور تیسرے کھانے کو قبول کیا۔ میں نے راہِ خدا میں ایک روٹی دی

Marfat.com

اور رازقِ عالم سے سودا کیا۔ پھر جب ایک شخص دو اور دوسرا پانچ روٹیاں لے کر آیا تو میں نے جان لیا کہ یہ حساب درست نہیں ہے۔ تیسرا شخص گیارہ روٹیاں لے کر آیا تو میں نے کسی تردد کے بغیر انہیں قبول کر لیا کہ یہ حساب کے مطابق ہے اور دینے والے کی شانِ رزاقی کو ظاہر کرتا ہے۔ دس روٹیاں میری ایک کے بدلے میں اور ایک روٹی جو میں نے دی تھی۔ خدائے بزرگ و برتر نے وہ بھی واپس کر دی۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی یہ شانِ توکل دیکھ کر درویش مہمان حیرت زدہ ہو گئے......

توکل کے بارے میں کچھ اشعار یوں ہیں۔

-1 ہر کہ در بحر توکل غرق گشت   ہمتش از ماسوی اللہ در گزشت

-2 گرچہ دارد ایں توکل رنجہا   فھو حسبہٗ بخشد ازلی گنجہا

-1 جو آدمی توکل کے سمندر میں غرق ہو گیا۔ اس کی ہمت ماسویٰ اللہ سے گزر چکی۔

-2 اگرچہ اس توکل میں بہت سے دکھ ہیں لیکن خداوند تعالیٰ ان کو کفایت کرتے ہیں اور ازلی خزانے عطا فرماتے ہیں۔

حُب اللہ دو چیزوں پر موقوف ہے: پہلی توکل اور دوسری تسلیم۔ انسان کے لیے یہ دونوں دوست نہایت لازمی ہیں۔ ان کو ہر وقت اور ہر لحہ اپنے پاس حاضر رہنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ انسان کبھی ان سے غافل ہو جائے۔ اگر ایسا ہو تو راہِ حق کا مسافر کبھی بھی دنیا کے غم وغصہ سے نجات نہ حاصل کر سکے گا۔

ایک دن حاتم اصم جہاد کے لیے جانے لگے تو بیوی سے کہا کہ ”میں چار ماہ کے لیے جہاد پر جا رہا ہوں۔ تجھے کتنا خرچ چاہیے؟“ بیوی نے کہا۔ ”جتنے دن آپ مجھے زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ اتنے دنوں کا خرچ دے جایئے۔“ حاتم نے کہا۔ ”تیری زندگی میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔“ بیوی نے کہا۔ ”آپ یہ بھی سمجھ رکھیں کہ میری روزی بھی آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے۔“ حاتم جب جہاد پر چلے گئے تو ایک عورت نے ان کی بیوی سے دریافت کیا کہ ”حاتم آپ کو کیا کچھ دے گئے ہیں؟“ کہنے لگیں کہ ”حاتم تو خود روزی مانگنے والا تھا۔ وہ چلا گیا ہے اور روزی دینے والا یہیں ہے۔“

اپنا دل مضبوط رکھ۔ جو تیری قسمت میں ہے وہ تجھے ہر سبب پہنچ کر رہے گا۔

-1 غم روزی چہ میخوری شب و روز   کہ سگ و گربہ راہ ہمیں کارست

-2 کم خورد زاں عزیز گشت ہما   زاغ پُر خوار شد ازاں خوارست

-1 شب و روز روزی کا غم کیا کھاتا ہے کہ یہ کام تو کتے بلیاں بھی کر سکتے ہیں۔

-2 ہُما کم خور جانور ہے اس لیے معزز ہے اور کوا بسیار خور ہے اسی لیے ذلیل ہے۔

یحییٰ معاذ رازی کہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں کو چھوڑ کر کسی قسم کا غم نہ کر اور اپنے دل کو میرے لیے خالی کر اور میرے ساتھ مشغول رہ کہ میں تیرا

Marfat.com

مالک ہوں۔ وہ پردہ جو میرے اور بندہ کے درمیان حائل ہے، میں وہ پردہ اٹھا دیتا ہوں اور جب میں پردہ اٹھا دوں تو اس کا دل میری طرف دیکھنے میں مشغول ہو جاتا ہے اور جب مجھ کو دیکھنے لگتا ہے تو میں اس کو اپنے قریب کر لیتا ہوں اور اس پر اپنی نوازشات کی بارش کرتا ہوں۔ جب وہ بیمار ہو جاتا ہے تو میں اس کی عیادت کرتا ہوں، اگر وہ پیاسا ہوتا ہے تو میں اس کو پانی پلاتا ہوں اور اگر وہ بھوکا ہوتا ہے تو میں اس کو سیر کرتا ہوں۔ جب میں اپنے بندہ کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہوں تو پھر اس کے نفس کو دنیا سے آزاد کر دیتا ہوں اور مجھ کو دیکھنے کے سوا اس کو کوئی چیز خوش نہیں کر سکتی۔

انسان کو خدا تعالیٰ کے وعدہ سے اپنے دل کو مضبوط رکھنا چاہیے۔ روزی کا غم نہ کرنا چاہیئے کہ جو کچھ قسمت میں ہے وہ کسی طرح بھی کم و بیش نہ ہوگا۔ انسان اپنی قسمت پر راضی نہ ہوگا تو دنیا کو انسان پر مسلط کر دیا جائے گا۔ وہ در بدر ٹھوکریں کھاتا پھرے گا اور جب تک وہ اچھی طرح ذلیل و خوار نہ ہوگا اسے کچھ نہ مل سکے گا اور ملے گا پھر بھی وہی جو انسان کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے۔ جب انسان نے یہ مقدمہ معلوم کر لیا تو اسے خدا تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہو جانا چاہیئے کہ بہترین عبادت خدا تعالیٰ کا ذکر ہے۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ذکر الٰہی میں ہر وقت مصروف رہتی تھیں اور یہ مصروفیت اتنی بڑھ گئی کہ خوشی اور غم اپنی حیثیت کھو بیٹھے تھے۔ عبادت کے بارے میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا طرز فکر بڑا عجیب تھا۔ آپ خوف اور طمع سے بے نیاز ہو کر اپنے خالق کو پکارتی تھیں۔ ایک بار آپ پر جذب کی کیفیت طاری تھی۔ اہل بصرہ نے دیکھا کہ آپ ایک ہاتھ میں آگ اور ایک ہاتھ میں پانی لیے ہوئے بھاگی جا رہی ہیں۔

لوگوں نے آپ سے پوچھا۔ یہ کیا ہے؟ آپ کہاں جا رہی ہیں؟

تو آپ نے جواب دیا۔ میں اس پانی سے دوزخ کی آگ کو بجھانے کے لیے چلی ہوں کہ لوگ اسی کے خوف سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

لوگوں نے پوچھا: اور اس آگ کا کیا مقصد ہے؟

آپ نے جواب دیا...... میں اس آگ سے جنت کو پھونک ڈالنا چاہتی ہوں تاکہ جو لوگ جنت کے لالچ میں اللہ کی عبادت کرتے ہیں، انہیں جنت نہ مل سکے......

ایک بار حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگ رہی تھیں۔ اے میرے معبود! اگر میں تیری عبادت دوزخ کے خوف سے کرتی ہوں تو مجھے دوزخ ہی میں ڈال دینا اور اگر میری ریاضت حصول جنت کے لیے ہے تو اسے مجھ پر حرام کر دینا۔ اور اگر میں صرف تیرے ہی لیے تیری پرستش کرتی ہوں تو مجھے اپنے دیدار سے ہرگز محروم نہ رکھنا...... یہی وہ عشق ہے اور یہی وہ عبادت ہے جس نے رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو قیامت تک عشق الٰہی و ذکر الٰہی کی علامت بنا دیا۔

کہتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

Marfat.com

عرض کیا۔ "اے رسول خدا ﷺ! مجھے رب العزت کی بارگاہ کا قریب ترین راستہ اور ایسا عمل بتلایئے جو بہترین ہو اور خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا آسان ترین راستہ ہو۔" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ذکر الٰہی کو لازم کرلو۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "اے رسول خدا کیا ذکر کی اتنی فضلیت ہے؟ اور پھر دوسری تمام مخلوق بھی تو ذکر الٰہی میں مشغول رہتی ہیں۔" اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "خاموش رہو۔ اس طرح مت کہو کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک دنیا میں کوئی بھی اللہ اللہ کہنے والا ہوگا۔" اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "اے علی! غور سے سن میں یہ کلمات تین بار کہتا ہوں۔ اس کے بعد تو بھی ان کو تین بار کہہ تاکہ میں سن لوں۔"

مشائخ طریقت اور ارباب حقیقت نے ذکر کے تلقین کرنے میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔

ہر آں کارے کہ بے استاد باشد یقیں دانی کہ بے بنیاد باشد

جو کام بھی بغیر استاد کے کیا جائے گا یقینی طور پر سمجھ لے کہ وہ بے بنیاد ہوگا۔

وہ ذاکر جنہوں نے ذکر کی تلقین شیخ کامل سے حاصل کی ہے انہوں نے تھوڑی ہی مدت میں ذکر کے ثمرات اور فتوحات اتنے حاصل کیے ہیں کہ عبارت ان کی شرح سے عاجز ہے:

آنکہ بہ تبریز دید یک نظر از شمس دین طعنہ زند بر دہہ سخرہ کند بر چلہ

جس نے تبریز میں شمس دین کی ایک نگاہ دیکھ لی ہے وہ دہے پر طعنہ زنی اور چلہ کشی پر تمسخر کرتا ہے

(یعنی مولانا رومؒ جن کو شمس الدین تبریزی کی ایک ہی توجہ کامیاب بنا گئی)۔ (مرشد رومیؒ حضرت شمس تبریز)

تجھے چاہیئے کہ ذکر کی سند کسی کامل شیخ سے حاصل کرے اور ذکر کی فرصت کو غنیمت سمجھے۔

1- ہر یک دمے کہ میرود از عمر گوہریست کاں را خراج ملک دو عالم بود بہا

2- مپسند کیں خزانہ دہی رائیگاں بباد وانگہ روی بخاک تہی دست و بے نوا

1- زندگی کا ہر سانس جو ختم ہو رہا ہے ایک ایسا ہیرا ہے کہ جس کی قیمت دونوں جہاں بھی ادا نہیں کرسکتے۔

2- ایسے خزانے کو برباد کرنے پر راضی نہ ہو جا اس وقت کو یاد رکھ جب کہ تو خالی ہاتھ خاک میں چلا جائے گا۔

حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے دو نعمتیں بندہ کو کرامت کی ہیں۔ اگر وہ ان میں مست اور طربناک نہ ہو تو وہ میرے رفیقوں میں سے نہیں ہوسکتا۔ ایک نعمت تو فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (بقرہ 152) کی ہے اور دوسری نعمت ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ط (مومن 60) کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تو مجھ کو یاد کرتا کہ میں بھی تجھ کو یاد رکھوں اور مجھ سے کوئی چیز مانگ تاکہ میں تجھ کو عنایت کروں۔ ایک لمحہ اور ایک لحظہ بھی خدا

Marfat.com

تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں رہنا چاہئے کیونکہ خداوند تعالیٰ کا ذکر کرنا دعا بھی ہے اور ذکر الٰہی بھی۔ ذکر میں یہ دونوں نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔

1- تر ایک پند بس از ہر دو عالم — کہ برناید زجانت جز خدا دم
2- اگر تو پاس داری پاسِ انفاس — بسلطانی رسانندت ازیں پاس

1- تجھ کو دونوں جہانوں سے ایک ہی نعمت کافی ہے کہ خدا کی یاد کے سوا تیرا کوئی سانس باہر نہیں آنا چاہئے۔

2- اگر تو اپنے انفاس کا پاس رکھے گا تو تجھے اس پاسِ انفاس کی برکت سے شاہی کے مرتبہ پر پہنچا دیں گے۔

چاہئے کہ ہر کوئی اپنے ہر سانس کی ہوش رکھے اور نگاہیں اپنے پاؤں پر جمائے رکھے اور خلوت در انجمن اور سفر در وطن سے کسی حال میں بھی غافل نہ رہے:

عاقلی کفریست پنہاں اہل دیں را در وجود!
ایں چنیں کافر شدن را حاجت زنار نیست

اہل دین کے لیے وجود میں عقل مندی پوشیدہ کفر ہے۔ ایسا کافر ہونے کے لیے زنار کی حاجت نہیں ہے۔

اگر کوئی آدمی روٹی کا ایک ٹکڑا کسی فقیر کو دیتا ہے تو وہ لقمہ ستر فرشتوں کے ہاتھوں سے گزر کر فقیر تک پہنچتا ہے اور یہ ستر فرشتے اس کے لیے دست بدعا ہو جاتے ہیں کہ اے خداوند اس خیرات کرنے والے کو معاف کر دے۔ کہتے ہیں کہ اگر دنیا کے تمام دریا گھی بن جائیں اور تمام پہاڑ کھانڈ ہو جائیں اور ساتوں زمینیں آٹا بن جائیں اور ان تمام کا حلوہ بنا کر فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیں تو اس سے یہ چیز بہت زیادہ ہے کہ ایک بار لا الٰہ الا اللہ کہا جائے۔ پھر اندازہ کریں کہ اس آدمی کی بدبختی کا کیا عالم ہے جو لا الٰہ الا اللہ کے ذکر سے محروم رہے۔

1- اے دوست بمن گریز خودر اہلہ کن — گر شاہ جہاں نہ گردی مارا گلہ کن
2- رو گرد جہاں بگرد پا آبلہ کن — گر ہچوں منی بیابی مارا یلہ کن
3- یک صبح باخلاص بیا بر درِ ما — گر کام تو بر نیاید انگہ گلہ کن

1- اے دوست میری طرف دوڑ اور اپنے آپ کو چھوڑ دے۔ اگر تو دنیا کا بادشاہ نہ بن جائے تو گلہ کرنا۔

2- جا آبلہ پائی کے ساتھ دنیا جہاں کو چھان مار۔ اگر تو میرے جیسا کوئی تلاش کر لے تو مجھ کو چھوڑ دینا۔

3- ایک صبح اخلاص کے ساتھ ہمارے دروازہ پر آ۔ اگر تیرا مقصود حاصل نہ ہو تو پھر گلہ کرنا۔

Marfat.com

اگر خداوند تعالیٰ کے انعامات بندہ پر بے نہایت ہیں تو بندہ کو بھی چاہئے کہ خدا کی طلب میں اس کی کوشش بے نہایت ہو۔ چاہئے کہ کوئی لمحہ اور کوئی لحظہ خدا تعالیٰ کی یاد سے خالی نہ رہے۔

1- تو خاصۂ را باش کہ ما نیز ترائیم در ہر دو جہاں مقصد و مقصود تو مائیم

2- گر یک قدم از راہ طلب سوئے می آئی ما صد قدم از راہ کرم سوئے تو آئیم

1- تو ہمارے لیے خاص ہو جا کہ ہم بھی تیرے لیے ہیں۔ دونوں جہانوں میں تیرا مقصود ہم ہی ہیں۔

2- اگر تو ہماری طرف طلب کی راہ سے ایک قدم چل کر آئے گا تو ہم از راہِ کرم تیری طرف سو قدم چل کر آئیں گے۔

یقینی طور پر سمجھ لینا چاہئے کہ تلاش کرنے والا ڈھونڈھ ہی لیتا ہے کیونکہ مشہور ہے کہ جو شخص کسی چیز کو طلب کرے اور اس کے لیے کوشش بھی کرے تو وہ اس کو پا لیتا ہے۔

گر طالب مائی مطلب ہیچ مرادے دریافتن ماست ترا جملہ مرادے

اگر تو ہمارا طالب ہے تو کوئی اور مراد طلب نہ کر۔ ہمارا پالینا ہی تیری تمام مرادیں ہیں۔

زندگی کی نعمت کی قدر کو غنیمت سمجھنا چاہئے اور اپنے قیمتی وقت کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

زمانے خوش دلی دَریاب دُریاب کہ دائم در صدف گوہر نباشد

کسی وقت خوش دلی حاصل کر اور گوہر مقصود پا کہ ہمیشہ صدف میں گوہر نہیں پائے جاتے۔

اس حدیث کا راوی کہتا ہے کہ اگر امیر کو معلوم ہو جاتا کہ ذکر الٰہی میں کتنے فائدے، کتنی خیر اور کتنی برکت ہے تو امیری کو چھوڑ دیتا اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتا اور اگر سوداگر معلوم کر لیتے کہ ذکر خدا میں کتنے فائدے ہیں تو سوداگری ہی چھوڑ دیتے۔ اگر ایک تسبیح کا ثواب اہل زمین پر تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کو اتنا حصہ ملے جو کہ تمام دنیا سے کئی گنا زیادہ ہو۔

پس از سی سال ایں نکتہ محقق شد بخاقانی

کہ یک دم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

تیس سال کے بعد خاقانی کو یہ نکتہ معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک دم کی مجلس سلیمان علیہ السلام کی حکومت سے بہتر ہے۔

اگر انسان ایسا کر سکے تو اپنے آپ کو اس لذتِ فانی سے آزاد کرا لے۔ اگر انسان ترکِ لذت کی لذت کو جان لیتا تو کبھی بھی لذتِ نفس کو لذت نہ کہتا۔ یقینی طور پر سمجھ لینا چاہئے کہ یہاں کے لذائذ کو نوش کرنا، زہریلا ڈنک کھانے کے مترادف ہے۔ یہاں کا کمال عین زوال ہے۔ یہاں کی راحت عین جراحت ہے۔

نہ بندہ دل بدنیا ہر کہ مردست کہ دنیا سر بسر اندوہ و دردست

Marfat.com

جو مرد ہے وہ تو کبھی دنیا میں اپنا دل نہیں لگاتا کیونکہ دنیا سر بسر اندوہ و درد ہے۔

انسان اس خاکدان سے کوئی نایاب ہیرا حاصل کرے اور وہ ہے ذکر خداوندی اور ذکر کی علامت خدا تعالیٰ کی محبت ہے۔

راوی روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ''اے میرے رب! مجھے کوئی بہترین چیز ذکر کرنے کے لیے سکھلا تاکہ میں اس کے ساتھ تیرا ذکر کروں۔'' بارگاہِ خداوندی سے خطاب ہوا کہ ''اے موسیٰ! لاالہ الا اللہ کہو۔'' موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ ''اے مالک! لاالہ الا اللہ تو تیرے تمام بندے کہتے ہیں۔'' پھر حکم ہوا کہ لاالہ الا اللہ کہو۔'' موسیٰ علیہ السلام نے لاالہ الا انت کہا، اور عرض کیا ''میں تو اپنے لیے کوئی خاص چیز طلب کرتا تھا۔'' خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ ''اگر ساتوں آسمان اور زمین ترازو کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں اور لاالہ الا اللہ کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو یہ کلمہ ان سب سے بوجھل ہو جائے گا۔'' حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''اے میرے بندے! تو اخلاص سے مجھ کو ایک لحظہ یاد کرتا کہ میں تجھ کو تمام جہان سے بے نیاز کر دوں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ ''اگر ساری عمر میں ایک بار بھی کوئی لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے گا تو دوزخ کی آگ اس پر حرام ہو جائے گی۔'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اکیلے (خداوند تعالیٰ) کا دروازہ کھٹکھٹاؤ تاکہ وہ تمام دروازے تم پر کھول دے۔ ایک شکار کے پیچھے چلو تاکہ تمام شکار تمہارے شکار ہو جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لاالہ الا اللہ کہنے والے کے لب بند نہ ہونے چاہئیں اور فرمایا کوئی آسمان ذاکر کے لیے حجاب نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ وہ عرش الٰہی تک پہنچ جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لاالہ الا اللہ خدا تعالیٰ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اگر میں صبح کی نماز ادا کروں اور اپنے مقام پر بیٹھا رہوں اور سورج طلوع ہونے تک ذکر الٰہی میں مشغول رہوں تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے ہر اس چیز سے جس پر سورج چمکے اور یہ بھی فرمایا کہ دل کی زندگی ذکر الٰہی سے ہے۔

1- دل بتوحید خدا زندہ شود تا بابد زندہ و پائندہ شود
2- ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

1- دل خدا کی توحید سے زندہ ہوتا ہے اور ابد تک زندہ و پائندہ ہو جاتا ہے۔
2- جس کا دل عشق سے زندہ ہو گیا وہ کبھی نہیں مرتا۔ جہان کے دفتر پر ہمارے لیے دوام ثابت ہو چکا ہے۔ (مشہور مقولہ ہے کہ اولیا اللہ مرتے نہیں ہیں۔)

ایک رات موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ ''اے خداوند! میں کس طرح معلوم کر سکتا ہوں کہ تیرا دوست

Marfat.com

کون اور دشمن کون ہے؟" تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ "ذکر کرنے والا میرا دوست ہے اور غافل میرا دشمن ہے۔" خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمیشہ میری محبت کی طرف دوڑو کہ میں ہی دونوں جہانوں میں تمہارا کارساز ہوں۔

1- یاری از من خواہ نہ از خیل سپاہ راز بامن گو نہ گو با میر و شاہ

2- ہر کرا یاری کنم برتر شود وانکہ را دور افگنم ابتر شود

1- مدد مجھ سے مانگو فوج سے مدد نہ مانگو۔ اور اپنا راز مجھ سے بیان کرو نہ کہ امرا اور بادشاہوں سے۔

2- جس کی میں مدد کروں وہ بلند تر ہو جاتا ہے اور جس کو میں دور پھینک دوں وہ ذلیل وخوار ہو جاتا ہے۔

مجھے تو اس آدمی سے تعجب ہے جو تجھ کو نہیں پہچانتا اور دل کو تیری یاد سے خالی رکھتا ہے اور تیری مناجات کے علاوہ اور چیزوں سے لذت حاصل کرتا ہے۔ معلوم نہیں وہ کیسے خوش رہ سکتا ہے۔ کوئی بدقسمت ہی ہوگا جس کا ایسا حال ہو۔

شیخ ابوبکر دینار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جو شخص دنیا کی طرف توجہ کرتا ہے وہ دنیا کی آگ میں جلتا ہے اور جو آخرت کی طرف توجہ کرتا ہے وہ آخرت کی آتش میں جلے گا اور جو خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرے گا وہ ذکر اور محبت الٰہی کی آگ میں جلتا رہے گا اور بالآخر ایک ایسا قیمتی ہیرا بن جائے گا کہ جس کی قیمت کا کوئی اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔ کہتے ہیں کہ ایمان کے چار رکن ہیں۔ (1) توحید بے حد (2) ذکر بے لب (3) حال بغیر اکتانے کے اور (4) وقت بے وقت وجد۔

یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جب ذکر کے اسرار اہل ذکر کے دل پر منکشف ہوتے ہیں تو ذاکر خداوند تعالیٰ کی طرف توجہ کرتا ہے اور اپنی عبادت میں مخلص ہو جاتا ہے۔ اللہ کے سوا کسی اور چیز کی طرف ملتفت نہیں ہوتا اور اپنے مذکور کے سوا کسی سے امید نہیں رکھتا۔ اس کے سوا کسی اور سے کبھی نہیں ڈرتا۔ خیر وشر اور نفع ونقصان کو صرف اسی کی طرف سے سمجھتا ہے نہ کہ غیر کی طرف سے۔ وہ غیر کی طرف سے منہ پھیر لیتا ہے، شرکِ خفی سے بھی بیزار ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے کہ وہ شرکِ جلی سے بیزار ہوتا ہے اس کی نگاہوں میں کوئی غیر باقی نہیں رہتا وہ صرف اسی کو دیکھتا ہے۔

از بس کہ دو دیدہ در خیالت دارم در ہر چہ نظر کنم توئی پندارم

میں اپنی دونوں آنکھیں تیرے ہی خیال میں رکھتا ہوں۔ میں جس چیز کو بھی دیکھتا ہوں تجھ ہی کو اس میں پاتا ہوں۔ (یہ تمام چیزیں ذکر کی تاثیرات ہیں۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی قوم ذکر الٰہی میں مشغول ہو تو فرشتے ان کو آ کر گھیر لیتے ہیں۔ ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے۔ ان پر سکینہ کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں میں ان کا تذکرہ فرماتے ہیں۔

(مسلم)

Marfat.com

آنحضرت ﷺ نے فرمایا متفرد لوگ سبقت لے گئے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! متفرد کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: خدا تعالیٰ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں (مسلم) اس حدیث میں ذکر کرنے والے لوگوں کو علیحدگی میں بیٹھنے والوں سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر کے لئے تنہائی میں بیٹھنا افضل ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: خدا کا ذکر کرنے والے اور نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی مثال ہے۔ ذاکر زندہ ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ۔ (صحیحین)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایک بہترین عمل، نہایت پاکیزہ عمل، بڑا بلند مرتبہ عمل نہ بتلاؤں؟ جو سونا اور چاندی خیرات کرنے سے بھی بہتر ہے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے سے بھی افضل ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ضرور بتلائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کا ذکر کرنا۔

(ترمذی، ابن ماجہ، موطا امام مالک)

ایک بدو نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ بہترین انسان کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال نیک ہوں۔ پھر اس نے سوال کیا کہ بہترین عمل کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، یہ کہ تو اس حال میں دنیا سے رخصت ہو کہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔ (احمد، ترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم جنت کے باغوں کے پاس سے گزرو تو کچھ جنت کے پھل کھا لیا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ جنت کے باغ کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ کے ذکر کے حلقے۔ (ترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس مجلس میں اللہ کا ذکر نہ ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مردار گدھے کا گوشت کھا کر اٹھا ہو۔ (ابوداود)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس مجلس میں اللہ کا ذکر اور رسول اللہ ﷺ پر درود نہ ہو اس مجلس کا قیامت کے دن لوگوں کو افسوس ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو معاف کر دے چاہے تو ان کو سزا دے۔

(ترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر کلام ابن آدم کے لیے وبال ہے ماسوائے امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ذکر الٰہی کے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زیادہ باتیں نہ کیا کرو اللہ کے ذکر کے سوا زیادہ بولنا دل کو سخت کر دیتا ہے اور سخت دل لوگ ہی خدا تعالیٰ سے زیادہ دور ہیں۔ (ترمذی)

ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ ''یارسول اللہ ﷺ! اسلام کے احکام تو بہت ہیں مجھے کوئی ایک چیز بتا دیجئے کہ میں اس کو مضبوطی سے تھامے رکھوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ہر وقت اپنی زبان

Marfat.com

کو اللہ کے ذکر سے تر رکھ۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

ایک آدمی نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا: یا رسول اللہ ﷺ بہترین انسان کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں۔ (احمد، ترمذی)

سلوک کی انتہا خداوند تعالیٰ کی آگاہی اور اس کی بارگاہ میں حضوری ہے۔ اس طرح کہ جہاں دل ہو وہیں جسم بھی ہو اور جہاں جسم ہو وہیں دل بھی ہو۔ دل اور جسم کا شغل جناب الٰہی کے سوا اور کچھ نہ ہو۔

این است کمال مرد در راہ یقین | در ہر چہ نظر کند خدا را بیند

یقین کی راہ میں آدمی کا کمال یہی ہے کہ جس چیز کی طرف نگاہ اٹھائے خدا ہی کو دیکھے۔

اور معرفت کا کمال یہی ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ یعنی جو شخص اپنی حقیقت (روح الٰہی) سے واقف ہو گیا اور اس پر اس کو دوام نصیب ہوا تو وہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا اور پہچاننے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسے حضوری و آگاہی حاصل ہو جائے۔

جب اسے خدا تعالیٰ کا یقین ہو جاتا ہے تو خدا سے واصل ہو جاتا ہے اور اس وقت عقل کے کمال کی انتہا ہو جاتی ہے اور یہی عقل کا مقام ہے۔

-1 استاد تو عشق است چوں آنجا برسی | او خود بزبان خود بگوید راز!

-2 عشق آں شعلہ ست کہ چوں بر فروخت | ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

-3 تیغ لا بر قتل غیر خود چوں راند | درنگر زاں پس کہ بعد از لا چہ ماند

-4 ماند الّا اللہ باقی جملہ رفت | شادباش اے عشق شرکت سوز و رخت

-1 تیرا استاد عشق ہے جب تو وہاں پہنچے گا تو وہ خود اپنی زبان سے بول کر اپنا راز کہے گا۔

-2 عشق ایک ایسا شعلہ ہے کہ جب یہ روشن ہو جائے تو معشوق کے سوا باقی تمام چیزوں کو جلا کر خاکستر بنا دیتا ہے۔

-3 وہ جب لا کی تلوار اپنے غیر کے قتل پر چلاتا ہے تو پھر غور کرو کہ لا کے بعد باقی کیا رہ جاتا ہے۔

-4 باقی صرف الا اللہ رہ گیا باقی سب کچھ چلا گیا۔ اے عشق خوش رہ کر شرک کا تمام سامان جل کر ختم ہو گیا۔

جب تک اللہ تعالیٰ بندے کو نہیں چاہتے تب تک بندہ میں طلب پیدا نہیں ہوتی۔ پہلے اللہ تعالیٰ پوشیدہ طور پر مومن کے دل میں مشاہدہ دکھاتے ہیں اس کے بعد بندۂ مومن اس کا طالب ہو جاتا ہے۔

اگر از جانب معشوق نباشد کششے | کوششِ عاشق بے چارہ بجائے نرسد

اگر معشوق کی طرف سے کشش نہ ہو تو بے چارے عاشق کی کوشش کہیں بھی نہیں پہنچ سکتی۔

اب یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ تیری طلب خدا تعالیٰ کی طلب ہے اور تیرا عشق مولیٰ کا عشق ہے۔

Marfat.com

1- آنکہ خود شاہد ست و خود مشہود

2 عاشق حسن خود است آں بے نظیر حسن خود را خود تماشا مے کند

3 من و تو درمیاں کارے نداریم بجز بیہودہ گفتارے نہ داریم

1- جو کہ خود ہی شاہد ہے اور خود ہی مشہود ہے۔

2- وہ بے نظیر اپنے ہی حسن کا عاشق ہے اور اپنے حسن کا خود تماشا کرتا ہے۔

3- میں اور تو درمیان میں کچھ کام نہیں رکھتے۔ سوائے بیہودہ گوئی کے ہم اور کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

تیرا اور میرا وجود وہم اور خیال سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ اصل میں وہ ایک ہی وجود ہے جو ہزار ہا رنگوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ عارفانِ حقیقت بین کی نگاہوں میں خداوند تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ نہ تو اپنے ہی وجود سے خبر رکھتے ہیں اور نہ کسی اور کے وجود سے۔ وہ جتنا بھی اپنے آپ کو تلاش کرتے ہیں انہیں اپنا سراغ نہیں ملتا۔

ہر کہ زد توحید برجانش رقم جملہ گم گردد ازو او نیز ہم

جس آدمی پر توحید اپنی مہر لگا دیتی ہے اس سے ہر چیز گم ہو جاتی ہے بلکہ وہ خود بھی اپنے آپ سے گم ہو جاتا ہے۔

اگر تو چاہے کہ تجھے یہ دولت عظمیٰ حاصل ہو جائے تو ایک سانس بھی خدا سے غافل نہ رہ۔ جب تو کچھ مدت تک اس پر مداومت کرے گا تو تجھ پر بے تکلف ایسی کیفیت طاری ہو جائے گی کہ اگر تو اس کو تکلف سے بھی بھلانا چاہے گا تو نہ بھلا سکے گا۔ جب ایسی کیفیت پیدا ہو جائے تو سلطانِ عشق غالب آ جاتا ہے اور پھر ''جدھر بھی تم دیکھو گے اسی طرف تمہیں خدا کی ذات دکھائی دے گی'' کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے۔ کبھی تو سکر کی حالت طاری ہو جاتی ہے اور عاشق توحید کے بحر ناپیدا کنار میں غوطہ لگانے لگتا ہے اور وحدت میں آ جاتا ہے یعنی کسی کے علم کا محتاج نہیں رہتا سوائے خداوند تعالیٰ کے علم کے، اور کبھی اس کی ہستی میں مستغرق اور کبھی واصل ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو فراموش کر بیٹھتا ہے۔ تب اس میں ہر وقت ایک نیا شوق اور نیا ولولہ پیدا ہوتا ہے اور جتنا شوق بڑھتا جاتا ہے اتنی ہی استعداد زیادہ ہوتی جاتی ہے اور جتنی استعداد بڑھتی جاتی ہے اتنا ہی محبت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

1- تعالیٰ اللہ زہے دریائے پر شور کہ از وے تشنہ آرد تشنگی زور

2- گر از وے تشنۂ صد جرعہ نوشد برائے جرعۂ دیگر خروشد

1- خدا بلند ہے یہ کیسا دریا ہے کہ اس سے تشنہ لب کی تشنگی اور زور پکڑ جاتی ہے۔

2- اگر کوئی پیاسا اس سے سینکڑوں گھونٹ بھی پی لے تو پھر بھی اور گھونٹ کے لیے بے قرار رہتا ہے۔

تمام کامل اسی زندگی کی طرف مائل ہیں اور تمام اہل اللہ اس بات کے قائل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

نے فرمایا ہے کہ "ایمان ذوق کا ایک پیالہ ہے۔" اصلی کام تو اللہ تعالیٰ کی محبت و ذوق ہے۔ جب تجھ میں محبت پیدا ہو جائے گی تو تو اپنے مقصود کو حاصل کرلے گا۔

اللہ تعالیٰ نے تجھے دو آنکھیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک آنکھ سے اپنے آپ کو نیست کر اور دوسری سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ اور کوئی لمحہ کوئی لحظہ تجھے اس کی یاد سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔ جب یہ صفت قوی ہو جائے گی تو حقیقت ایمان کہ جس کو احسان کی صورت میں بیان کیا گیا ہے بالکل عیاں ہو جائے گی اور احسان یہ ہے کہ "تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے جیسے کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے۔" یہ کیفیت ہر وقت دل کے ساتھ لازم ہو جائے گی اور جب یہ حالت غلبہ حاصل کرلے گی تو فہم، وہم، خیال وفکر اور اندیشہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہ جائے گی۔ آدمی میں جو کچھ بھی ہے یہی اندیشہ ہے۔ اگر اندیشہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے تو پھر آدمی اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل ہے۔

1- اے برادر! تو ہمان اندیشہ ای ما بقی تو استخوان و ریشہ ای
2- گر گلست اندیشۂ تو گلشنی ور بود خاری تو ہیمۂ گلخنی
3- اگر دردل خدا داری نگردی زوجدا ہرگز وگر در دل ہوا داری بدوری میروی حقا

1- اے بھائی تو صرف سوچ بچار ہے اور اس کے سوا باقی گوشت پوست اور ہڈیاں ہیں۔
2- اگر سوچ وفکر ایک خوشبودار پھول ہے تو تو ایک باغ ہے۔ اور اگر اندیشہ کانٹا ہے تو تو آگ کی بھٹی ہے۔
3- اگر دل میں تو خدا رکھتا ہے تو تو کبھی بھی اس سے جدا نہیں ہوگا اور اگر دل میں حرص و ہوا رکھتا ہے تو یقینی طور پر دوزخ میں جائے گا۔

اپنے آپ کو اچھی طرح ٹٹول اگر تیرا مقصود دنیا ہے تو تیرے سر پر خاک

چیست زرناب رنگیں گشتہ خاک از آفتاب ہر کہ گیرد افسر زرناب خاکش برسر است

یہ خالص سونا کیا ہے؟ خاک تھی جو آفتاب سے رنگین ہوگئی۔ جو خالص سونے کا تاج سر پر رکھے اس کے سر پر خاک پڑے

اور اگر تیرا مقصود اللہ تعالیٰ ہے تو تُو دونوں جہانوں کا بادشاہ ہے۔

شادی جاوید کن از دوست تُو تا نہ گنجی ہم چوں گل در پوست تو

تو دوست سے ہمیشہ خوشی حاصل کرتا کہ تو پھول کی طرح پوست میں نہ سما سکے۔

اگر تو اس سعادت سے محروم ہو جائے اور نفس شوم کا غلام بن جائے تو تجھ پر ہزار افسوس۔

1- اے ذریغا! روبھے شد شیر تو تشنہ مے میری و دریا زیر تو
2- تشنہ از دریا جدائی مے کنی بر سرِ گنجی گدائی مے کنی

Marfat.com

1- ہزار افسوس کہ تیرا شیر لومڑی بن گیا۔ تو پیاسا مر رہا ہے اور تیرے نیچے دریا بہ رہا ہے۔

2- کیا تو دریا سے پیاسا جا رہا ہے اور خزانے کے اوپر بیٹھ کر گدائی کرتا ہے؟

سوچنا چاہیئے اور صحیح سوچ، فہم، روش اور عقلِ دانا وہی ہے جو تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف لے جائے۔ اگر تو تمام جہان سے بڑھ کر دولت مند ہو اور تجھ میں حق کی طلب نہ ہو تو تو فقیر ہے اور کوئی عقل نہیں رکھتا۔ تو محض نادان ہے، نادان ہے، نادان ہے۔

1- با دوست کنج فقر بہشت ست و بوستاں   بے دوست خاک بر سر جاہ و تونگری

2- تا دوست در کنار نہ باشد بکام دل   از ہیچ نعمتے نتوانی کہ برخوری!

1- دوست کے ساتھ فقیری کا گوشہ بہشت اور باغ ہے اور دوست کے بغیر جاہ و تونگری کے سر پر خاک۔

2- جب تک دوست دل کے مقصود کے ساتھ تیرے پہلو میں نہ ہو تو کسی نعمت سے بھی لذت حاصل نہ کر سکے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر ایک طرح کا کھیل اور تماشا۔" مصرعہ

1- دریں بازیچہ دل بستن نہ کارے زیرکاں باشد

2- ز بندہ دل بدنیا ہر کہ مردست   کہ دنیا سر بسر اندوہ و دردست

1- اس کھیل میں اپنا دل لگانا عقل مندوں کا کام نہیں ہے۔

2- مرد تو دنیا میں اپنا دل نہیں لگاتا کیونکہ دنیا تمام کی تمام دکھ اور درد ہے۔

حق سبحانہ وتعالیٰ نے آدم کو اپنی شناخت کے لیے پیدا کیا ہے لیکن اس سے کیا فائدہ کہ تو اپنی قدر کو نہیں سوچتا کہ تو ہر لحہ میں اپنا کتنا نقصان کر رہا ہے۔ یہ کتنی بدبختی ہے۔ ہائے بدقسمتی! ہائے بدنصیبی! اے بوالہوس! تیری عقل اور ہوش کہاں گم ہوگئی کہ اس دنیا کی طرف توجہ کر رہا ہے۔ یہ کتنی خجالت اور شرمندگی کی بات ہے۔

اَلَا طَالَ شَوْقُ الْاَبْرَارِ اِلٰی لِقَائِیْ   وَاَنَا اَشَدُّ شَوْقًا لِقَا ھُمْ

نیکوکاروں کا شوق میری ملاقات کے لیے بہت بڑھ گیا۔ اور میں ان کی ملاقات کے لیے ان سے زیادہ شوق رکھتا ہوں۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں:

اے نفس تو اپنے اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ اس کی نافرمانی بھی کرتا رہتا ہے اس سے بڑھ کر بھی کوئی عجب بات ہو سکتی ہے!

ایک اور مقام پر آپ رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں۔

"میں تجھ سے محبت کرتی ہوں۔ دو طرح کی محبت...... ایک محبت ہے آرزو اور تمنا کی......

Marfat.com

اور دوسری محبت ہے صرف تیری ذات کی۔ میری وہ محبت جو آرزو اور تمنا سے لبریز ہے وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ مگر وہ محبت جو صرف تیری ذات سے ہے، اسی محبت کا واسطہ، حجاب کو دور کردے تاکہ آنکھیں تیرا جلوہ دیکھ سکیں۔

حضرت امام غزالی فرماتے ہیں۔ حضرت رابعہ بصری نے اپنے اشعار میں غرض اور آرزو کی جس محبت کا ذکر کیا ہے اس سے مراد اللہ کا احسان اور انعام ہے جو اپنے بندوں پر روا رکھتا ہے اور جس حُب ذات الٰہی کی بات کی ہے اس سے مراد دیدارِ الٰہی کی محبت ہے جس کا نظارہ ان کے دل کی آنکھوں نے کیا اور یہی محبت سب سے بہتر اور برتر ہے۔ جمالِ ربوبیت کی لذت بجائے خود سب سے بڑی چیز ہے۔

حضرت علی کہتے ہیں کہ میں نے بارہ (12) کلمات کو منتخب کیا اور روزانہ ان میں غور وفکر کرتا رہتا ہوں۔

1- (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) اے آدم کے بیٹے جب تک میری بادشاہی قائم ہے تجھے کسی بادشاہ سے نہیں ڈرنا چاہئے۔

2- جب تک میرا خزانہ کم نہیں ہوتا تو اپنی روزی کی فکر نہ کر۔

3- جب تو عاجز آجائے تو مجھ سے فریاد کر یقیناً میرا کام نیکوکاروں کی دعائیں قبول کرنا ہے۔

4- میں یقیناً تجھ کو دوست رکھتا ہوں تاکہ تو بھی مجھ کو اپنا دوست بنائے۔

5- روزی کی تلاش میں کبھی پریشان نہ ہو کہ جب میں نطفہ، علقہ، مضغہ کی ترتیب میں عاجز نہیں ہوا ہوں تو تجھے روٹی کا ٹکڑا پہنچانے میں عاجز نہیں ہو جاؤں گا۔ میں کمال حکمت سے تجھ کو عدم کی دنیا سے وجود میں لایا ہوں اور اس مرتبہ تک تجھ کو پہنچایا ہے اور ہر روز تجھ کو تازہ روٹی پہنچاتا ہوں تو تو میرے سوا اور کسی سے روزی کیوں طلب کرتا ہے اور کیوں بیہودگی کر کے غیروں کا محتاج ہوتا ہے اور کیوں اپنی عزت وآبرو کو برباد کرتا ہے اور کیوں اپنا وقت ضائع کرتا ہے۔

6- میری رحمت سے کبھی ناامید نہ ہو جانا کہ میں تمام گنہگاروں کو بخشنے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف کر دیتے ہیں۔''

7- میں نے تمام چیزوں کو تیرے لیے پیدا کیا ہے اور تجھ کو اپنے لیے اور تو اپنے آپ کو مجھ سے دور رکھتا ہے اور میرے غیر کے ساتھ میل جول رکھتا ہے۔

(حق کے سوا ہر ذرہ جو تیرا مقصود ہے۔ اس پر لا کی تلوار کھینچ لے کہ تیرا معبود وہ اللہ ہے)

8- دوسرے تجھ کو اپنے لیے چاہتے ہیں اور میں تجھ کو تیرے فائدہ کے لیے چاہتا ہوں۔

9- میرے کچھ فرائض تیرے ذمہ ہیں اور تیری روزی محض بر سبیل انعام وفضل میرے ذمہ ہے۔ اگر تو میرے فرائض میں کوتاہی کرے گا تو بھی میں تیری روزی میں کوتاہی نہیں کروں گا۔

Marfat.com

10- میں کبھی بھی تجھ سے آنے والے دن کی عبادت کا مطالبہ نہیں کرتا اور تو مجھ سے ہمیشہ آئندہ کے لیے روزی طلب کرتا ہے۔

11- اگر تو اپنی قسمت پر راضی ہو جائے تو آرام میں رہے گا کہ جو کچھ مقدر میں ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔

12- تو اپنے نفس کے لیے مجھ پر ناراض رہتا ہے اور میرے لیے اپنے نفس پر ناراض نہیں ہوتا۔

(حافظ! اگر تو حضوری چاہتا ہے تو کسی وقت بھی اس سے غائب نہ ہو۔ کب تک تو اپنی خواہش کی ملاقات کرتا رہے گا اس دنیا کو چھوڑ دے، چھوڑ دے۔)

معلوم ہے کہ اہل حضور کون لوگ ہیں اور ان کا نشان کیا ہے؟ ان کے افعال کیسے ہوتے ہیں؟ باتیں کیسی کرتے ہیں اور حقیقت کیا ہے؟ ان کا نشان بے نشانی ہے۔ اگرچہ بظاہر بلبلہ نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہی پانی ہے۔ دریا سے ہر وقت موجیں اٹھتی رہتی ہیں اور پھر اسی میں گم ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس جہان کو اپنی حقیقت کے دریا کی موج بنایا ہے۔

1- دریا سے رنگ رنگ کی موجیں اٹھتی ہیں اور بے چونی سے چوں کے رنگ میں آتی ہیں۔

2- جب وہ اپنے خلوت خانہ سے واپس آتی ہیں تو ہر طرح کے نفس اور رنگ سے آزاد ہو جاتی ہیں۔

ایک بار حضرت امام سفیان ثوری ؒ نے حضرت رابعہ بصری ؒ سے پوچھا......

رابعہ! آج تم مجھے وہ باتیں بتاؤ جو تم نے کسی کتاب یا عالم کے ذریعے حاصل نہ کی ہوں بلکہ وہ براہِ راست تم تک پہنچی ہوں۔

حضرت رابعہ بصری ؒ کچھ دیر غور کرتی رہیں۔ پھر آپ نے حضرت سفیان ثوری ؒ سے کہا۔

ایک بار میں نے اپنی ضرورت کی چیزیں خریدنے کے لیے ہاتھ سے بٹی ہوئی چند رسیاں فروخت کیں۔ خریدار نے دو درہم دیئے تو میں نے ایک درہم ایک ہاتھ میں لیا اور دوسرا درہم دوسرے ہاتھ میں......

مجھے ڈر تھا کہ ایک ہی ہاتھ میں دونوں درہم لینے سے میں کہیں گمراہ نہ ہو جاؤں......

ایک بار حضرت رابعہ بصری ؒ نے کسی شخص کو چند سکے دے کر فرمایا۔

میرے لیے بازار سے جا کر کمبل خرید لاؤ۔

اس شخص نے عرض کیا...... آپ کو سفید کمبل چاہیے کہ کالا......

حضرت رابعہ بصری ؒ نے ناخوشگوار لہجے میں فرمایا۔ رقم واپس کرو۔ ابھی کمبل خریدا نہیں اور سیاہ و سفید کا جھگڑا شروع ہو گیا۔ اور یہ رقم غریبوں میں بانٹ دی۔

رابعہ بصری ؒ جیسے لوگ جانتے ہیں کہ ظاہر و باطن میں صرف خدا ہی ہے جس نے خود بخود ظہور کیا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ سے فانی اور دوست کے ساتھ باقی ہیں۔ جو کچھ بھی ظاہر و باطن میں ہے اسی کے نور

Marfat.com

نے ظہور کیا ہے۔ جو کچھ عالم صورت میں نظر آتا ہے اسی کی صفات کی تجلی ہے۔ وہی سب سے پہلے ہے وہی سب سے پیچھے ہے وہی سب سے زیادہ ظاہر ہے اور وہی سب سے زیادہ پوشیدہ ہے۔ جو کچھ عالم نور میں ظاہر ہوتا ہے اس کو تجلی افعال جانتے ہیں اور حق کی تجلی صورت سے ہوتی ہے اور حضور کی حقیقت اس سے منزہ ہے لیکن ان کی نظر ہمیشہ حقیقت پر رہتی ہے۔

حضرت رابعہ بصری ؒ نے یہ بات سمجھ لی ان کا فعل خدا کا فعل ہے اور ان کی گفتار خدا کی گفتار ہے اور ان کی حقیقت عین توحید ہے۔ جس آدمی پر اس حقیقت کا اثر ہے وہ باخبر ہے اور جو بے خبر ہیں ''وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ تر۔''

تمام آدمیوں کو آدمی نہیں سمجھ لینا چاہئے آدمی صرف وہی ہے جو اپنی حقیقت کو جانتا ہو اور جو اپنی حقیقت کو نہیں جانتا وہ نادان ہے اور نادان حیوان ہے۔

اربابِ حضور میں نہ تو خواہشات ہوتی ہیں اور نہ لذاتِ فانی نفسانی۔ ان کے دلوں میں کوئی آرزو نہیں ہوتی۔ وہ تکلیفوں سے دکھ نہیں پاتے اور خوشی سے خوشحال نہیں ہوتے۔ نفع ونقصان ان کی نگاہ میں برابر ہوتا ہے۔ یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ اگر ان کے سر پر آرہ بھی رکھ دیا جائے تو وہ اس سے بھی لذت حاصل کرتے ہیں اور دونوں جہان کو گوشۂ چشم سے بھی نہیں دیکھتے۔

اربابِ شہود کا نشان یہ ہے کہ اپنی خواہشات سے کلی طور پر الگ ہوجاتے ہیں اور خدا کے ارادہ کے ساتھ آرام پاتے ہیں۔ خلقت کی عیب جوئی سے زبان بند کرلیتے ہیں اور خدا کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ یہ کتنی اچھی زندگی ہے کہ اپنے آپ سے آزاد اور فانی ہوکر دوست کی بقا کے ساتھ زندہ ہوجاتے ہیں۔

ایک بار کسی شخص نے برسرِ مجلس حضرت رابعہ بصری ؒ سے سوال کیا۔ آپ ؒ کہاں سے آئی ہیں؟

حضرت رابعہ بصری ؒ نے فرمایا۔ اُس جہان سے......

اور کہاں جائیں گی؟ اسی شخص نے دوسرا سوال کیا۔

آپ ؒ نے فرمایا۔ اُسی جہاں میں......

پھر جب آپ ؒ سے پوچھا گیا کہ اس جہاں میں کیا کرتی ہیں تو فرمانے لگیں۔ ''میں افسوس کے سوا کچھ نہیں کرتی۔''

پوچھنے والے نے پوچھا۔ ''آپ کس بات پر افسوس کرتی ہیں؟''

حضرت رابعہ بصری ؒ نے فرمایا۔ ''اِس جہاں کی روٹی کھا کر اُس جہان کا کام کرتی ہوں۔''

پھر حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے کہا......

''آپ کی زبان میں عجب مٹھاس ہے، اس لیے آپ مسافر خانے کی محافظت کے لائق ہیں۔''

اس شخص کی بات سن کر حضرت رابعہ بصری ؒ نے فرمایا میں یہی کام تو کررہی ہوں جو کچھ میرے

Marfat.com

اندر ہے اسے باہر کرتی ہوں اور جو باہر ہے اسے اندر آنے نہیں دیتی۔ کون آتا ہے کون جاتا ہے مجھے اس سے کوئی غرض نہیں...... میں دل کو محفوظ رکھتی ہوں نہ کہ مٹی (جسم) کو............

اس غم سے بے غم نہیں رہنا چاہئے۔ جو بے غم ہے وہ دوسرے غموں کی آماجگاہ ہے اور جو اس غم میں غمگین ہے وہ دوسرے غموں سے آزاد ہے۔

1- پروانے کی صحبت اختیار کرتا کہ تو جلنا سیکھ لے۔ جلے ہوؤں کے ساتھ بیٹھ شائد کہ تو بھی جلنے لگے۔

2- عاشقی کا کمال پروانہ رکھتا ہے جو جلنے کے سوا کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا۔

3- عشق بوالہوس کا کام نہیں ہے۔ اس میں اپنی جان اور دنیا جہاں پہلے ہی قدم پر ہار دینا پڑتا ہے۔

4- مکھی نے کھانڈ اور پروانہ نے آگ انتخاب کرلی۔ ہوس اور چیز ہے اور عاشقی اور چیز۔

اس جگہ ہوس ناک سب خاک ہیں اور ہوس ناکی سے غمناک۔ جب تک تجھے اس حقیقت کا علم نہ ہو حقیقت میں تو مردہ ہے اور پھر بھی اپنے آپ کو زندہ سمجھ رہا ہے۔ تو کس وہم میں مبتلا ہے! افسوس کہ تو سمجھتا نہیں ہے۔

اہل حضور صاحب سرور ہیں۔ اگر جو چاہے کہ وہ بھی ان لوگوں میں سے ہو جائے تو چاہئے کہ خلوت وجلوت میں، روز وشب میں ہر لحظہ اور ہر لمحہ خدا کی یاد میں مشغول رہے اور جب وہ اس پر ہمیشگی کرے گا تو دل ذاکر ہو جائے گا۔ جب دل ذاکر ہو جائے گا تو دل کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔ دل کی حقیقت یہ ہے کہ ظاہر میں اللہ کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہ جائے۔ دل اور آنکھ کی بینائی ایک ہو جائے اور دوئی اٹھ جائے اپنے آپ سے بے خبر ہو جائے۔ وہ جتنا بھی اپنے آپ کو دیکھے اپنا نام ونشان نہ پائے۔ بے خودی اور بے رنگی میں غوطہ لگائے اور اگر چاہے کہ اس بھنور سے اپنے آپ کو آزاد کرالے اور اپنے آپ میں آجائے تو عشق کا نہنگ منہ کھول لے اور اس کو اس طرح نیچے لے جائے کہ اس کا کوئی نام ونشان باقی نہ رہ جائے۔ تمام کا تمام عشق بن جائے اور محبوب کے جمال کا عشق تقاضا کرے۔ جوش میں آئے تو خالص آگ بن جائے اور غرور ونخوت کے پردہ کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالے۔

ہر چہ زد توحید بر جانش رقم   جملہ گم گردد ازد او نیز ہم

جس کی جان پر توحید اپنی مہر لگا دیتی ہے پھر اس کے لیے باقی سب کچھ ختم ہو جاتا ہے بلکہ وہ خود بھی اپنے آپ سے گم ہو جاتا ہے۔

ہر آدمی کی عقل اس بات کو نہیں سمجھ سکتی۔

1- ایں مدعیاں در طلبش بے خبر اند   کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد
2- اے در عیاں نہاں و نہاں در عیاں توئی   بے مثل و لا مثال نشاں بے نشاں توئی
3- تو آں نہ کہ کس ز تو یابد یکے نشاں!   اے برتر از بلند و بلند از گماں توئی

Marfat.com

-4 در ظاہرا ترا طلسم انگہی نہاں — ورچوں نہاں بجومت انگہ عیاں توئی
-5 در دہر و دورِ گردش عالم جہان توئی — غائب میان برہمہ و باہمہ توئی
-6 بر روبروئے ظاہر و ہر سو بسو نہاں — معلوم شد چناں کہ ہمیں دہماں توئی
-7 بودیم درپے تو بہر سو بہ جست و جو — عثمان طلسم بود جمال جہاں توئی

-1 یہ مدعی، اس کی طلب کا دعویٰ کرنے والے بالکل بے خبر ہیں اور جس کو خبر ہوگئی پھر اس کی خبر واپس نہ آئی۔

-2 اے وہ کہ تو ظاہر میں پوشیدہ اور پوشیدہ میں ظاہر ہے۔ بے مثل، بے مثال، نشان دار اور بے نشان تو ہی ہے۔

-3 تو وہ نہیں کہ کوئی تیرا نشان پا سکے۔ تو تمام بلندیوں سے برتر اور تمام گمانوں سے بلند ہے۔

-4 اگر میں تجھ کو ظاہر میں طلب کرتا ہوں تو تو پوشیدہ ہے اور اگر میں تجھے پوشیدگی میں تلاش کروں تو تُو ظاہر ہے۔

-5 زمانے کی گردش اور مخلوق کے جہاں کی گردش میں تو ہی ہے۔ سب سے غائب بھی ہے اور سب کے ساتھ بھی ہے۔

-6 تو ہر ایک پر ظاہر بھی ہے اور ہر ایک سے پوشیدہ بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہاں بھی تو ہے اور وہاں بھی تو ہے۔

-7 ہم ہر طرف تیری تلاش میں مصروف تھے۔ عثمان تو ایک طلسم تھا جہاں کا جمال تو تو ہی ہے۔

حق کے طالب کو استقامت چاہیئے اور جو شخص ذات الٰہی کی حقیقت کا مشتاق ہے اس کے لیے وصال ہی فراق ہے۔

(اس میں تعجب کی بات کوئی نہیں کہ دوست کا طالب سرگشتہ اور پریشان ہو۔ تعجب تو یہ ہے کہ میں واصل بھی ہوں اور پریشان بھی۔)

اگر کوئی معلوم کرنا چاہے کہ بارگاہِ کبریا میں کون آدمی قرب رکھتا ہے تاکہ وہ اس کو پہچان لے اور دور کون ہے تاکہ اس کو سمجھ لے تو حقیقت میں مقربانِ حضورِ آگاہ کا ایک نشان ہے اور وہ ہے درد و سوز۔

ہر کہ او آگاہ تر پُر درد تر

(جتنا کوئی شخص آگاہ ہے اتنا ہی پُر درد ہے)

اور دور وہ شخص ہے جس میں درد و سوز نہ ہو اور خدا سے غافل رہے۔ اس کی مثال چوپائے کی سی ہے بلکہ اس سے بھی بدتر۔

حق سبحانہ وتعالیٰ ہمیشہ اپنے عاشقوں کو اپنے ذوق اور خوشی کی تجلی سے سرفراز فرماتے ہیں اور کبھی

Marfat.com

اندوہ اور شوق کی دوسری تجلی ان پر ڈالتے ہیں۔ تجلی جمال کا خالص مشروب بزمِ وصال میں جتنا زیادہ پیتے جاتے ہیں اتنا ہی تشنہ تر ہوتے جاتے ہیں اور محبوب کے جتنے زیادہ پیاسے ہوتے ہیں اتنے ہی حیران و پریشان ہوتے جاتے ہیں اور جتنے حیران و پریشان ہوتے ہیں اتنے ہی زیادہ محبوب ہوتے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توجہ اتنی ہی ان پر زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ عاشق کے لیے کسی طرح بھی قرار نہیں ہے۔

1- تاتوانی تاتوانی تاتواں جانفشانی جانفشانی جانفشاں
2- ذرہ دردِ خدا یابی اگر کامرانی کامرانی کامراں
3- گر بروں آئی زغمہائے جہاں شادمانی شادمانی شادماں
4- چوں فنا گردی بقایابی بہ حق جاودانی جاودانی جاوداں
5- در فنایابی و تو با شوق ہو پہلوانی پہلوانی پہلواں
6- گرنہ داری زندگی از شوق یار مُردگانی مُردگانی مردگاں
7- دمبدم عثمان ز چشم از سوزِ دل خونفشانی خونفشانی خونفشاں

1- جب تک تجھ سے ہو سکے اپنی جان قربان کرتا جا۔
2- اگر تو خدا تعالیٰ کے درد کا ایک ذرہ بھی پالے تو تُو کامیاب ہی کامیاب ہے۔
3- اگر تو دنیا جہان کے غم سے آزاد ہو جا تو تُو بڑا خوش قسمت ہے۔
4- جب تو خود فنا ہو جائے گا تو حق کے ساتھ زندہ ہو جائے گا اور یہ تیری زندگی ہمیشہ کی زندگی ہوگی جس کے بعد فنا نہیں۔
5- اگر تو اس کے شوق میں فنا حاصل کر لے تو تو بہت بڑا پہلوان ہے۔
6- اگر تو دوست کے شوق سے زندگی نہیں رکھتا تو تیرا نام مردوں کی فہرست میں ہے۔
7- عثمان کی آنکھیں دوست کے شوق سے ہر دم خون برساتی رہتی ہیں۔

اہل جہان اور اہل زمان کے کان حق کی بات سننے سے بہرے ہیں اور جہان والوں کی بصیرت کی آنکھیں لایزال کے جمال سے اندھی ہیں۔ دین کو دنیا کے عوض بیچ ڈالنا کہاں کی ہوش اور بصیرت ہے۔ ہیروں کی بجائے کوڑیاں جمع کرنا بیکار لوگوں کا کام ہے۔ یقینی بات ہے کہ ان کی ظاہر بین نظریں غفلت کے پردے سے تاریک ہو چکی ہیں اور ظاہری سننے والے کان گمراہی کے پارہ سے بھرے جا چکے ہیں۔ ان کے لیے انتہائی خوشی کا مقام ہے کہ اگر اعمال کی باز پرس کے میدان میں اور عذر کے مقام میں ان کے بہرہ اور اندھا پن کو قبولیت کے صفحہ پر لکھ لیں۔ افسوس ہزار افسوس کہ جہاں مقربانِ بارگاہ ہائے میری جان اور ہائے مصیبت کی فریاد کی آواز بلند کریں گے ہم کمینہ لوگوں کے لیے دم مارنے کی کون سی جگہ ہوگی۔ شاید ندائے

Marfat.com

غفلت پاش حقیقی کہ "آج کے دن ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ہم سے ان کے ہاتھ باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے" ہمارے ہوش کے کانوں میں نہیں پہنچی ہے۔ تُو ایک لحظہ بھی جلوت سے باز نہیں آتا اور ایک دم بھر بھی نیند سے بیدار نہیں ہوتا۔ نیند سے بیدار ہو اور بیداری میں آگاہ ہو۔ طریقت کے راستہ پر حقیقت کے قافلہ سالار کو ہاتھ میں لا اور پامردی کے ساتھ توفیق کا محافظ قابو کر جو کہ تیرے دل کے کانوں میں معنی کی گھنٹی کا نغمہ بجائے اور درد کا سماع تیرے دل میں اور تیری یاد میں مستانہ فنوں پیدا کرے تو تو دیکھے گا کہ زمان اور مکان کی فضا میں بہت سے قافلے ایک دوسرے کے پیچھے جا رہے ہیں۔

1- جائے برسی کہ جائے جاں آنجا نیست نقش قدم و نشان پا آنجا نیست
2- کوتاہ کنم سخن بہ نزد منی کمال جائے برسی کہ جز خدائے آنجا نیست

1- تو ایک ایسی دنیا میں پہنچ جائے گا کہ جہاں جان کی کوئی جگہ نہیں ہے اور قدموں اور پاؤں کے نشان وہاں بالکل نہیں ہیں۔
2- میں مختصر بات کرتا ہوں کہ میرے نزدیک کمال یہ ہے کہ تو ایسی جگہ پر پہنچ جائے جہاں خدا کے سوا کچھ بھی نہ ہو۔

اگر دردِ محبت تیرا دامن گیر ہے تو بہتر ورنہ اے خستہ جان عاشق اگر تو محبت کا درد نہیں رکھتا تو چاہیے کہ ماتم زدہ لوگوں کی طرح اپنا سر اوپر نہ اٹھائے اور یہ ابیات پڑھے اور گریہ وزاری کرے۔

1- دلبر نہ کردیادم ہیہات ہائے ہاہم چہ کنم چہ چارہ سازم ہیہات ہائے ہاہم
2- با درد غم نہ خیزم اے دوست دستگیرم فریاد رس اسیرم ہیہات ہائے ہاہم
3- ہا ہا برفت یارم ہے ہے نہ کرد یادم فریاد صد فریادم ہیہات ہائے ہاہم
4- تردیدہ و رخ زردم دل چاک آہ سردم ہے درد آہ دردم ہیہات ہائے ہاہم
5- ہر دم نعم بنالم جانم بہ مم سپارم ماتم زغم بدارم ہیہات ہائے ہاہم
6- درتاب و تب بنالم خوں دل زدیدہ بارم دل رفت و جاں بدارم ہیہات ہائے ہاہم

1- مجھ کو دلبر نے یاد نہ کیا مجھ پر افسوس افسوس، میں کیا کروں اور کون سا چارہ تلاش کروں مجھ پر افسوس افسوس۔
2- میں غم کے درد کے ساتھ اٹھ نہیں سکتا اے دوست میرا ہاتھ پکڑ میں قیدی ہوں میری دستگیری کر افسوس افسوس۔
3- ہائے ہائے میرا دوست چلا گیا اور اس نے مجھ کو یاد تک نہ کیا۔ میری فریاد سو فریاد افسوس صد افسوس۔

Marfat.com

4- میری آنکھیں تر ہیں میرا چہرہ زرد ہے دل چاک ہے اور آہیں سرد ہیں، ہائے میرا درد آہ میرا درد افسوس افسوس۔

5- میں ہر وقت غم میں روتا ہوں میں اپنی جان غم کے سپرد کرتا ہوں۔ میں غم کا ماتم کرتا ہوں مجھ پر افسوس افسوس۔

6- میں تب و تاب میں روتا ہوں اور آنکھوں سے دل کا خون برساتا ہوں۔ میرا دل چلا گیا اور جان ابھی تک باقی ہے افسوس افسوس۔

حضرت شیخ یحییٰ منیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقہاء کے نزدیک نفی اثبات کے بعد آتی ہے اور متکلمین کے نزدیک اثبات نفی کے بعد آتا ہے اور عارفوں کے نزدیک نفی اور اثبات دونوں شریک ہیں۔ اس لیے کہ اثبات میں تین چیزوں سے چارہ نہیں ہے تاکہ اثبات ثابت ہو سکے۔ (1) مُثبت، (2) اثبات و (3) ثابت اور اسی طرح نفی میں بھی تین ہی چیزیں ضروری ہیں تاکہ نفی ثابت ہو سکے۔ (1) نفی، (2) نافی و (3) منفی اور جو دو کہے وہ مشرک وملحد ہے تو جو شخص چھ کا اثبات کردے وہ کیسے مومن و موحد رہ سکتا ہے؟ اور پھر تعجب کی بات تو یہ ہے کہ جب غیر کا وجود ہی نہیں تو نفی کس کی کرتے ہیں اور جب تو خود بھی نہیں ہے تو اثبات کرنے والا تو کون ہے۔ شیخ ہردوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

1- از نفی و ز ثابت برون صحرائے ست کیں طائفہ را دراں میاں سودائے ست
2- عاشق چوں بدانجا برسد نیست شود نے نفی نہ اثبات نہ او را جائے ست

1- نفی اور اثبات تو اس احاطہ سے باہر ہیں۔ اس جماعت کو نفی و اثبات میں ایک سودا ہے۔
2- عاشق جب وہاں تک پہنچتا ہے تو نیست ہو جاتا ہے۔ پھر نہ نفی رہتی ہے نہ اثبات نہ ان کے لیے کوئی جگہ ہے۔

دولت مرشد کامل کے بغیر میسر نہیں آسکتی اور مرشد کامل نہایت ہی کمیاب ہے۔

1- در ضمیرم جز حضوری یار نیست چوں بسودائے جہانم کار نیست
2- ہر نفس نقش جمالش ظاہر ست ہیچ جائے نیست کاں دلدار نیست

1- میرے دل میں سوائے حضوری کے کوئی دوست نہیں ہے کیونکہ مجھ کو جہان کے سودا سے کوئی کام نہیں ہے۔
2- ہردم اس کے جمال کا نقش ظاہر ہے کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں وہ دوست نہیں ہے۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کہتی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو توفیق بخشیں تو اپنی ہستی کو نیست شمار کر۔ اور اپنی ہستی کی بجائے حق سبحانہ وتعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھ۔ اپنے آپ کو کبھی بھی درمیان میں نہ لا۔ جب چند روز اس طرح گزر جائیں گے تو تیرا وجود بالکل ختم ہو جائے گا اور تو حیرت میں چلا جائے گا اور پھر حیرت پر حیرت

Marfat.com

بڑھتی چلی جائے گی یہاں تک کہ تو اپنے آپ کو اور تمام دنیا کو فراموش کر دے گا۔ اختیار کی لگام تیرے ہاتھ میں نہ رہ جائے گی اور سکر و بے خودی میں تو بے خود ہو جائے گا۔

1- گم گشت در تو ہر دو جہاں از کہ جوئمت — اے بے نشان محض نشاں از کہ جوئمت
2- دل در فنائے وحدت جمال در بقائے صرف — من گم شدم دریں دومیاں از کہ جوئمت
3- در بحرِ بے کرانۂ عشقت چوں قطرۂ — گم شد نشان ما و نشاں از کہ جوئمت

1- دونوں جہان تجھ میں گم ہو گئے ہیں میں کس سے تیرا نشان طلب کروں؟ اے محض بے نشان میں تیرا نشان کس سے پوچھوں؟
2- دل وحدت میں فنا ہے اور جان بقائے خالص میں۔ میں ان دونوں کے درمیان گم ہو گیا ہوں میں کس سے تیرا پتہ پوچھوں؟
3- تیری تلاش میں میرا دل پردہ سے باہر جا پڑا۔ اے وہ کہ تو جان کے پردہ کے اندر ہے میں کس سے تیرا پتہ پوچھوں؟
4- تیرے عشق کے بحر ناپیدا کنار میں ایک قطرہ کی طرح ہمارا نشان گم ہو گیا ہے، اب نشان کس سے پوچھوں؟

انسان کا وجود اس کا عین احساس و کشف ہے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مظہر ہے اور مشاہدہ کرنے والا خود وہ آپ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں۔ ''اللہ شہادت دیتا ہے کہ اس کے بغیر کوئی معبود برحق نہیں ہے اور فرشتے اور منصف اہل علم بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''تم زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو۔'' اور شاہد وہی ہو سکتا ہے جو اس سے باخبر ہو اور اسی کی شہادت معتبر ہوتی ہے۔

جب تک انسان دریائے وحدت میں غوطہ نہ لگائے اس کو معلوم نہ ہو سکے گا اور جب وہ اس میں غرق ہو جائے گا تو تو تو نہ رہے گا۔

اگر گردی غریق بحر ذخار — کند دریا نثارت در اسرار

اگر تو بحر ذخار میں غرق ہو جائے گا تو دریا تجھ پر اسرار کے موتی نثار کر دے گا۔

اس وقت تیرا وجود عین کشف ہوگا اور تیری زبان حق کے ساتھ بولے گی۔ عارف لوگوں کو اپنی خبر نہیں رہتی۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

1- تا عشق تو آمد اندروں رگ و پوست — کردست تہی مراد پر کردہ زدوست
2- اجزائے وجودم ہمگی دوست گرفت — نامے ست زمن باقی جملہ ہمہ اوست

1- جب سے تیرا عشق رگ و پوست کے اندر آیا ہے اس نے مجھ کو مجھ سے خالی کر دیا ہے اور دوست

Marfat.com

سے بھر دیا ہے۔

2- میرے وجود کے تمام اجزا دوست نے اپنے قبضہ میں کر لیے۔ اب نام تو میرا ہے باقی سب کچھ اس کا ہے۔

جب تک اس دریا میں غوطہ نہ لگا لیا جائے حال کی باتوں کو قال میں نہ لایا جا سکتا ہے۔ دیوانے لوگوں کی لغت عقل مند لوگ کہاں سمجھ سکتے ہیں۔ یہ کلام دیوانے لوگوں کے اسرار سے تعلق رکھتا ہے اور دیوانہ اسی کو کہتے ہیں جو دنیا کے کاموں میں نادان ہو اور حق کے اسرار کا واقف ہو اور حق کو جاننے والے میں بشریت و نفسانیت نہیں ہوتی۔

ہر چہ از دیوانہ آید در وجود عفو فرمائند از دیوانہ زود

دیوانہ سے جو کچھ بھی سرزد ہو جائے اس کی دیوانگی کے سبب سے اس کو جلد ہی معاف کر دیا جاتا ہے۔

سلوک کی انتہا کے دو مطلب نکل سکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ بندہ کے سیر کی انتہا ہو جائے دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ''معرفت'' کما حقہ حاصل ہو جائے۔ پہلے معنی کے لحاظ سے سلوک کی انتہا یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو پوری طرح خدا تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ اس کی رضا پر راضی رہے اس کی تقدیر پر اپنی گردن جھکا دے۔ ہر حال میں صابر و شاکر رہے۔ اپنی جان اور مال کو اس کی امانت سمجھے اور ہر وقت ان کو خدا تعالیٰ پر نثار کرنے کے لیے تیار رہے۔

ایں جانِ عاریت کہ بحافظ سپردہ دوست روزے رخش بہ بینم و تسلیم وے کنم

اور دوسرے معنی کے لحاظ سے سلوک کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

بخاری شریف میں جہاں موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے وہاں یہ مذکور ہے کہ جب خضر اور موسیٰ علیہما السلام دریا کے کنارہ پر کھڑے تھے تو ایک چڑیا نے آ کر دریا میں سے پانی کی چونچ بھر لی اور اڑ گئی۔ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ''اے موسیٰ تیرا اور میرا علم اگر دونوں اکٹھے ہو جائیں تو خدا تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں ان کی اتنی حیثیت بھی نہیں جتنی کہ اس چڑیا کے پانی کی نسبت اس دریا سے ہے۔''

اگر انبیاء علیہم السلام کی یہ کیفیت ہو تو دوسرے لوگوں کی حیثیت کیا ہے۔ اگر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ نکلنے لگے تو اور کون ہے جو معرفت الٰہی کا دعویٰ کر سکے۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

لفظ مبارک ''اللہ'' کو بعض علمائے لغت نے مصدر وَلَہ سے مشتق سمجھا ہے جس کے معنی ہیں

Marfat.com

''حیرانی''، ''سراسیمگی''، ''پریشانی''۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اقدس وہ ذات ہے جس کی معرفت میں تمام دنیا پریشان ہے کیا انبیاء واولیا اور کیا علماء وحکماء حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن که جاہا سپر باید انداختن

☆ ☆ ☆

محبوب سے جو کچھ بھی پہنچے وہ خوب ہے۔ عاشق صادق کو پسند ہے۔

تفاوتے نہ کنم گر ترش کنی ابرو ہزار تلخ بگوئی ہنوز شیرینی

میں کوئی فرق نہیں سمجھوں گا اگرچہ تو اپنے ابرو ترش کرے۔ تو ہزار دفعہ تلخ باتیں کرے پھر بھی تو شیریں ہی ہے۔

جس آدمی کی آنکھوں میں بینائی کا سرمہ ڈال دیا جاتا ہے وہ تمام جہان میں کسی کو غیر نہیں دیکھتا کہ وہ کس سے ناراض ہو اور کس کو ناراض کرے۔

از کس تو مرنج و کس مرنجاں بشنو سخن زشاہِ سخناں

تو خود بھی کسی سے ناراض نہ ہو اور کسی کو بھی ناراض نہ کر۔ شاہِ سخن کی بات غور سے سن۔

خود ناراض ہو جانا یا کسی کو ناراض کرنا یہ دونوں چیزیں خامی کی دلیل ہیں اور اس مقام سے گزر جانا پورا ہو جانے کی دلیل ہے۔ شاہ قاسم انوار صاحب حال اسی مضمون کے مطابق فرماتے ہیں۔

1- ہست امید کہ ناگاہ بہ مقصود رسیم کہ دریں راہ نہ رنجیم نہ مے رنجائیم

2- گفت دلدار کہ قاسم منگر جائے دگر ہمہ مائیم اگر درد دگر درمانیم

1- یہ امید ہے کہ ہم ناگہاں اپنے مقصود کو پہنچ جائیں کہ اس راہ میں نہ ہم خود ناراض ہوتے ہیں نہ کسی اور کو ناراض کرتے ہیں۔

2- دوست نے کہا اے قاسم کوئی دوسری جگہ نہ دیکھ۔ سب کچھ ہم ہی ہیں اگر درد ہیں تو بھی اور اگر دوا ہیں تو بھی..........

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے ایک بار سات دن تک صرف پانی سے روزہ کھولا۔ گھر میں کھانے کے لیے روٹی کا ایک لقمہ بھی نہیں تھا۔ افطار کا وقت بہت قریب تھا کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا پر بھوک کا غلبہ ہوا۔ نفس نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے فریاد کی..........

''رابعہ! آخر تو کب تک مجھے بھوکا رکھے گی؟''

ابھی آپ رحمۃ اللہ علیہا کے دل میں یہ خیال گزرا ہی تھا کہ کسی شخص نے دروازے پر دستک دی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہا باہر تشریف لائیں تو ایک نیازمند کھانا لئے کھڑا تھا۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے کھانا قبول کر لیا اور نفس سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔ ''میں نے تیری فریاد سن لی ہے۔ کوشش کروں گی کہ تجھے مزید اذیت نہ پہنچے۔''

Marfat.com

یہ کہہ کر آپؒ نے کھانا فرش پر رکھ دیا اور خود چراغ جلانے اندر چلی گئیں۔ واپس آئیں تو دیکھا کہ ایک بلی نے کھانے کے برتن الٹ دیے تھے اور زمین پر گرا ہوا کھانا کھا رہی تھی۔ حضرت رابعہ بصریؒ بلی کو دیکھ کر مسکرائیں۔ ”شاید یہ تیرے ہی لیے بھیجا گیا تھا۔ اطمینان سے کھا لے۔“

افطار کا وقت قریب ہو چکا تھا۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے چاہا کہ پانی ہی سے افطار کر لیں۔ اتنے میں تیز ہوا کا جھونکا آیا اور چراغ بجھ گیا۔

حضرت رابعہ بصریؒ اندھیرے میں آگے بڑھیں۔ اتفاق سے پانی کا برتن بھی ٹوٹ گیا اور سارا پانی زمین پر بہہ گیا۔ عجیب صورت حال تھی! بے اختیار آپ کے منہ سے نکلا۔

”الٰہی! یہ کیا راز ہے؟ میں گناہ گار نہیں جانتی کہ تیری رضا کیا ہے؟“

جواب میں ایک صدائے غیب سنائی دی۔ ”اے میری محبت کا دم بھرنے والی! اگر تو چاہتی ہے کہ تیرے لئے دنیا کی نعمتیں وقف کر دوں تو پھر میں تیرے دل سے اپنا غم واپس لے لوں گا...... کیونکہ میرا غم اور دنیا کی نعمتیں ایک ہی دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

”اے رابعہ! تیری بھی ایک مراد ہے اور میری بھی ایک مراد ہے۔ تو ہی بتا کہ دونوں مرادیں ایک جگہ کیسے رہ سکتی ہیں؟“

حضرت رابعہ بصریؒ فرماتی ہیں کہ جب میں نے یہ آواز سنی تو دنیا سے ہمیشہ کے لیے منہ موڑ لیا اور ساری امیدیں ترک کر دیں۔ اس کے بعد میں نے ہر نماز کو آخری نماز سمجھا......

حضرت رابعہ بصریؒ کا یہ واقعہ ہمیں درس دیتا ہے کہ ہم حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو جائیں تا کہ حق تعالیٰ بھی ہم سے راضی ہو جائیں اور اس وسیلہ سے ہم عاشقوں کی جماعت میں شامل ہو جائیں اور ”میرے بندوں میں شامل ہو اور میری جنت میں داخل ہو“ کی سعادت سے مقعد صدق میں پہنچ جائیں۔ ”وعند ملیك مقتدر“ کے قرب سے عزت حاصل کریں اور ”بیشک اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی“ کی تعظیم سے معزز ہو جائیں۔

اس دولت سے بہتر اور کون سی دولت ہو گی! اس کو دل سے پسند کر اور زبان سے کچھ نہ بول! تو دوست کی ملکیت کیوں نہیں ہو جاتا کہ تمام جہان تیری ملکیت ہو جائے۔ آنحضور ﷺ کی حدیث ہے کہ ”جس کا خدا ہے اس کا سب کچھ ہے۔“ اس فرصت کو غنیمت سمجھ اور اپنے کام کے پیچھے لگا رہ۔ افسوس ہزار افسوس! کہ تو اپنی قدر و قیمت کو نہیں پہچانتا اور اس نعمت سے محروم ہے۔ محبوب کی راہ میں اپنی جان کی بازی لگا اور اپنے آپ کو تسلیم کے میدان میں گیند کی طرح ڈال دے۔ مبارک ہے وہ جس کا نفس سلیم ہو۔ اگر تیرے سر پر زکریا علیہ السلام کی طرح آرہ چلایا جائے تو دم نہ مار اور اگر آگ میں ڈالیں تو خلیل علیہ السلام کی طرح دوسری طرف قدم نہ اٹھا اور اگر تیرے گوشت پوست کو کیڑوں مکوڑوں کی خوراک بنائیں تو حضرت ایوب علیہ السلام کی

Marfat.com

طرح صابر و شاکر رہ۔

خدا کے بندوں نے کتنی محنتیں اور مصیبتیں برداشت کی ہیں، تب کہیں جا کر محرمِ اسرار ہوئے ہیں۔ ہمیں ان سے کیا نسبت کہ ہم ان کی باتیں بیان کریں اور ان کے حالات میں دم ماریں۔ اس لعین (شیطان) کو دیکھو۔ اس نے کتنے سال بندگی کی لیکن ایک دن بھی بندہ ہونا نہ سیکھا۔ یقینی اور قطعی طور پر بندہ وہی ہے جو اپنے تمام ارادوں سے آزاد ہو جائے اور تمام خواہشات کی قید سے نکل جائے۔ بندہ اس وقت بندہ کہلانے کا مستحق ہے جب اس میں دو چیزیں درست ہو جائیں۔ پہلی یہ کہ جو کچھ وہ کرے وہ خدا کا پسندیدہ ہو اور دوسری یہ کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کریں اس کو پسند ہو۔ پہلی کا نام عبادت ہے اور دوسری کا عبودیت۔ عبادت بندگی کرنے کا نام ہے اور عبودیت بندہ ہونے کا۔ ایک لحہ خدا تعالیٰ کی عبودیت اختیار کرنا ایک سال بھر عبادت کرنے سے بہتر ہے۔

ہمارے لیے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے کہ کسی مخلوق کو بھی حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں اور زبان طعن دراز نہ کریں اور جو کچھ نیک و بد ہو سب کو خدا تعالیٰ کی قضا و قدر سمجھیں اور جو کچھ ہم پہ گزر جائے دم نہ ماریں اور اگر تو دم مارے گا تو مرد نہیں ہے، یہ عورتوں کا شیوہ ہے۔

ہر چہ بہ تو میرسد نوش کن و پیچ مکن گر تو و گرے پیچی کار بتر مے شود

جو کچھ تجھ کو پہنچے اسے نوش کر اور شور نہ کر۔ اگر تو شور کرے گا تو کام بگڑ جائے گا۔

تیری کوشش سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ تبدیل نہیں ہو جائے گا۔ پھر تو اختیار کی لگام اسی کے ہاتھ میں کیوں نہیں دے دیتا؟ اختیار کا بیہودہ بوجھ خواہ مخواہ اپنے کندھوں پر کیوں ڈالتا ہے؟ یہ سمجھ لے کہ تو بالکل قضا و قدر کے ماتحت ہے اور جو کچھ تقدیر میں ہے وہ تبدیل نہیں ہو سکے گا۔

قبول خاطر کن و ز جبیں گرہ بہ کشائے کہ برمن و تو درِ اختیار نہ کشادست

دل سے قبول کر اور پیشانی کے بل دور کر دے کہ اختیار کا دروازہ تیرے اور میرے لیے کھلا نہیں ہے۔

تدبیر بیہودہ و باطل کو اپنے اندر راہ نہ دینی چاہیے۔

تدبیر کند بندہ و تقدیر نداند تقدیر خداوند بہ تدبیر نہ ماند

بندہ تدبیر کرتا ہے اور تقدیر کو نہیں جانتا۔ خداوند کی تقدیر کے ساتھ تدبیر نہیں چل سکتی۔

اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہئے اور اپنے مقصود کے پیچھے دوڑنا چاہیے۔ شاید اللہ تعالیٰ کا کرم غیب سے پہنچ جائے اور اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں سے ہو جائے۔ ہمارا مقصود اللہ تعالیٰ کے سوا اور کچھ نہ ہونا چاہئے۔ انسان کو اس دنیا میں عیش و آرام کے لیے پیدا نہیں کیا گیا ہے۔ اس کی پیدائش کا مقصد اندوہ و غم ہے۔ جب تک ہم سر سے لے کر پاؤں تک درد و الم نہ بن جائیں گے اور ریاضت کی آگ میں نہیں جلیں گے

Marfat.com

تب تک محبت کی انگیٹھی کی خوشبو ہمارے مشامِ جان تک نہیں پہنچ سکے گی۔

اے دل بہ ہوس برسر کارے نرسی تاغم نہ خوری بہ غمگسارے نرسی

اے دل ہوس سے تو کسی مقصود کو حاصل نہیں کر سکے گا جب تک تو غمگین نہ ہوگا کسی غمگسار کو نہ پا سکے گا۔

ہمیشہ کی نعمتوں کے سینکڑوں جہانِ محبت کی ایک آہ سے خریدے جا سکتے ہیں اور ہمیشہ کے ہزاروں ممالک ایک فریاد سے ہاتھ میں لائے جا سکتے ہیں۔ ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا ہے اس معاوضے میں کہ ان کے لیے جنت ہے۔''

1- ایک آہ کھینچ اور سات قلعوں کے دروازے کھول لے۔ ایک آنسو دے اور جواہرات کے آٹھ خزانے لے لے۔

2- جب تیرا دل اس کے عشق میں بریاں ہو جائے گا تو اس وقت تو جو چاہے گا وہ اسی وقت ہو جائے گا۔

حق سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں ''ان کو تھوڑا ہنسنا اور زیادہ رونا چاہیے۔'' یہ دنیا ہنسنے اور خوشی کرنے کا کون سا مقام ہے۔

تا در خلوت ندیم غم نہ بود شائستہ و لائق نعم نہ بود

جب تک خلوت میں غم کا ندیم نہیں ہوگا۔ نعمتوں کے لائق بھی نہیں ہوگا۔

اپنے کام سے کام رکھ اگر سویا ہوا ہے تو ہوشیار ہو جا اور دوست کی تلاش میں نکل اور دلدار کے رخ پرمست ہو جا۔ وقت کی رفتار پہچان اور فرصت کو غنیمت سمجھ۔

ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست

جو بھی خوش وقت ہاتھ آ جائے اسے غنیمت سمجھ کسی کو بھی معلوم نہیں کہ انجام کار کیا ہے۔

سحری کے وقت بیدار ہونا شہبازوں کا کام ہے یہ توفیق صرف اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بارگاہِ الٰہی کے لائق ہے۔ جس کو یہ میسر ہو جائے اسے مبارک ہو۔

1- شب تاریک دوستانِ خدا مے بتابد چوں روز رخشندہ

2- ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

1- خدا کے دوستوں کی تاریک رات روزِ روشن کی طرح چمک اٹھتی ہے۔

2- یہ خوش بختی زورِ بازو سے حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ عطا کرنے والا عطا نہ کرے۔

دن رات میں سے بہترین وقت سحری کا وقت ہے اور سحری میں سے بہترین وہ وقت ہے جبکہ گرم گرم آنسو پلکوں سے دامن پر گرنے لگیں اور سرد آہیں سینے سے نکل کر لبوں پر جوش مارنے لگیں اور اپنے نفس

Marfat.com

کی اطاعت سے منہ پھیر کر معبودِ حقیقی کی اطاعت میں مشغول ہو جائے اور اپنی تقصیرات سے اپنے معبود کے سامنے شرمندہ و منفعل ہو۔ نہایت خوش قسمت ہے وہ شخص جو ایسے وقت کا مالک بن سکے اور اس وقت کی برکت سے اپنے دن رات کو اس طرح گزار سکے جیسے کہ سحری کا وقت گزرا ہے۔

بآہے بسوزد زعالم گناہ باشکے بشوید درونِ سیاہ

ایک آہ سے جہان کے گناہ جلا ڈالے اور ایک آنسو سے سیاہ اندر کو دھو ڈالے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب رات دو تہائی گزر جاتی ہے اور تمام مخلوق خوابِ غفلت میں سوتی ہے تو ہوشیار اور بے قرار عاشقوں کو دیکھنے والا جن کے دل یار کے عشق میں زخمی ہیں، جن کی آنکھیں اشک بار ہیں اور جو دوست کی محبت میں بیدار ہیں اور محل نیاز میں سرگرداں ہیں، اپنے لطف و رحمت کو جوش میں لاتا ہے اور رب العزت کی عظمت و جلال آسمان دنیا پر نزول فرماتی ہے اور اندھیرے میں بھٹکنے والوں کو خطاب مستطاب سے مشرف فرماتا ہے اور بخشش و کرم کی آواز ان کے کانوں میں پہنچاتا ہے کہ اے مہجور خاکیو۔ اے مغرور غافلو! ہم نے رحمت کے دروازے کھول دیے ہیں۔ کون ہے جو زبانِ حال اور صدقِ مقال سے اپنی حاجت طلب کرتا ہو تا کہ ہم اس کی حاجت براری کریں۔

1- چوں بگریانم جوشد رحمتم آں خروشندہ بنوشد رحمتم
2- رحمتم موقوف آں خوش گریہ است گریہ بست از بہر رحمت موج خاست

1- جب ہم کسی کو رلاتے ہیں تو میری رحمت جوش میں آجاتی ہے۔ آہ و زاری کرنے والا میری رحمت نوش کرتا ہے۔

2- میری رحمت اس خوش گریہ پر موقوف ہے کہ جب بندہ خاموش ہوا تو میری رحمت کے دریا سے موجیں اٹھنے لگیں۔

کون ہے جو ایسے وقت میں تمنا کرے تا کہ میں اس کی تمنا پوری کروں اور کون ہے جو برے اعمال اور بد اقوال سے ہماری ستاری تلاش کرتا ہو تا کہ میں اس کو اپنے حوصلہ کے پردے سے ڈھانپ لوں۔

مقربانِ بارگاہِ الٰہی سے روایت ہے: ایک درویش نے کہا کہ ایک رات مجھ کو بارگاہِ الٰہی میں حضوری نصیب ہوئی۔ بے کیف خطاب ہوا کہ ہماری بارگاہ میں کیا تحفہ لایا ہے؟ بعض اعمال کا خیال دل میں گزرا تو بارگاہ الٰہی سے خطاب ہوا کہ اے مسکین! جنابِ کبریا میں اس طرح کی کھوٹی پونجی بے انتہا موجود ہے۔ جو کچھ تو نے سوچ رکھا ہے بیکار ہے۔ پھر خطاب ہوا کہ اس درگاہ کا تحفہ سرد آہیں اور زرد رخسار ہیں اور اس راہ کا توشہ دلِ پُر درد ہے۔ روحانیوں کے عجیب اذکار اس بارگاہ میں بے شمار ہیں اور کرّوبیوں کے نفیس افکار بے انداز ہیں۔ لیکن شربت عنایت جدائی کے جنگل کے پیاسوں کو تلاش کرتا ہے اور حمایت کا مرہم نیاز مندی کے عرصہ کے خستہ لوگوں کو ڈھونڈھتا ہے۔

Marfat.com

حزن بدست آر کہ یار نکوست دل کہ حزیں گشت خدا یار اوست

غم حاصل کہ دوست بڑا اچھا ہے۔ جو دل غمگین ہو جائے خدا اس کا دوست ہے۔

کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ حضرت محمد علیہ اکمل الصلوات والتحیات نے کبھی بھی اندوہ وغم سے خلاصی نہ پائی۔

عاشقاں را نصیب از معشوق جز خرابی و جانگدازی نیست

عاشقوں کو معشوق سے سوائے خرابی اور جاں گدازی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اے درویش! ہر زمانہ میں ایک اندوہ گین ہوتا ہے کہ تمام جہان اس کی پناہ لیتا ہے۔ اس راستہ میں جو کچھ بھی ہے وہ درد و اندوہ ہے اور یہ خاص دوستوں کا حصہ ہے۔

1- دلا اسرار عشق آساں ندانی جگر خواریست ہر دم جانفشانی
2- بیا در باز جاں در عشق بازی اگر خواہی حیاتِ جاودانی
3- تو دریائی درون تست گوہر بدست آری چو غوّاصی توانی
4- چوں غوّاصاں بدریا اندروں شو بدر کن کسوت دنیائے فانی
5- چوں یونس گر تو باشی مرد غوّاص بر آری دُر ز بحر بیکرانی
6- کلیم اللہ بہ طُور عشق پُرشد بشُد بے خود زحرف لَنْ تَرَانِیْ
7- چوں عشق از جان آدم شد ہویدا بروں آمدز ملک انس و جانی
8- خلیل اللہ بہ عشق حق تعالیٰ کند قربان ہمہ محبوب جانی
9- چوں یوسف ہر کہ آمد صادق ایں جا بود سلطان مالک دو جہانی
10- بیا درباز عثمان جاں بہ جاناں اگر خواہی تجلّی دل نہانی

1- اے دل عشق کے راز کو آسان نہ سمجھ۔ عشق جگر کھانے اور جانفشانی کا نام ہے۔
2- عشق بازی میں اپنی جان ہار دے اگر تو ہمیشہ کی زندگی چاہتا ہے۔
3- تو ایک دریا ہے تیرے اندر موتی ہیں جب تو غوطہ لگائے گا تو ان کو پالے گا۔
4- غوطہ خوروں کی طرح دریا کے اندر چلا جا اور دنیائے فانی کا لباس دور کر دے۔
5- اگر تو یونس علیہ السلام کی مانند کا غوطہ خور آدمی بنے گا تو ناپیدا کنار سمندر سے موتی باہر لائے گا۔
6- کلیم اللہ جب عشق کے طور پر محبت سے پر ہو گئے تو ''لن ترانی'' (تو مجھے کبھی نہ دیکھ سکے گا) کی آواز سے بے خود ہو گئے۔
7- جب آدم علیہ السلام کی جان سے عشق ظاہر ہوا تو انس و جان کے ملک سے باہر آ گئے۔
8- خلیل اللہ نے حق تعالیٰ کے عشق میں اپنی تمام محبوب چیزوں کو قربان کر ڈالا۔

Marfat.com

9- یوسف علیہ السلام کی طرح جو بھی اس جگہ سچا ثابت ہوا تو اس کو دونوں جہانوں کی بادشاہی دے دی گئی۔

10- عثمان! آ اور اپنی جان معشوق پر نثار کر دے اگر تو دل میں پوشیدہ تجلی کا خواہشمند ہے۔

عاشقوں کا کام سوز و ساز اور خوشی سے ہاتھ اٹھا لینا ہے اور اپنے آپ کو مصیبتوں میں ڈالنا، درد و اندوہ حاصل کرنا اور اپنے دل کو غم کی آتش میں جلانا ہے۔

یک آہ چوں از سینۂ افگار برآید حقا کہ بہ کونین خریدار تواں بود

جب زخمی سینہ سے ایک آہ نکل جائے تو یقیناً دونوں جہان کا خریدار بن سکتے ہیں۔

حضرت قطب الانام شیخ الاسلام مولانا احمد جامی فرماتے ہیں۔

1- مارا نہ بود دلے کہ کار آید ازو جز نالہ کہ دردے ہزار آید ازو

2- چنداں گریم کہ خاکہا گِل گردد نے رویدو نالہ راز آید ازو

3- باسرارِ تو ہر سوختہ سازے دارد بازار تو ہر بندہ نیازے دارد

4- اے قادر پُر کمال نا امید مکن آں را کہ بدرگاہ تو رازے دارد

1- ہمارے پاس ایسا دل تو نہ تھا جس سے کوئی کام ہو سکتا۔ صرف ایک نالہ تھا جس سے ہزاروں درد اٹھ کھڑے ہوئے۔

2- ہم اتنا روئیں گے کہ مٹی اس سے تر ہو جائے اور اس سے ایک نالہ زار پیدا ہو جائے۔

3- تیرے راز سے ہر سوختہ جان ایک سامان رکھتا ہے تیرے راز سے ہر بندہ ایک طرح کا نیاز رکھتا ہے۔

4- اے قادر مطلق اس کو نا امید نہ کر جو تیری درگاہ میں کوئی راز رکھتا ہے۔

اس نکتہ کو سمجھ لینا چاہئے اور عارفوں اور دوستوں کی ہمت دیکھ کہ وہ کیسے لوگ تھے۔ شیخ شبلی علیہ الرحمۃ ایک دن بغداد میں رموزِ طریقت اور اسرارِ حقیقت دوستوں سے بیان کر رہے تھے کہ آپ نے ایک جوان دیکھا جس نے بھاری بیڑیاں اپنے پاؤں میں پہن رکھی ہیں اور ایک تنگ سی کوٹھڑی میں بیٹھا ہوا ہے۔ وہ محنت اور ریاضت سے سوکھ کر کانٹا ہو چکا تھا۔ بلکہ خیال کی طرح غیر محسوس چہرہ زرد، دل پُر درد، آنکھیں اشکبار اپنے آپ سے کچھ باتیں کر رہا تھا۔ جب اس کی نگاہ شبلی پر پڑی تو فریاد کرنے لگا اور کہا: اے شیخ الاسلام! دوست کو میرا اسلام پہنچا دینا اور کہنا کہ اگر ساتوں آسمانوں کو طوق بنا کر تو میری گردن میں رکھ دے اور ساتوں دوزخ مجھے داغ دینے کے لیے میرے دماغ پر رکھ دے تو بھی میں تیری محبت کے دائرہ سے ایک قدم بھی باہر نہیں رکھوں گا اور تیرے عشق سے ایک ذرہ بھی کم نہیں کروں گا۔ شبلی کہتے ہیں کہ میں نے مناجات کے وقت عرض کیا، اے خدا! جیسا کہ تو اپنی مخلوق سے الگ تھلگ ہے تیرے کام بھی مخلوق کے کاموں سے علیحدہ ہیں۔ تمام دنیا دوست کی پرورش کرتی ہے اور اپنے دشمن کو مارتی ہے اور تو اپنے دشمن کو پالتا ہے اور اپنے

Marfat.com

دوستوں کو قتل کرتا ہے۔

ہاتفِ غیبی نے آواز دی کہ ''اے شبلی! ادب ملحوظ رکھ اور کوئی اعتراض نہ کر۔ ہم جس کو قتل کرتے ہیں اس کی دیت بھی ادا کرتے ہیں۔ جس کو ہم قتل کریں اس کی دیت ہم پر لازم ہو جاتی ہے اور جس کی دیت ہم پر لازم ہو جائے ہم خود اس کی دیت بن جاتے ہیں۔''

1- مارا چوں بخواہی تن نعماں اندر نہ چوں شیفتگاں سر بجہاں اندر نہ
2- دل خوں کن و ہم بدیدگاں اندر نہ وانگہ زنی در دیدہ جاں بر سر نہ

1- اگر تو ہم کو چاہتا ہے تو اپنا جسم غموں کے سپرد کر دے۔ سودائیوں کی طرح اپنا منہ دنیا کی آوارگی کی طرف کر لے۔
2- پہلے دل کو خون بنا پھر اس کو اپنی آنکھوں میں رکھ لے اور جب دل خون ہو کر بہنے لگے تو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ لے۔

یہ ناامیدی اور شکستگی کا راستہ ہے۔ جب تک تجھ میں درد اور نیاز پیدا نہ ہوگا تو عشق کے قافلہ میں نہیں پہنچ سکے گا۔ جب تک تو اپنے آپ کو گم نہ کر لے گا اپنے آپ کو کبھی نہیں پا سکے گا۔

جب بندہ کا معاملہ خدا سے جا پڑتا ہے تو زبان نامحرم ہو جاتی ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جنت کے باغ کی عندلیب، سرور انبیاء افصح العرب والعجم لَآ اُحۡصِیۡ ثَنَآءً عَلَیۡكَ کے قائل ہیں۔ پھر کس کی مجال ہے کہ اس کی بزرگی کے مقام میں قدم رکھے اور توحید میں دم مارے حالانکہ دستور یہ ہے کہ ''جو کسی سے محبت رکھتا ہے اس کا ذکر اکثر کرتا رہتا ہے۔''

ہاں ابتدائے عشق میں قدم گفتگو میں ہوتا ہے۔ پھر جب اس جہان سے آگے نکل جاتا ہے تو بُعد ہو جاتا ہے پھر ''جو دور ہوتا ہے وہ اللہ کا ذکر زیادہ کرتا ہے'' کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور اپنے دردِ دل سے یہی کہتا ہے۔

1- گر عاقلے حدیث تو کم کنمے راہ سر گفتگوئ محکم کنمے
2- پس سوختۂ چند فراہم کنمے بر گفتۂ بگریے و ماتم کنمے

1- اگر میں عقل مند ہوں تو میں تیری گفتگو کم کروں گا۔ گفتگو کے راستہ کو محکم کروں گا۔
2- میں کچھ جلے دل اکٹھے کروں گا اور کہی ہوئی باتوں پر روؤں گا اور ماتم کروں گا۔

بیچاروں کا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ بیچاروں کا چارہ یہی درد و اندوہ اور درد و غم سے رونا ہے۔

1- سبحان اللہ! تیرا غم کتنا اچھا کام ہے۔ خستہ دلوں پر تیرا غم ایک بہت بڑا بوجھ ہے۔
2- تو کہتا ہے کہ میرے غم نے تجھ کو مجنوں کر دیا ہے۔ ہاں تیرے ہی غم نے، تیرے ہی غم نے، تیرے ہی غم نے۔

Marfat.com

3- تیرا غم آنکھوں سے خوب خون ٹپکا سکتا ہے۔ بیگانے اور آشنا تیرے غم کو کیا جانیں۔
4- میں اپنا سانس روک لوں گا اور تیرے تمام غم کو نوش کروں گا تا کہ میرے بعد کسی کو تیرا غم نہ رہے۔

غم کی قیمت وہی جانتا ہے جس کی ہوش کے کان کھلے ہیں اور جو اندھا اور بہرہ ہے اس کو ان باتوں کی کیا خبر؟

ہر کہ نالان ست و گریان و حزیں — عاشقی حقست باحق ہم نشیں

جو نالاں اور گریاں اور غمگین ہے وہ خدا کا عاشق ہے اور حق کا ہم نشین ہے۔

اندوہ، درد اور ماتم سچے عاشقوں کا سرمایہ ہے۔ حقیقی دوستوں کی زینت ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا محبوب بنالیتے ہیں تو اس کے دل کو رونا نصیب کرتے ہیں۔“

چوں من سرمایہ جز غم نہ دارم — چرا ہر لحظہ صد ماتم نہ دارم

جبکہ میں غم کے سوا کوئی سرمایہ ہی نہیں رکھتا تو میں ہر لحظہ سینکڑوں ماتم کیوں نہ کروں۔

ان بلند کلمات کو عارف اور دل باختہ لوگ ہی جانتے ہیں جو کہ سم قاتل کے پیالے ہر وقت نوش کرتے رہتے ہیں۔ اور لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۱۳﴾ (اعلیٰ: 13) (اس میں نہ مریں گے اور نہ زندہ رہیں گے) کے زخموں سے ہر وقت جوش وخروش میں ہیں اور شربت مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا ہر وقت چکھتے ہیں اور ان کے دلوں میں نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴿۶﴾ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ﴿۷﴾ (سورۃ الھمزۃ 6، 7) (اللہ کی آگ جلائی ہوئی ہے جو دلوں پر چڑھ جاتی ہے۔) ہر لحظہ رہتی ہے اور ہر ساعت ایک نیا دردِ دل شروع کرتی ہے اور ہر نظر میں معاینہ کے تعین کا یقین پیدا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے معنی منکشف ہو جاتے ہیں کہ ”ہم ان کو آفاق میں اپنی نشانیاں دکھلائیں گے اور ان کی اپنی جانوں میں بھی۔ کیا وہ غور نہیں کرتے؟“ اور ان اشعار کے معانی ان کے دلوں میں شعلے بھڑکا دیتے ہیں۔

1- ما چنیں تشنۂ زلال وصال — ہمہ عالم گرفتہ مالا مال
2- غرق آبیم و آب مے طلبیم — درد صالم و بے خبر ز وصال
3- گنج در آستین و مے گردیم — گرد عالم زبہریک مثقال
4- آفتاب اندرون خانۂ ما — در بدرِ مے رویم ذرہ مثال
5- چند گردیم بے خبر ز جہاں — چند ہاشیم اسیر وہم و خیال
6- ساقیا! از بست بدہ جامے — کز نہاد خودم گرفت ملال

1- ہم وصال کے خالص مشروب کے پیاسے ہی رہے اور تمام جہان مالا مال ہو گیا۔
2- ہم پانی میں غرق ہیں اور پانی ہی کی تلاش میں ہیں اور عین وصال میں وصال سے بے خبر ہیں۔
3- ہم اپنی آستینوں میں خزانہ لے کر تمام جہان میں ایک مثقال کے لیے پھر رہے ہیں۔

Marfat.com

4- سورج ہمارے گھر کے اندر ہے اور ہم ذرہ کی طرح دربدر پھرتے ہیں۔
5- ہم جہان سے کب تک بے خبر رہیں گے اور کب تک وہم وخیال میں قید رہیں گے۔
6- اے ساقی! اپنے لبوں سے جام عطا فرما کہ میں اپنی طبیعت سے ملال میں ہوں۔

خواجہ کائنات وخلاصۂ موجودات نے بہ مقتضائے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ (آپ فرمائیں میں صرف تمہارے جیسا ایک انسان ہوں) جب اپنے آپ کو بشریت میں مقید دیکھا تو کہا کہ "اے کاش! محمد ﷺ کا رب محمد ﷺ کو پیدا نہ کرتا۔"

اے کاش! کہ بود ما نبودے کز بودن ماست کار باطل

(اے کاش! ہمارا ہونا نہ ہوتا کہ ہمارے ہونے سے ہمارا کام بگڑ گیا۔)

عقل مندوں کے لیے اتنا نکتہ ہی کافی ہے۔

ابتداً رابعہ رحمۃ اللہ علیہا دوسرے زاہدوں کی طرح عذاب کے ڈر اور ثواب کی طلب سے اللہ کی عبادت کرتی تھیں، یہی زہد کا منتہی ہے مگر جب وہ صوفی بن گئیں اور عبادت میں پیشتر سے زیادہ منہمک ہوگئیں تو ان کی روح دنیوی کدورتوں سے صاف ہوگئی اور ذہن آخرت کی ہولناکیوں سے پاک ہوگیا۔ اس خالص عبادت نے جس تک رابعہ رحمۃ اللہ علیہا اور اسرارِ کون میں غور وفکر کرنے سے پہنچیں، انہیں ایک مجرد روحانی عالم غیب وملک میں پہنچا دیا، وہ وجود میں مزید غور وفکر کرتی رہیں اور تعبیریں خالص صوفیانہ رموز بن گئیں، نہ صرف لفظاً بلکہ معناً اور حقیقتاً بھی۔

ابھی تصوف ابتدائی دور میں تھا کہ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے اسے اختیار کرلیا۔ نتیجہ یہ کہ ان کا شمار اولین صوفیا میں ہونے لگا، چونکہ وہ تصوف میں سچی تھیں اس لیے اولیائے کاملین میں شامل ہوگئیں جو بصیرت کے ذریعے سے حقائق تک پہنچے، اہل تصوف کے ہاں حقائق کے بہت سے درجات ہیں جن میں سب سے بلند تجلی و کرامات کا درجہ ہے۔

رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کے سوانح حیات جو لکھنے والوں نے نفسیات وفلسفہ کی روشنی میں نہیں لکھے، متضاد اور بکھرے ہوئے ہیں پھر بھی ہمیں بتاتے ہیں کہ انہوں نے تدریجی طور پر زہد سے تصوف کی طرف قدم بڑھایا، مخلص عابدوں کے گروہ کی تدریجی ترقی کی فطری صورت یہی ہوتی ہے۔ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا افتاد طبع کے مطابق کسی علمی وفکری شعور کے بغیر اس جدید طریق عبادت یعنی تصوف کی طرف مائل ہوتی چلی گئیں، غالب گمان یہ ہے کہ وہ صوفیائیت کی طرف اس وقت مائل ہوئیں جب وہ بصرہ کے حلقاتِ ذکر وفکر میں جو اجتماعی طور پر قائم کیے جاتے تھے حصہ لینے لگیں، یہ لوگ تسبیح وتہلیل اور تہجد وعبادت میں مشغول رہتے تھے، قرآن، دعائیں اور مختلف قسم کے اشعار بلند آواز سے مخصوص صوفیانہ رنگ میں پڑھا کرتے تھے جن سے عشق الٰہی پیدا ہوتا تھا۔ کوئی بعید نہیں اگر رابعہ ان قوالیوں میں شریک ہونے کے دور میں پکی عمر کو پہنچ چکی ہوں، وجد وقوالی کی یہ محفلیں آج

Marfat.com

تک قائم ہوتی چلی آتی ہیں۔ اہل طریقت درویشوں کی مجلسیں اب تک مصر و دمشق اور بلاد اسلامیہ میں اسی طرح قائم ہوتی ہیں۔ صوفی مرد و زن اب تک گا گا کر بانسری اور طبل پر میلاد و عید وغیرہ کے موقع پر حلقے قائم کرتے ہیں۔

اس لیے تصوف رابعہ رحمۃ اللہ علیہا میں ان کی طبیعت و مزاولت سے آیا ہے، تحصیل و تقلید یا تکلف اور بناوٹ سے نہیں، ان کی پیدائش و تربیت دینداری کے ماحول میں ہوئی اور غیر شعوری طور پر اسبابِ تصوف ان میں پیدا ہو گئے، اس زمانے کی اجماعی و دینی زندگی جو شہر میں رائج تھی، اس طرف مائل کرتی رہی اس لیے وہ ایک پرہیزگار، زہد، فقیر، صاحب تائب، و متوکل علی اللہ خاتون بن گئیں۔ یہ تصوف بچپن اور لڑکپن کے زمانے سے ظاہر ہوا حالانکہ وہ عارفین صوفیہ اور اہل مقامات کی اصطلاح سے آشنا نہ تھیں، وہ خود بخود اس چشمے کی طرف کھنچی چلی جا رہی تھیں۔ جس طرح ایک گم کردہ راہ ریگستانوں کے اندر پانی کے چشمے کی تلاش میں پیاس کی شدت سے مارا مارا پھرتا ہے تو اسے افق میں باغیچے، سائے اور جاری چشمے نظر آنے لگتے ہیں حالانکہ یہ سب سراب ہوتے ہیں، ریگستانوں میں بھٹکے ہوئے مسافر کی طرف دوڑتے ہیں اور اکثر اسی جستجو میں پیاسے جاں بحق ہو جاتے ہیں، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ گم کردہ راہ ان تپتے ہوئے صحراؤں میں کسی ٹیلے کے قریب کوئی ٹھنڈا چشمہ پا لیتے ہیں تو وہ اس کی طرف بے تحاشا دوڑتے ہیں، حالانکہ وہ موت و حیات کے درمیان ہوتے ہیں۔

اسی طرح رابعہ رحمۃ اللہ علیہا جنہیں شدتِ شوقِ الٰہی نے بھون ڈالا تھا، بشریت، زندگی اور اسبابِ حیات سے منہ موڑ کر زاہدوں کی جماعت سے نکل کر صرف ذات باری اور رضائے الٰہی کی جویا بن گئیں، نہ اجر و ثواب کے لالچ میں نہ نار و خوف کے عذاب سے، اب رابعہ رحمۃ اللہ علیہا شب زندہ عابدوں سے بالکل جدا ہو چکی تھیں جو آخرت کے خوف سے زاہد اختیار کرتے ہیں، وہ گم کردہ حقیقت کی تلاش میں عالم بالا تک پہنچ گئیں جہاں نہ شہادت کا گزر ہے نہ فنا طاری ہوتی ہے۔

بلاشبہ ایک زبردست روحانی طاقت نے رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کو شدت عشق تک پہنچا دیا تھا، جب وہ طویل مجاہدات کے بعد عالم انوار تک پہنچیں تو حیران رہ گئیں کہ انہوں نے اپنی ذات سے باہر کچھ نہیں دیکھا بلکہ خود اپنی ہی ذات کو پایا ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔

"اپنے نفوس میں غور کرو، کیا تم دیکھتے نہیں۔"

سقراط کہتا ہے۔ "اپنے نفس کو پہچان۔"

رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے اپنے نفس کو دیکھا تو ان پر پوشیدہ اسرار ظاہر ہو گئے اور ایسے انوار دکھائی دینے لگے جو ظاہری نگاہوں سے دکھائی نہیں دیتے بلکہ صرف ان لوگوں کو نظر آتے ہیں جن کی نگاہیں اللہ نے کھول دی ہیں۔

رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی چند مخصوص دعائیں جن سے ذوق و شوق ٹپکتا ہے۔ کتنی ہی بار انہوں نے دل کی

Marfat.com

گہرائیوں سے یہ الفاظ کہے:

"اے پروردگار! اگر میں تیری عبادت آگ کے ڈر سے کروں تو مجھے جہنم میں جھونک دے اور اگر جنت کے لالچ سے کروں تو مجھے جنت سے محروم کر دے، ہاں اگر میں تیری عبادت صرف تیرے لیے کروں تو اے خدا مجھے اپنی ذات کریم سے محروم نہ کرنا۔"

یہ دعا ایک ایسے حیران و پریشان دل کی ہے جو ہمیشہ قلق و اضطراب میں رہتا ہو کیونکہ اللہ تو کسی مطیع یا عاصی کے پہچاننے کا محتاج نہیں۔ اس کے علم ازلی میں تو ہر چیز ہے، رابعہ رحمۃ اللہ علیہا گو عالم ناسوت سے نکل کر عالم ملکوت میں پہنچ گئی تھیں، پھر بھی وہ وہی ضعیف مخلوق رہیں جو اطمینان و سکون کی جویا رہتی ہے۔ میں اسے مبادلہ و معاوضہ سے تعبیر نہیں کرتا کیونکہ پرخلوص صوفیت کے بارے میں رابعہ رحمۃ اللہ علیہا اس سے برتر ہیں، انہوں نے صدق، خلوص اور معرفت کی راہ حق اختیار کی، وہ اب عبادت صرف عبادت ہی کی غرض سے کرتی تھی۔ آج کل کے لوگ کہتے ہیں فن برائے فن، مگر یہ نظریہ سراسر حماقت پر مبنی ہے کیونکہ ہر فن کی کچھ نہ کچھ ذاتی و اجتماعی خصوصیات ہوتی ہے تو وہ صرف اپنے لیے ہی کیونکر ہو سکتا ہے۔

میرا بعینہٖ یہی خیال تصوف کے بارے میں ہے اس لیے اللہ کی عبادت بہترین وجود، اطمینانِ قلب، شکر نعمت، دلِ دردمندانہ اور ندامت کفر و عصیاں کے لیے ہے۔

راہِ تصوف میں نفس کو ایذا دینا اور رونا پیٹنا نفسانی معاملات اور اس دنیوی نظام کو جو اللہ نے چلایا ہے معطل کر دینا ہے اور ایک قسم کا مبادلہ و تجربہ ہے۔ اس لیے عملی تصوف مطلوب ہے، وہ تصوف جو نظری ہو، نسیان و وہم پر قائم ہو اور گمراہی و جہالت میں بھٹکاتا ہو، مطلوب نہیں بن سکتا۔

اگرچہ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا اپنی آخری صوفیت میں عبادت برائے عبادت کے نظریئے پر قائم تھیں مگر ہم انہیں اس درجہ قابل ملامت نہیں سمجھتے جس قدر ان مردوں کو ملامت کے قابل سمجھتے ہیں جو اس قسم کی صوفیت اختیار کرتے ہیں۔ ان میں وہ جوان اور بوڑھے بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنے نفوس پر انتہائی سختیاں کیں، دنیا اور اہل دنیا کو چھوڑا اور تصوف اختیار کیا، اس لیے وہ سارا کاروبار چھوڑ کر تہجد و اعتکاف میں اور مساجد اور خانقاہوں میں گوشہ نشین ہو کر خشوع و خضوع میں مصروف ہو گئے۔ وہ یہ بھول بیٹھے کہ اسلام نے عدل و انصاف کرنے والوں اور گھر والوں کے لیے حلال روزی کمانے والوں کو ہزاروں نکمے عابدوں پر فضیلت دی ہے۔ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ عزلت و تقشف اور مداومت عبادت انہیں جنت اور اُخروی آسائش سے ہم کنار کر دے گی اور جو کچھ وہ دنیا میں ترک کر چکے ہیں ان سب کا بدلہ وہاں دلا دے گی۔

ایک نکما مرد خواہ وہ کتنا ہی پرخلوص عابد کیوں نہ ہو اس عورت کی نسبت زیادہ قابل ملامت ہے جو زہد و اعتکاف کے لیے نکمی ہو کر بیٹھ رہی ہو کیونکہ زندگی گو دونوں جنسوں سے بقائے حیات کے لیے عمل کا مطالبہ کرتی ہے مگر یہ مطالبہ بہ نسبت عورت کے جو ہر زچگی پر اپنے آپ کو موت کے لیے پیش کرتی رہتی ہے مرد

Marfat.com

سے زیادہ ہے گو اس کا زچگی میں مرجانا یا اس کی تکالیف برداشت کرنا ہزاروں عبادتوں سے بہتر ہے......

حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے جس طرح مذہب دینی اور تصوف کی طرف سبقت کی اس سے یہی مقصد تھا۔ اس بارے میں جو کچھ روایات ہیں ان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا دنیا کو چھوڑ دینا اور ایک کا ہو رہنا کوئی آخرت کے لیے نہ تھا چنانچہ اس امر کی تصدیق اس قول سے ہوتی ہے کہ جب ان سے جنت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا:

''گھر سے پہلے پڑوسی کو دیکھو۔''

اس جواب سے ان کا مقصود وہی ذاتِ یکتا ہے، یہی ان کی دعا تھی جس کی وہ اللہ سے طلب کرتی رہتی تھیں تا کہ ان کا سوال پورا ہو جائے:

''پروردگار! جو کچھ بھلائیاں تو نے اس دنیا میں میرے لیے مقدور کر دی ہیں وہ اپنے دشمنوں کو دے دے اور جو کچھ راحتیں میرے واسطے جنت میں قسمت کی ہیں وہ اپنے دوستوں کو بخش دے کیونکہ میں تو صرف تیرے لیے مجاہدات کرتی ہوں۔''

ایک دفعہ بصرہ کا کوئی عالم ان سے ملاقات کے لیے آیا، وہ دنیا کی مذمت کرنے لگا رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے کہا:

''آہ تجھے ضرور دنیا سے محبت ہے کیونکہ جس شخص کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے وہ اس کا اکثر ذکر کیا کرتا ہے جو آدمی کسی قسم کے کپڑے خریدنا چاہتا ہے وہ ان کا بار بار ذکر کرتا ہے۔ اگر تو اس دنیا سے عریاں ہو چکا ہوتا تو نہ تجھے برائی کی پروا ہوتی نہ بھلائی کی۔''

یہی بات رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے اپنے ہم نشینوں امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اور صالح بن عبدالخلیل رحمۃ اللہ علیہ سے کہی، یہ لوگ دنیا پر تنقید کر رہے تھے۔ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے انہیں جھڑکتے اور ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

''جو چیز تمہارے دلوں سے قریب ہے تم نے اسی کو دیکھا اور اس کا ذکر کرنے لگے۔''

پھر وہ سفیان کی طرف جو ادب سیکھنے کی غرض سے ان کے پاس آیا کرتے تھے متوجہ ہو کر کہا:

''تو بہترین صوفی ہوتا اگر تجھے دنیا کی محبت نہ ہوتی۔''

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''آپ نے کس چیز میں رغبت دیکھی؟''

رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے جواب دیا: ''تو بہت باتیں کرتا ہے۔''

رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی مراد یہی دنیا کی باتیں ہیں جن سے کوئی فائدہ نہیں اور جو عوام الناس بھی کرتے رہتے ہیں۔

اس تفلسف فکری اور تصوف روحانی میں آپ کو وہ چیز حاصل ہو گئی جسے جدید علماء روشنی سے تعبیر کرتے ہیں مگر اس مرحلے پر بھی رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے قناعت نہ کی کیونکہ قلق و اضطراب انہیں پریشان رکھتے تھے

Marfat.com

اس لیے ماروائے وجود کے بارے میں ان کی تشنگی بڑھتی ہی چلی گئی۔ وہ صفات و اسمائے الٰہی میں اس امید پر غور وفکر کرتی رہیں کہ انہیں میں فنا ہو جائے۔ جب انہوں نے باطنی فہم اور ایمان قلب سے تمام دلائل توحید کا مطالعہ کر لیا تو ان کے دل میں وہ نور الٰہی پھوٹ پڑا جو خال خال پرہیز گار نیک بندوں کے قلوب میں لگتا ہے۔

جب رابعہ رحمۃ اللہ علیہا اس حد تک پہنچ گئیں جو صوفیت سے بھی پرے ہے جسے آج کل علمائے عرب مستشرقین وغیرہ تھیوسوفی یعنی معرفت قلبی سے تعبیر کرتے ہیں تو انہیں سکون قلب میسر آ گیا۔ انہیں دوام وخلود کی بو آنے لگی، اب وہ ابدیت کی حدود تک پہنچ چکی تھیں اور ان کے روح ونفس دونوں صاف شفاف ہو چکے تھے۔ وہ اپنی اس نئی دنیا سے ایک باطنی برزخ کی طرف منتقل ہو گئی تھیں، یہاں انہوں نے اللہ، تجرد مطلق، صفات قائمہ اور صفات غیر قائمہ کو پہچانا، تصوف وفلسفہ اسلامیہ میں اس کے متعلق بڑی لمبی چوڑی بحثیں ہیں، کچھ صفاتی ہیں تو کچھ معتزلہ۔ جہاں تک علماء استنباط وتمحیص اور تھکا دینے والے مباحثوں کے بعد پہنچے کہ موصوف بے صفت پایا جا سکتا ہے جس طرح مطلق مادہ بغیر صورت کے ہوتا ہے، اسے رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے وسیع قلب، تیز نظر اور غور وفکر سے پا لیا، معرفت کے ان بازوؤں نے جو رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کو لے کر دوام استغراق وتامل کی طرف اڑے تھے اب انہیں ایک ایسے خوشنما باغ میں اتار دیا جہاں فردوس کی بلبلیں شاخوں پر چہچہاتی ہوئی ایک ایسی ذات فیاض کے نغمے الاپتی ہیں جس کی ضیا باریاں دائم رہتی ہیں۔

جہاں تک ہم جانتے ہیں دنیا میں سوز عشق سے پگھل جانے والے، عرب میں لیلیٰ قیس، یہ اور مغرب میں جولیٹ رومیو کی مانند کوئی نہیں گزرا۔

یہ عورتیں جو عشق کی بھینٹ چڑھ گئیں، عشق بشری نے انہیں شوق وحرماں کی آگ سے پھونک دیا تھا اس لیے ان کے قصے عجائبات روزگار بن گئے کیونکہ انہوں نے بڑی تکلیفیں جھیلیں غم اور صدمات اٹھائے اور اپنے محبوب انسان کے لیے جس تک پہنچنا انہیں دشوار ہو گیا تھا اور امیدیں منقطع ہو چکی تھیں بڑی قربانیاں دیں۔ انہوں نے آنسوؤں اور امیدوں سے بھری آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائیں تو صرف اس لیے کہ اللہ ان کی دعا قبول کرے اور ان کا غم عشق وبدبختی کم کر دے۔ تاریخ عشق میں ان جیسی عشق رکھنے والی اور بھی بے شمار ہستیاں ملیں گی۔ ان عورتوں میں بعض پاکدامن ہیں اور بعض گری پڑی اور تر دامن جو طوفانی مخلوق سے عشق کرتی تھیں اور زندگی وعشق کو دنیا کی نعمتوں اور اسباب سرور سے سمجھتی تھیں۔

رہی رابعہ رحمۃ اللہ علیہا تو ان کا عشق ایک بلند طرز کا تھا جو نفسانیت سے پاک اور انسانیت کے اعلیٰ مرتبت پر تھا حتیٰ کہ وہ اس آسمانی محبت میں گھلنے اور پگھلنے لگیں، اسلام میں اس قسم کی سب سے پہلی شخصیت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا ہی تھی۔

جب وہ تصوف میں منہمک ہو گئیں، انہیں الہام وعرفان حاصل ہو گیا، ان کا ایمان امیدوں کے

Marfat.com

غبار سے صاف ہو کر چمکنے لگا اور وہ بے نظیر طور پر صرف وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے لگیں تو انہوں نے اجازت چاہتے ہوئے امیدیں لیے بارگاہ اعلیٰ کے دروازے پر دستک دی، جس طرح قصہ معراج کے بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ کی طرف ایک بلند روحِ بشریت کا ارتقاء تھا، اسی طرح رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ ذاتِ الٰہی اور ماورائے محسوسات وغیوب کی تلاش کرتی رہیں حتیٰ کہ ان کے دل میں ایک بے لوث و پاکیزہ محبت قرار پکڑ گئی، اب ان کی روح کا بوجھ کم ہو گیا تھا اور وہ اس قابل ہو گئی تھیں کہ پرواز کر سکے جس طرح غبارہ فضا میں اڑتا چلا جاتا ہے۔

علم النفس جس سے قدما آشنا نہ تھے، خواہ کتنا ہی ترقی کر جائے پھر بھی جذبات نفسانی و مذاہب روحانی کی تاویل نہیں کر سکتا، علم النفس وہاں حیران رہ جاتا ہے جہاں وہ عشق ومحبت سے بحث کرتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد تو صرف ظن وتخمین پر ہوتی ہے اس لیے اس کی تحلیل وتعلیل بسا اوقات ناکام رہ جاتی ہے۔ جس طرح انسانی چہرے ایک دوسرے سے جدا ہیں، اسی طرح نفوسِ انسانی بھی طاقت، مزاج، نور اور محبت میں جدا ہیں۔ عموماً عشق کسی سابقہ ارادے کے بغیر ہو جاتا ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ کوشش کرتے ہیں وہ بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ عشق آنکھوں کے ذریعے سے دل تک پہنچتا ہے الا یہ کوئی اندھا انسان مبتلائے محبت ہو جائے تو وہاں بجائے نظر کے اس کے کان عشق کا ذریعہ بن جاتے ہیں مگر ساکنانِ ارضی میں آج تک کوئی ایسا نہیں گزرا جس نے عشق کیا ہو اور معشوق کو بغیر دیکھے مر گیا ہو۔ یہ صرف رابعہ رحمۃ اللہ علیہا تھیں کہ انہوں نے اپنے آقا سے عشق کیا اور اسے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ آقا نہیں جس نے انہیں خریدا تھا پھر آزاد کر دیا تھا، نہ وہ جس نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور دل زخمی کر دیا تھا۔ اس کے بعد گہری صوفیت اور طویل عبادت سے ان کے دل میں ایک ایسی محبت پیدا ہو گئی جس کے مشابہ کوئی محبت نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اپنے محبوب کو کبھی نہ دیکھ سکتی تھیں البتہ صرف اس کی کائنات میں اس کی تجلیات دیکھتی تھیں، وحدت وجود کی بنا پر انہیں ہر چیز میں اسی کا جلوہ نظر آنے لگا اور اس طرح ان کے لیے راہ کشادہ ہو گئی۔

یہ چند کلمات جو رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی طرف منسوب ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کس درجہ ذات واحد سے محبت رکھتی تھیں، وہ محبت جو ان کے ایمان و وجدان سے پھوٹی تھی، چنانچہ ایک دن وہ اپنے محبوب سے گڑ گڑا کر مناجات کرنے لگیں:

> ''اے معبود! میں جب کبھی کسی حیوان کی آواز، پتے کے کھڑکنے کی آہٹ، پانی کے گرنے کی صدا اور بجلی کی کڑک سنتی ہوں یا کسی پرندے کے نغمات میرے کانوں میں پڑتے ہیں، دراز سائے دیکھتی ہوں یا ہوا کی سرسراہٹ محسوس کرتی ہوں تو ان سب کو تیری یکتائی پر گواہ اور تیرے بے نظیر ہونے پر شاید پاتی ہوں۔''

ایک اور کلام میں ایسے الفاظ ہیں جن سے جلن، تڑپ اور شوق ٹپکتا ہے اور ایسے کلمات ہیں جو ایسے

Marfat.com

دل سے نکلے ہیں جس کا فنا فی اللہ او رضائے الٰہی کی تلاش کے سوا کوئی مقصود نہیں ہوسکتا، ایک بار ان سے دریافت کیا گیا:

"رابعہ رحمۃ اللہ علیہا! تو شیطان سے محبت کرتی ہے یا نفرت؟"

آپ نے جواب دیا:

"محبت الٰہی نے میرے لیے اس امر کی گنجائش نہیں چھوڑی کہ میں شیطان سے کراہت کروں۔"

لوگوں نے چاہا کہ کسی طرح انہیں زچ کر دیں تو پوچھنے لگے:

"کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتی ہے؟"

"واللہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتی لیکن خالق کی محبت نے مجھے مخلوق کی محبت سے غافل کر دیا......"

اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہ کرتی تھیں بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ حب الٰہی نے کسی دوسرے کی محبت کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی مگر منادی طبقات الاولیا میں لکھتا ہے۔

"رابعہ رحمۃ اللہ علیہا دن رات میں ہزار رکعت نماز پڑھتیں، لوگوں نے ان سے پوچھا: اس سے تیرا کیا مقصد ہے؟"

انہوں نے کہا:

"میرا مقصود ثواب حاصل کرنا نہیں۔ میں تو صرف قیامت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوش کرنے کے لیے ایسا کرتی ہوں تاکہ دوسرے نبیوں سے کہہ سکیں میری امت کی اس عورت کی طرف دیکھو اس کا عمل کیا ہے......"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا رضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طالب تھیں اور یہ آرزو رکھتی تھی کہ اس کی بنا پر معظم و مکرم کہلائیں اس لیے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتی تھیں اور ان سے روز جزا میں ملنے کی خواہشمند تھیں۔

رابعہ رحمۃ اللہ علیہا جب کبھی عبادت کے دوران میں پروردگار سے مناجات کرتیں تو نہایت زور سے گریہ زاری کرتے ہوئے عبادت کرنے کا سبب اسی طرح بیان کرتیں:

"پروردگار! تیری عزت کی قسم میں جنت کے لیے عبادت نہیں کرتی بلکہ محبت کی بنا پر ایسا کرتی ہوں۔ میں نے کوئی جنت کے لیے یوں عمر تھوڑا ہی گزاری ہے......"

"پروردگار! کیا تو اس دل کو جو تجھ سے محبت کرتا ہے، اس زبان کو جو تجھے یاد کرتی ہے اور اس بندے کو جو تجھ سے ڈرتا ہے آگ میں جھونک دے گا؟"

Marfat.com

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گو رابعہ ؒ عبادت کے معاملے میں جنت وجہنم سے آزاد و مجرد ہو چکی تھیں مگر آتش دوزخ کا پوشیدہ خوف پھر بھی گاہے گاہے لوٹ آتا تھا کیونکہ انسان خواہ کتنا ہی بدل جائے، سنی اور دیکھی ہوئی باتوں سے بالکل آزاد نہیں ہو سکتا بلکہ کسی چیز کے دیکھ لینے سے دل میں پچھلی باتیں عود کر آتی ہیں، اس لیے رابعہ ؒ جب کبھی آگ کو دیکھتیں تو ان کا دل دھڑکنے لگتا اور وہ آنسوؤں سے اس کے شعلے بجھانے لگتیں، مگر پچھلا سا خوف حسب عادت انہیں نہ رہا تھا، جب وہ پانی کو دیکھتیں تو ان کا نفس تازگی محسوس کرتا اور عافیت کی ٹھنڈک دل میں محسوس کرنے لگتیں، ان دو ازلی عنصروں یعنی آگ اور پانی نے ان کے دل میں ایک ایسی عجیب ہل چل مچا رکھی تھی جو نہ جادو سے پیدا ہو سکتی ہے نہ جنون سے بلکہ اس کی بنیاد ایسی موسیقی پر تھی جو کان نہیں سن سکتے، جو تاریکیوں کو انوار سے بدل دیتی اور ٹوٹے دلوں کو جوڑ کر ان میں امید کی دولت بھر سکتی ہے۔ یہ رمز رابعہ ؒ نے خود ابدیت کی کھیتی میں بوئی تھی تاکہ وہ ان کی روح کو ہمارے عالم سے بلند ایک دنیا کی طرف لے جائے۔ ایک دن لوگوں نے انہیں ایک ہاتھ میں پانی اور ایک ہاتھ میں آگ لیے بھاگتے دوڑتے دیکھا تو دریافت کیا:

''رابعہ ؒ! کہاں؟''

انہوں نے کہا:

''آسمان کی طرف تاکہ جنت کو آگ لگا دوں اور جہنم کو ٹھنڈا کر دوں پھر لوگ ان کی وجہ سے اللہ کی عبادت نہ کریں اور کسی مادی سبب یا معنوی لالچ کے بغیر اللہ کی طرف دیکھ سکیں۔''

ان کا یہ فعل جس کے ذریعے سے انہوں نے جہنم کی تمثیل پیش کی ہے، اصل میں ثواب و عذاب کے نظریے کی جانب اشارہ ہے، وہ نفع وضرور دنوں کو اٹھا دینا چاہتی تھیں تاکہ آزاد عبادت کا رواج ہو سکے جو مزدوری نہ ہو مگر اس طرح کے دینی مطالب دنیا میں کس طرح جاری ہو سکتے ہیں، جو خیال و طاقت بشری سے بالاتر ہوں، رابعہ ؒ کے احکام و آرا ہمیشہ ان کے اپنے نفس کے مطابق ہوتے، جو غلامی میں مبتلا رہ چکا تھا۔ اس لیے وہ ہمیشہ مطلق آزادی کی خواہاں رہتیں حتیٰ کہ عبادت الٰہی کو بھی بالکل آزاد دیکھنا چاہتیں۔

رابعہ ؒ نے تصوف میں عشق الٰہی کی جدت جاری کی اور عبادت و دین کے بارے میں خلوص برتا حتیٰ کہ صفائے روح اور الہام و بصیرت میں ایک نمونہ بن گئیں، وہ ایک قدسیہ بن گئیں جن کی عبادت نہایت مقدس اور نیت انتہائی پرخلوص تھی، وہ ایک ہاتھ میں درخت کی شاخ بطور عصا لیے پیوندوں والی سفید چادر کاندھوں پر ڈالے چلی جا رہی ہیں۔ پاؤں میں چپل ہیں جن سے ان کی انگلیاں باہر کو نکلی ہوئی ہیں۔ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ سیدھی راہ نہیں چل رہی مگر رابعہؒ کا دل ایمان سے پُر اور سینہ رشد و ہدایت وجود سے بھرپور ہے۔ وہ ابداع خلق کے سر اولین کی طرف سے پیاسی ہی رہیں، اس لیے وہ جذبہ شوق کو مناجات و

Marfat.com

تاًمل سے تیز کرتی رہیں حتیٰ کہ راویوں کے بیان کے مطابق انہیں کچھ شفاف صورتیں نظر آنے اور پوشیدہ آوازیں سنائی دینے لگیں جیسا کہ جان ڈارک کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے جو آگ کے شعلوں کی نذر ہو گیا تھا۔

خود رابعہ رحمۃ اللہ علیہا بھی اس آگ سے نہ بچ سکیں جس سے وہ ڈر کر بھاگ جاتی تھیں اور چاہتی تھیں کہ انہیں نہ لگے کیونکہ اس کے روشن شعلے ان کا پیچھا کرتے تھے اور انہیں دکھائی دیتے تھے اس لیے وہ ڈری کہ کہیں اس کا خطا کار دل جو حب الٰہی سے بھرپور ہے اس آگ میں پگھل نہ جائے، اس محبت نے انہیں زار و نزار کر دیا اور ان کے دل کو رقیق بنا دیا تھا۔ اگر کہیں وہ ہمارے زمانے میں ہوتیں تو جن معانی کی انہیں تلاش تھی، انہیں زیادہ لطیف پیرائے میں پاتی کیونکہ ہم جانتے اور سنتے ہیں کہ مخترحات جدیدہ نے دنیا کا رنگ پلٹ کر رکھ دیا ہے۔ ایٹمی طاقت جو زمانہ حال کے علماء نے دریافت کی ہے اور وہ عقدہ جو اغریقی علماء نہ کھول سکتے تھے، کھول دیا ہے ممکن ہے کہ اس کا حیرت انگیز علم کچھ آپ کو حاصل ہو مگر یہ اس قسم کا علم نہ ہو جو ریاضت اور برقی طاقت کے متعلق آج کل کے لوگوں کو ہے بلکہ صرف یہ کہ معرفت الٰہی و روحانی ریاضت میں رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کے نفس کا ذرہ پھٹ کر ایک جوہر مصفا کی صورت میں تبدیل ہو گیا ہو۔

رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی محبت اس محبت کے مشابہ نہ تھی جس سے اہل اغریق آشنا تھے یا جس کا افلاطون ذکر کرتا ہے۔ نہ وہ محبت جو راہبوں اور جاہلی دور کے عابدوں میں معروف تھی بلکہ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی محبت تو آپ ہی اپنا نمونہ اور آپ ہی اپنی نظیر تھی جو رابعہؒ نے اپنی روحانی زندگی میں اختراع کی تھی۔ یہ محبت اسلامی مذاہب میں داخل ہو گئی تاکہ محبت کا ایک ایسا پاکیزہ نقشہ پیش کیا جا سکے جو اجسام میں نہیں اترتی، مجھے اکثر اورنہ کے خرافی قصے کا خیال آتا ہے جس نے جہنم کے دروازے پر کھڑے ہو کر ستار پر گانا شروع کیا تھا تو مبتلائے عذاب جہنم کی سوزش بھول گئے تھے، میں تو تہ بر تہ نیرنگیوں کے باوجود رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی خیالی تصویر دیکھ رہا ہوں مگر چکیلی لاٹھی، پرانی چمکیلی چادر اور ٹوٹے جوتوں کے ساتھ نہیں بلکہ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی شبیہ جنت کی طرف نور کا لبادہ اوڑھے ہاتھ میں بانسری لیے یہ نغمات گاتی جا رہی ہے۔

احبك حبين حب الھوی
وحبا لانك اھل لذا کا

میں تجھ سے دو طرح کی محبت کرتی ہوں ایک محبت بر بنائے محبت اور دوسری محبت جس کا تو مستحق ہے۔

فاما الذی ھو حب الھوی
فشغلی بذکرك عمن سوا کا

رہی محبت بر بنائے محبت تو وہ یہ ہے کہ تجھے یاد کرتی رہوں اور تیرے ماسوا کو بھول جاؤں۔

Marfat.com

واما الذی انت اهل له

فکشفك لی الحجب حتی ارا کا

اور وہ محبت جس کا تو مستحق ہے تو تبھی کامل ہو سکتی ہے کہ تو پردے اٹھا دے اور میں تجھے دیکھ لوں۔

فلا الحمد فی ذا ولا ذاك لی

ولکن لك الحمد فی ذا وذا

ان دونوں محبتوں کے لیے میں مستحق تعریف نہیں، قابل حمد تو ہی ہے کہ تو نے مجھے دونوں محبتوں سے سرفراز فرمایا۔

بعض صوفیہ نے اس مشہور ابیات کی توضیح کرتے ہوئے ایسی شرح پیش کی ہے جو اس روحانی وجدان کے مطابق ہے جس کی رابعہ متحمل تھیں اور صوفیانہ مذہب کے مطابق ہے۔ اس مرکب محبت کی تشریح میں جس کا ذکر رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کرتی ہیں صوفیا کے اقوال قریب قریب ہیں، اول نظر میں تو صوفیا کو اس بات پر تعجب ہوا کہ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا اپنے پروردگار سے عشق کرتی ہیں۔ وہ اس عشق کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہوئے تو بالاتفاق کہنے لگے، کہ یہ عشق بشری عشق کے مشابہ تو نہیں ہو سکتا اس لیے انہوں نے محبت بر بنائے محبت کی تفسیر اس طرح کی کہ یہ وہ محبت ہے جو ایک صوفی کو بے حد عبادت کرنے سے ہو جاتی ہے اس لیے وہ پروردگار کا مشتاق ہو جاتا ہے، ابو طالب مکی اس کے بارے میں اپنی کتاب قوت القلوب میں لکھتے ہیں:

”حب الھوی اور حب استحقاق ذرا قابل تفصیل ہیں تا کہ ناواقف پر بخوبی واضح ہو جائے۔ ارباب عقل تو جو اس قسم کا ذوق نہیں رکھتے اس کے وجود سے انکار ہی کرتے ہیں لیکن ہم اس کی حقیقت مجملاً بیان کیے دیتے ہیں۔ پہلی محبت کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تجھے دیکھا، مجھے تجھ سے عشق ہو گیا۔ یہ عشق مشاہدہ و یقین کی بنا پر تھا، کسی خبر، تصدیق یا نعمتوں کے احساس کی بنا پر نہ تھا کہ میری محبت نعمتوں کے بدل جانے سے بدل جائے، میری محبت تو بطریق مشاہدہ ہے، اس لیے میں تجھ سے قریب ہوئی، تیری طرف دوڑی، اور دوسروں کو چھوڑ کر تیری ذات میں منہمک ہو گئی۔“

رہی محبت کی دوسری قسم اس کے بارے میں مکی قوت القلوب میں لکھتے ہیں: ”یہ ذات پُر جلال سے محبت اجلال ہے، یہ کسی نعمت یا منفعت حسی کی بنا پر نہیں ہوتی اور نہ کسی جزا کی طلب گار ہوتی ہے۔“

محبت کی ان دو قسموں کی تشریح کرنے والوں کا اس امر پر تقریباً اتفاق ہے کہ اللہ کی محبت احسان انعام و افضال کی بنا پر ہے اور حب استحقاق صرف اس لیے ہے کہ وہ اس کا مستحق ہے۔ اللہ نے رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کو توفیق دی کہ وہ اس کی ذات کا نظارہ کر سکیں جیسا کہ اولاً اس نے انہیں جلوہ دکھایا تھا اس لیے قابل حمد وہی

Marfat.com

ہے۔ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا اگرچہ ان دونوں محبتوں تک پہنچ گئیں لیکن وہ کسی طرح نہ اس محبت کے بارے میں قابل ستائش ہے نہ اس محبت کے بارے میں، قابل حمد وہی ہے کہ اس نے انہیں یہاں تک پہنچا دیا۔

امام غزالی اس پر حاشیہ چڑھاتے ہوئے اپنی کتاب احیاء العلوم میں لکھتے ہیں:

''رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے حب ہوئی سے مراد وہ محبت لی ہے جو اس کے انعامات واحسانات کی وجہ سے ہے اور حب استحقاق سے مراد حب جمال وجلال ہے جس کا انکشاف بعد میں ہوا اور جو دونوں قسموں میں اعلیٰ ہے۔''

غزالی اور دیگر علماء کی نظر میں دونوں محبتوں میں سے اعلیٰ اور گراں قدر محبت دائمی شوق اور اعتراف فضل کی تلقین کرتی اور دنیا سے غافل بناتی ہے۔ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے اپنے آپ کو اس کے قابل نہ پایا بلکہ ان کا خیال ہے کہ خواہ وہ اس راہ میں کتنی ہی کوشش کریں، روز جزا میں کسی جزا کی مستحق نہیں بلکہ وہ ڈرتی ہیں کہ کہیں اس سلسلے میں ان سے تفریط وکوتاہی نہ ہو جائے، اس لیے وہ دن رات عبادت وصلوٰۃ میں ایک ایسے دل سے مشغول رہتیں جس سے معرفت ونور کے چشمے ابلتے تھے کیونکہ وہ یکتا ذات ہی اس بارے میں ان کی رہبر وہادی بنی ہے اور اس کے فیض سے ان کی زبان پر ایسی محبت کا ذکر جاری ہوا جو ہر قید سے آزاد ہے، جس کے لیے وہ ہمیشہ ھل من مزید پکارتی رہتی ہیں اور ہمیشہ اس کی قیود سے پاک ذات کی مشتاق دیدار رہتی ہیں۔

وہ معانی جن کا ذکر رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے ان اشعار میں کیا ہے، گو رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کے بعد آنے والے مفسرین نے اس کی تشریح وتوضیح قریب قریب کی ہے لیکن وہ اس مرکب محبت کے بارے میں جو محبت کی اعلیٰ ترین قسم ہے اور روح سے گھل مل جاتی ہے ایک ظریف شاعر ابونواس کے شعر کا ذکر نہ کر سکے، جس نے اس شعور کی عجیب وغریب طرز پر توضیح کی ہے۔ یہ شراب کے بارے میں ہے، ممکن ہے ابونواس ان صوفیا معانی سے آشنا ہو، کہتا ہے:

لی نشوتان وللندمان واحدۃ
شیء خصصت بہ من بینھم وحدی

مجھے دو قسم کا سکر حاصل ہوتا ہے اور میرے ندیموں کو صرف ایک ہی طرح کا، ایک سکر وہ ہے جو صرف مجھی سے مخصوص ہے۔

محبت وغیرہ کے ساتھ احساس کا گھل مل جانا ایک عجیب مسئلہ ہے جس پر جدید علماء اور علمائے نفس ہی نے بحث کی ہے کیونکہ روحانی طاقت جب اچھلتی ہے تو بارود کی طرح پھٹ پڑتی ہے، یہ عجائب روزگار ہستیوں کے کارنامے جو صفحات تاریخ میں درخشاں نظر آتے ہیں اصل میں اسی ثبات روح وفکر کا نتیجہ ہوتے ہیں جو پاور کے پھٹ پڑنے کے مشابہ ہوتا ہے۔ وہ خدا پرست، جو دین عبادت اور صوفیت میں مخلص ہوتے ہیں ان میں سے اکثر لوگوں نے بعض حالات میں اس شعوری طاقت کا کم وبیش اح۔ س کیا ہے۔

Marfat.com

ان دونوں محبتوں میں رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے سکون قلب پایا اور انہیں غم والم پسند آنے لگا، انہیں ایک روحانی سکر سا رہتا تھا حتیٰ کہ تفکر و تامل کے باعث جسم و اعضاء کی تھکن یا تکلیف کا احساس تک نہ ہوتا تھا بلکہ بسا اوقات وہ درد و کرب سے لذت محسوس کرتیں اور اس کی قطعاً پرواہ نہ کرتیں، چنانچہ روایت ہے کہ ایک دفعہ نماز پڑھتے ہوئے بورے کا تنکا ان کی آنکھ میں گھس گیا تو انہوں نے ذرا پروا نہ کی اور حسب عادت نماز پڑھتی رہیں۔ ایک بار اٹھتے ہوئے سر ایک ستون سے ٹکرا گیا۔ یہ چوٹ سخت تھی مگر آپ نے پروا نہ کی۔ حاضرین نے ان کے صبر پر تعجب کیا تو انہوں نے حال دریافت کرنے والوں سے اس صبر والم کے بارے میں کہا:

"میں دیکھ رہی تھی کہ جو کچھ ہوا اس کی مشیت سے ہوا۔ اس لیے جو کچھ تم دیکھ رہے ہو مجھے احساس تک نہ ہوا۔"

ان کے بعض کلمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چونکہ تسبیح اور تفکیر و تامل میں منہمک تھیں، اس لیے انہوں نے کسی تکلیف کا احساس نہ کیا اور دل کو کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔

اس قصے کے مشابہ خواجہ فرید الدین عطار صاحب تذکرۃ الاولیاء کی روایت ہے کہ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کے ہم نشیں اکثر ان کے پاس آیا کرتے اور بات چیت، سوال و جواب کرتے ایک دفعہ وہ صدق و عبادت کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے تو رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے پوچھا:

"بتاؤ صدق کسے کہتے ہیں؟"

اس مجلس میں امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، بلخی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

ایک روز حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی خدمت میں گئے۔ صدق و صفا کے متعلق بات چیت ہو رہی تھی۔ ان میں سے کسی نے کہا بلکہ غالب گمان یہ ہے کہ ان کے سوا کسی اور عابد و زاہد نے کہا: لیس بصادق فی دعواہ من لم یصبر علی ضرب مولاہ وہ آدمی اپنے دعوے میں سچا نہیں ہے جو خدا کے پہنچائے ہوئے زخم پر صبر نہ کرے۔ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے کہا، اس بات میں خودی کی بو آتی ہے۔ حضرت بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا لیس بصادق فی دعواہ من لم یشکر علی ضرب مولاہ وہ اپنے دعوے میں سچا نہیں جو خدا کے پہنچائے ہوئے زخم پر شکر ادا نہ کرے۔ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا، تم بھی کچھ کہو، انہوں نے فرمایا، جسے اپنے دوست کے دیئے ہوئے زخم سے لذت محسوس نہ ہو وہ اپنے دعوے میں سچا نہیں۔ اس کے بعد ان تینوں حضرات نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے کہا اب آپ اپنی رائے بیان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا لیس بصادق فی دعواہ من لم ینس الم الضرب فی مشاھدۃ مولاہ۔ وہ آدمی اپنے دعوے میں سچا نہیں جو اپنے محبوب کے مشاہدہ میں اس کے پہنچائے ہوئے زخم کی تکلیف محسوس کرے۔ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کا

Marfat.com

جمال دیکھ کر پھل کے بجائے ہاتھ زخمی کر لئے تھے، اور ذوقِ نظارہ میں انہیں اس زخم کی تکلیف کا احساس تک نہ ہوا۔ اگر کسی شخص کی حالت خدا کی محبت میں ایسی ہو جائے تو اس کا کیا کہنا۔

یہ مکالمہ خواہ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا اور ان کے ساتھیوں کے درمیان حقیقتاً ہوا ہو یا نہ ہو بلکہ تحریف شدہ روایت ہو کہ بنانے والوں نے بات کو اس طرح ایک سلسلہ دار شکل دے دی، بہر حال یہ ایک مخلص صوفی کے احساسات کی تعبیر ضرور ہے جو رات دن عالم بالا میں مستغرق اور تضرع و زار میں مصروف رہتا ہو، کسی چیز کی پروا کیے بغیر اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہو اور دورانِ تجلیات میں تکلیف و الم کا احساس تک نہ کرتا ہو۔

جس طرح رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے دوستوں سے صدق کے بارے میں دریافت کیا تھا تاکہ وہ لوگ زہد و تعبد میں صحیح ادب حاصل کر سکیں اسی طرح انہوں نے ہم نشینوں سے سخاوت کے بارے میں سوال کیا کہ سخاوت کسے کہتے ہیں؟

سفیان ثوری نے جواب دیا:

”اہل دنیا کے نزدیک سخی وہ ہے جو مال لٹاتا ہے اور اہل عقبیٰ کے نزدیک سخی وہ ہے جو جان لٹاتا ہے۔“

رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے کہا: ”اے لوگو تم غلطی پر ہو۔“

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بولے: ”تو پھر آپ کے خیال میں سخاوت کسے کہتے ہیں؟“

رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے کہا:

”یہ کہ تو اس کی عبادت صرف محبت کی بنا پر کرے نہ کہ ثواب و جزا کے لالچ سے۔“

اس قسم کے اور دوسرے مکالمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا فصل خطاب کی مالک تھیں، عابد، زاہد، عارف اور صوفی حضرات نے ان کی فضیلت اور حسن کلام کا اعتراف کیا ہے اور انہیں معلمہ، ناصحہ اور مؤدبہ تسلیم کیا ہے۔

مشہور صوفی صالح مری رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی مجلس میں آیا کرتے تھے۔ بڑے شوق سے ان کی باتیں سنا کرتے اور جو بات سمجھ میں نہ آتی اسے دریافت کیا کرتے، ایک دن وہ بار بار کہے جاتے تھے:

”جو شخص برابر دروازہ کھٹکھٹاتا رہے گا یقیناً اس کے لیے کھولا جائے گا۔“

رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے سنا تو جھڑکتے ہوئے بولیں:

”تو کب تک یہی کہتا رہے گا؟ یہ دروازہ کب بند کیا گیا جو کھولا جائے گا!“

صالح نے کہا:

”بوڑھا جاہل نکلا اور عورت واقف نکلی۔“

اس بڑے بھاری صوفی نے یہ کہہ کر ان کے علم و معرفت کا اقرار کر لیا جس طرح پہلے بھی ان کے

Marfat.com

دیگر ہم عصر اقرار کر چکے تھے۔ آپ کی باتوں اور مکالمات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علم توحید کی بڑی عالم تھیں، آپ ذات الٰہی تک پہنچ چکی تھیں جو حدود و قیود سے بالا ہے، آپ جانتی تھیں کہ اللہ کا دروازہ کوئی چوکھٹ، قفل اور کنجی والا نہیں، یہ تو اصل میں کون و وجود کے بارے میں رموز ہیں کیونکہ اللہ تو مقید و محدود نہیں ہو سکتا وہ تمام آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔

شیخ کی یہ بات ہمیں خلیفہ عادل حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی بات یاد دلاتی ہے کہ ایک دن انہوں نے ایک عورت کے علم و فضل کا اقرار فرمایا اور اپنی غلطی کا اقرار کیا، آپ وراثت نسواں پر تقریر اور طلاق کا ذکر کر رہے تھے تو انہوں نے اس عورت سے فرمایا جس نے ان کی غلطی پکڑی تھی:

"مرد نے غلطی کی اور عورت نے درست کہا۔"

بڑے بڑے لوگ فضیلت کی بنا پر رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی قدر و منزلت کرتے تھے، ورنہ مرد کب عورت کی عزت کرتے ہیں جب تک یہ نہ دیکھ لیں کہ وہ ان سے بڑھی ہوئی ہے۔ ہر زمانے اور ہر شہر میں مردوں کی یہی عادت رہی ہے مگر رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے حقیقتاً ایک مقام پیدا کر لیا تھا کہ کوئی رمز اور کوئی بات انہیں دشوار معلوم نہ ہوتی تھی، ایک دفعہ ایک عالم نے دریافت کیا:

"آپ تو بڑی ماہر ہیں۔ کیا آپ سرحد کی حفاظت کے لائق نہیں؟"

رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے جواب دیا:

"میں تو آج کل بھی سرحد کی محافظ ہوں کیونکہ میں کسی چیز کو اندر سے نکلنے نہیں دیتی اور کسی بیرونی چیز کو اندر داخل ہونے نہیں دیتی۔"

سائل نے یہ سوال رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کے حسن بیاں کا امتحان لینے کے لیے کیا تھا۔ اس نے آپ کو ان لوگوں سے تشبیہ دی جو سرحد کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ لوگ بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ آپ کو یہ تشبیہ پسند آئی تو اس پر حاشیہ چڑھاتے ہوئے کہا کہ میں تو خود ہی اس کام پر لگی ہوئی ہوں۔

بلاشبہ انسانی زندگی سرحدی علاقے کے مشابہ ہے کہ دشمن ہر وقت تاک میں رہتا ہے، یہ دشمن بدکرداریوں اور خطاؤں کے سوا کون ہو سکتا ہے، انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے قلعے کے اندر سے چھپے ہوئے دشمن یا تاراج کرنے والے کے مقابلے پر ڈٹا رہے تاکہ مدافعت کر کے اپنے آپ کو ہلاکت سے بچا سکے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا ظاہری و باطنی تعبیرات میں بڑی ماہر ہیں، وہ مکالمات میں خوب کنایہ و توریہ سے رموز و اسرار میں بات کرتی ہیں، البتہ محبت الٰہی کے بارے میں انہوں نے رموز و اسرار کے پردے چاک کر دیے اور نہایت واضح و صریح الفاظ میں صوفیانہ معانی بیان کیے ہیں چنانچہ ان سے پوچھا گیا:

"تو نے اس محبت کو جو بڑی مشقت سے حاصل کی ہے کیسے پایا؟"

رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے کہا:

Marfat.com

"عاشق و معشوق میں کوئی فرق نہیں، یہ تو ذوق وشوق کی باتیں ہیں۔ جس نے مزہ چکھا ہے وہی جانتا ہے اور جو بیان کرتے پھرتے ہیں وہ نہیں جانتے۔ تو کس طرح اس ذات کی صفت کرسکتا ہے جس کے سامنے تو غائب ہو، جس کے وجود سے تیرے وجود کو دوام ہو اور جس کے شہود میں تو غیر حاضر ہو۔

"ہیبت زبان کو گونگا کر دیتی ہے، حیرت دل کو اظہار سے روک دیتی ہے، غیرت نظروں کے لیے حجاب ہے اور دہشت عقول کو اقرار سے روکتی ہے تو یہاں ایک دائمی دہشت اور ابدی حیرت ہے، دل سرگشتہ و فریفتہ ہیں اور اسرار ہیں کہ پوشیدہ ہیں۔"

کوئی بڑی بات نہیں اگر یہ نادر تصویر کشی رابعہ ؒ کی ہو کیونکہ وہ فن کلام کی ماہر، عارفوں کی رہبر اور صوفیوں کی قائد تھیں، وہ ایک عرصے تک اس راہ میں مجاہدات کرتی رہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عاشق زاد جسے عشق نے زار و نزار کر دیا، لطافت نفس کی بنا پر لطیف تعبیر کا محتاج ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے اندر ایک مصنوعی شخصیت فرض کر لیتا ہے، رابعہ ؒ جب کبھی حب الٰہی کی تجلیات بیان کرتی ہیں تو مقفیٰ و مسجع عبارت استعمال کرتی ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں کہ رابعہ ؒ کی طرف ان عبارتوں کی نسبت صحیح ہے یا نہیں کیونکہ ابتدائے اسلام میں تو اس قسم کی عبارتوں کا رواج نہ تھا۔ یہ تو زمانہ مابعد کی باتیں ہیں جب تکلف پسند لوگوں کا دور آیا۔ معاملہ جو کچھ بھی ہو، بہرحال یہ مسجع فقرے ایک مقناطیسی قلبی کشش، صاف عشق اور ذکر الٰہی سے بھرپور ہیں۔

رابعہ ؒ کی روح ان کے جسم میں دوڑ رہی تھی مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی ان سے جدا بھی ہو جاتی تھی پھر لوٹ آتی تھی حتیٰ کہ وہ تجریدی درجے تک پہنچ گئی تھی جیسا کہ ان کے حوادث و مجالس سے معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً آخر عمر میں تو انہوں نے تمام پردے اٹھا دیے تھے، چنانچہ کہتی ہیں:

"میرے اور خدا کے درمیان کوئی فرق نہیں۔"

یہ زبردست جسارت خالق و مخلوق کے درمیان تفریق اٹھا دیتی ہے۔ تفریق تو ضروری اور دائمی ہے خواہ وہمی طور پر ہی کیوں نہ ہو اس لیے سکر کی بنا پر رابعہ ؒ کا یہ کہنا کسی طرح قابل عفو نہیں ہو سکتا کیونکہ ایسے اقوال اسرار وجود کو منہدم کر دیتے ہیں۔

ہمیں معلوم نہیں کہ مخلوق و خالق کے درمیان جو آداب قابل لحاظ ہیں ان کی خلاف ورزی کس حد تک قابل عفو ہوتی ہے۔ رابعہ ؒ کی حالت اپنی بعض تسبیح و مقامات روحیہ میں کچھ ایسی ہو گئی تھی جیسے کوئی ناز پروردہ بچہ والدین سے گستاخی کر بیٹھتا ہے، مگر صوفیا کے دائرہ ادب میں ہم وارفتہ عشاق کی زبانی ایسی بہت سی باتیں سنتے ہیں۔

اسی والہانہ انداز کی ایک نظم رابعہ ؒ کی طرف منسوب ہے:

Marfat.com

كاسى وخمرى والنديم ثلاثه
وانا المشوقة فى المحبة رابعه

جام، شراب اور ندیم ان تینوں کے درمیان میں وارفتہ محبت چوتھی ہوتی ہوں۔

كاس المسرة والنعيم يديها
ساقى المدام على المدى متتابعه

سرور وراحت کے پیالے کا دور ساقی پے در پے چلاتا رہتا ہے۔

فاذا انظرت فلا ارى الا له
واذا حضرت فلا ارى الامعه

جب میں نگاہیں اٹھاتی ہوں تو اسی کو دیکھتی ہوں، اور جب میں ہوتی ہوں تو اسی کے ساتھ ہوتی ہوں۔

يا عاذلى انى احب جماله
تالله ما اذنى لعذلك سامعه

اے ناصح مجھے اس کے جمال سے محبت ہے واللہ میرے کان تیری نصیحت سے بہرے ہیں۔

كم بت من حرقى و فرط تعلقى
اجرى عيونا من عيونى الله معه

میں نے کتنی راتیں اس کی محبت میں جلتے ہوئے گزاری ہیں کہ میری آنکھیں آنسوؤں کے دریا بہا رہی تھیں۔

لا عبرتى ترقا ولا وصلى له
يبقى ولا عينى القريحة هاجعه

نہ میرے آنسو تھمے نہ وصل دائم رہا نہ میری زخمی آنکھ پل بھر کے لیے جھکی۔

ہماری عقل اور ہماری تنقید ان اشعار کے سامنے نہیں ٹھہرتی کیونکہ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نہ گھٹنے والی بلند محبت میں حد سے بڑھ چکی ہیں۔ علاوہ بریں یہ ابیات اگرچہ اپنے اندر نادر تعبیر وتصویر رکھتے ہیں مگر ان میں ایسی بے تکلفی ٹھاٹھیں مارتی ہے جو آدابِ محبت وحرمت تصوف کے حق میں نہیں۔

رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی زبان سے اس قسم کے اشعار نکل جانا ناقابل تعجب نہیں کیونکہ ان کا دل شعر بن کر زبان پر ٹپک پڑا تھا، ادھر اس زمانے کے لغت و بیان نے ان کی مدد کی۔ یہ بات یقینی ہے کہ ان کی دینی ثقافت، روایاتِ حدیث اور حفظ اوراد واذکار نے اس راہ میں بسلسلہ اخذ واقتباس ان کی مدد کی ہوگی۔

Marfat.com

ان کے یہ صوفیانہ رموز قدرت زبان اور حسن تعبیر پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ اشعار جو ان کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں، اگر چہ ہلکے پھلکے اور نرم ہیں مگر ان کے صوفیانہ معانی بلاشبہ عمدہ اور بلند ہیں، رابعہؒ کے بعد صوفی شعرا نے اس قسم کے معانی عجب عجب طریقوں سے بیان کیے ہیں، اور وہ تعبیر و توریہ میں حدود سے بہت زیادہ تجاوز کر گئے ہیں کیونکہ وہ خدائی سکر، روحانی خم، اور سماوی شرابوں سے سرشار تھے بلکہ یہ صوفیانہ اشعار، قوالی و میلاد کی مجالس کے اشعار سے بہت زیادہ قریب ہیں۔

زہد و تصوف کے بارے میں رابعہؒ کے اشعار و اقوال اسی طور کے ہیں، وہ اصل میں یا تو ایک مناجات ہیں جس نے جذبات و تخیل سے بھرپور غزل کا لباس پہن لیا ہے، یا کسی ایسی نظم کے بند ہیں جو مجالس ذکر میں اکثر پڑھے جاتے تھے۔ کسی بحث کرنے والے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ تمام اشعار و اقوال پر بحث کرے جب ان میں سے اکثر رابعہؒ کی طرف غلط طور پر منسوب ہو گئے ہیں۔ ذیل میں ہم اس دعائے منظوم کا ایک نمونہ پیش کرتے ہیں۔

یا سروری و منیتی و عمادی
وانیسی وعدتی ومرادی

اے میرے سردار میرے مقصود میرے سہارے، اے میرے انیس، اور اے میرے متاع و مراد

انت روح الفواد انت رجائی
انت لی مونس و شوقك زادی

تو میری جان ہے تو میری امید ہے تو میرا مونس ہے اور تیری محبت میرا توشہ ہے۔

کم بدت منه وکم لك عندی
من عطاء و نعمة را یادی

مجھ پر تیرے کس قدر احسانات ہیں اور کتنے عطیات، نعمتیں اور بخششیں ہیں۔

حبتك الان نبیتی و نعیمی
وجلاء بعین قلبی الصادی

اب تو تیری ہی محبت راحت و آرزو ہے، اور میرے پاس دل کی آنکھ کی جلا ہے۔

لیس لی عنك ماحییت براح
انت منی متمکن فی السوادی

میں جب تک زندہ ہوں تجھے ایک پل بھول نہیں سکتی، تو میرے سویدائے قلب میں متمکن ہے۔

Marfat.com

ان تکن راضیا علی فانی
امنی القلب قدیدا اسعادی

اگر تو مجھ سے راضی ہے تو اے آرزوئے دل میں بڑی خوش نصیب ہوں۔

جب رابعہ رحمۃ اللہ علیہا سے اس عزلت پسندی اور ہم نشینوں کے ترک کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا:

راحتی یا اخوتی فی خلوتی
رجیبی دائماً فی خضرتی

اے میرے بھائیو! مجھے خلوت ہی میں راحت ملتی ہے، کیونکہ میرا دوست ہر دم میرے سامنے رہتا ہے۔

لم اجدلی عن هواه عوضا
وهواه فی البرا یامحنتی

میں نے اس کی محبت سے بہتر کوئی بدل نہیں پایا اور اسی کی محبت دنیا میں میرا مطمح نظر ہے۔

ان امت وجدا وما ثم رضا
واعنائی فی الوری واشقرتی

اگر میں غم عشق سے مر جاؤں اور وہ راضی نہ ہو تو صد افسوس ہے میری بدبختی اور میری جاں کاہی پر۔

وجرت الخلق جمعا ارتجی
منك وصلاً فهوا قصی منیتی

میں نے ساری مخلوق کو اس امید پر چھوڑا ہے کہ تیرا وصل میسر آئے کیونکہ یہی میری سب سے بڑی آرزو ہے۔

گو ان اشعار کا وزن، قافیہ، نظم اور معنی سب اس طرز کے ہیں جو قوالوں کا تھا پھر بھی ان سے پتا چلتا ہے کہ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا شاعرانہ طبیعت رکھتی تھیں اور وہ جو کچھ مجالس ذکر و تصوف میں سنتیں یا شب بیداریوں میں محسوس کرتی تھیں، یہ ابیات اس کا آئینہ ہیں۔

حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا شعر کے پردے میں عشق و وارفتگی کا اس طرح اظہار کر گئی ہیں کہ ایسا اس سے پہلوں نے نہیں کیا۔ بعض معاصرین نے اس سلسلے میں بہت زیادہ بحث کی ہے۔ خصوصاً دو مستشرقین جنہوں نے اسلامی تصوف پر قلم اٹھایا ہے مگر میرے خیال میں انہوں نے حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا سے انصاف نہیں کیا اور اسے اچھی طرح نہیں پڑھا جس سے ان کی زندگی کے اسرار کھلیں اور پوری روشنی پڑ سکے۔ ان لوگوں نے

Marfat.com

حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی محبت کو عشق سے تعبیر کیا ہے اور چونکہ انہوں نے حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا سے پیشتر کے مسلمانوں کو اس درجے پر نہیں پایا کہ وہ بالکل عشق ہی کے ہو رہے ہوں اور حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی طرح فنا فی الحب ہو گئے ہوں اسی لیے وہ ان کی محبت اور ان کی صوفیانہ تعلیمات کو غیر اسلامی قرار دیتے ہیں۔

شہر عشق کی ایک خاص زبان، خاص آثار اور خاص محاورات ہیں جن سے سربستہ راز کھلتے ہیں، اس لغت کی ایک خاص قاموس ہے جو سینوں میں محفوظ ہے اگرچہ آج تک طبع نہیں ہوئی کیونکہ ہر کلمہ اور ہر تعبیر کے لیے صوفیا کے ہاں مخصوص رموز ہیں۔ اس کا سہرا بھی رابعہ رحمۃ اللہ علیہا ہی کے سر ہے جنہوں نے اس قاموس میں کلمات اولین درج کیے بلکہ وہ سب سے پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے تصوف اسلامی میں حب الٰہی کو داخل کیا۔ جب اس شہر کے دروازے پر محبت وحب کے کلمات پہنچے تو شہر کے چوکیداروں یعنی ماہر صوفیوں کو یہ کلمات اوپرے معلوم ہوئے کیونکہ وہ خیال کرتے تھے کہ یہ چیز افلاطونیت یا یہودیت ومسیحیت کی تعلیمات سے ہے۔ ہماری مجالس میں اسے رواج نہ پانا چاہیے۔ اس لیے عشق کا لفظ زیادہ موزوں ہے کہ لے لیا جائے۔ شاید انہوں نے حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی خوشنودی کے لیے جو اس شہر کی بانی ہیں، اس معزز مہمان کو اپنے شہر میں داخل کر لیا اس لیے کلمہ عشق شہر کی چار دیواری میں گشت کرتے ہوئے صوفیا کی قاموس میں داخل ہو گیا تاکہ اپنے حروف ثلاثہ کے ذریعے سے اس نادرۂ روزگار خاتون کی تاریخ کی تعبیر کر سکے جنہوں نے اس لفظ کے عین کو اپنی بینا آنکھیں، شین کو اپنا شوق وذوق اور قاف کو اپنا قلب سلیم عطا کیا۔

حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کا یہ مذہب ساری دنیا میں پھیل گیا، اگر شمار کیا جائے تو لاکھوں انسان جنت کے دروازے پر کھڑے نظر آئیں گے، ہر ایک اپنی نوبت کا منتظر ہوگا کہ جنت میں داخل ہو لیکن اگر باب جنت پر رضوان کھڑا ہو جائے اور یہ اعلان کر دے کہ اس دروازے سے صرف "عاشق" داخل ہوں گے تو اولین داخل ہونے والوں میں حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا یقیناً شامل ہوں گی۔

Marfat.com

باب ششم

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا اور ان کے ہم عصر بزرگانِ دین

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا پہلی صدی ہجری کے آخر میں پیدا ہوئیں۔ ان کا دور عظیم اور سنہری دور تھا۔ اس دور میں اسلامی تہذیب و تمدن اپنے عروج پر تھا، صحابہ اور تبع تابعین کے دور میں مخلص اور تربیت یافتہ افراد موجود تھے۔ اسلامی فتوحات نے دنیا پر اپنا اثر ڈالا، اسلامی تہذیب و تمدن دنیا کی توجہ کا محور تھا، علم و ادب ترقی کر رہا تھا۔ ہر شعبے کے عظیم لوگ موجود تھے، خصوصاً علومِ اسلامیہ اپنے عروج پر تھے۔ روم، ایران، ہندوستان تک اسلام اثر انداز ہو رہا تھا۔ عزت و عظمت کا محور اسلام تیزی کے ساتھ پھیل رہا تھا۔ شام و عراق کے اطراف تہذیب و تمدن سے جگمگ کر رہے تھے، اس وقت بصرہ تہذیب و ثقافت کا مرکز تھا۔ حضرت رابعہ کا زمانہ 95 یا 99 ہجری سے 180 ہجری تک بنتا ہے۔ بصرہ کے حوالے سے تفصیلی گفتگو ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ اس وقت تاریخ اسلام کی بڑی بڑی شخصیات جیسا کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ امام مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فضل رقاشی، عبدالواحد بن زید، صالح مری جیسے بلند پایہ لوگ بصرہ میں موجود تھے، حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ باعمل عالم اور زاہد و متقی تھے، آپؒ کی والدہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی کنیز تھیں، آپؒ نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا دودھ مبارک بھی پیا تھا۔

روایت ہے کہ بچپن میں ایک دن آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالے میں سے پانی پی لیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ میرے پیالے کا پانی کس نے پیا ہے؟ تو ام المومنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: حسن نے۔ یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے جس قدر پانی میرے پیالے سے پیا ہے اس قدر میرا علم اس میں نفوذ کر گیا۔

ایک اور روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لائے تو انہوں نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کی آغوشِ مبارک میں ڈال دیا، اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے بھلائی کی دعا فرمائی اور اس دعا کی برکت سے آپ کو بے پناہ مراتب حاصل ہوئے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جب پیدا ہوئے تو انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کا نام حسن رکھو، کیونکہ آپ بہت خوبصورت تھے، ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے

Marfat.com

آپ کی تربیت فرمائی اور ہمیشہ یہ دعا فرماتیں کہ اے اللہ حسن کو مخلوق کا رہنما بنا۔

آپؒ نے ایک سو بیس صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین سے شرف و نیاز حاصل کیا جن میں ستر کے قریب بدری صحابہ تھے، حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ ایک روایت کے مطابق ستر سال آپ ہمہ وقت باوضو رہے اور اپنے ہمعصر بزرگوں میں ممتاز ہوئے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہم سے زیادہ افضل اس لیے ہیں کہ علم کی ہر فرد کو ضرورت ہے اور ان کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی حاجت نہیں۔ اس لیے وہ ہمارے سردار ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہر ہفتے وعظ فرمایا کرتے تھے مگر جب تک حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا شریک نہ ہوتیں آپ وعظ نہ فرماتے، لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے وعظ میں بڑے بڑے بزرگ حاضر ہوتے ہیں پھر آپ صرف ایک بوڑھی عورت کے نہ ہونے سے وعظ کیوں ترک کر دیتے ہیں؟ فرمایا، ہاتھی کے برتن کا شربت چیونٹیوں کے برتن میں کیسے سما سکتا ہے، اور آپ کو دوران وعظ جوش آ جاتا تو رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے فرماتے کہ یہ تمہارے ہی جوش اور گرمی کا اثر ہے۔

روایت ہے کہ ایک روز حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا جنگل میں پہاڑ پر بیٹھی ہوئی تھیں، آپ کے اردگرد وحشی جانوروں کا ہجوم تھا، اتنے میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ تمام جانور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر بھاگ گئے، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے دریافت فرمایا: آج آپ نے کیا تناول فرمایا ہے؟ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ''یخنی۔'' تب رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے جواب دیا: آپ ان جانوروں کا گوشت اور چربی کھاتے ہیں پھر وہ آپ کو دیکھ کر بھاگیں نا!

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اکثر بالا خانہ پر مصروف عبادت ہوتے۔ ایک دن حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے دیکھا کہ آہ وزاری کے ساتھ ان کے آنسو نیچے گر رہے ہیں۔ آپ نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا، آنسو بہانے کا کیا فائدہ! آنسوؤں کی حفاظت کرنی چاہیے، تاکہ وہ اندر ہی اندر ایک دریا کی شکل اختیار کر لیں اور اس دریا میں آپ کا دل گم ہو جائے۔ تلاش کرنے پر اگر ملے تو اللہ کے پاس، یہ سن کر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے۔

ایک روز حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ دریائے فرات کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے مصلیٰ پانی پر بچھا کر فرمایا: آؤ رابعہ دو رکعت نماز پڑھ لیں...... حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا...... دنیا کے بازار میں اہل آخرت کو اس شان سے رہنا چاہیے کہ دوسروں کو وہ بات حاصل نہ ہو، اور اپنا مصلیٰ ہوا میں پھینک کر فرمایا آپ یہاں آئیں، لوگوں سے چھپ کر نماز اچھی طرح ادا ہو گی، آپ نے جو کچھ کیا یہ کام مچھلیوں کا ہے اور میں نے جو کچھ کیا یہ کام مکھیوں کا ہے، عبادت نہ اِس طرح ہوتی ہے نہ اُس طرح...... اس کا طریقہ ہی کچھ اور ہے۔

ایک موقع پر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بیمار ہو گئیں۔ بیماری کا سبب یہ تھا کہ صبح کے وقت ان کے دل

Marfat.com

میں جنت کا خیال آ گیا تھا۔ اس بات پر خدا کی طرف سے گرفت ہوئی تھی۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ان کی مزاج پرسی کے لیے آئے۔ جس وقت حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کے مکان پر پہنچے آپ نے دیکھا کہ مکان کی چوکھٹ پر ایک رئیس سر رکھے پڑا ہوا ہے اور سامنے دیناروں کی ایک تھیلی رکھی ہوئی ہے۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں کی آہٹ سن کر اس رئیس نے سر اٹھایا۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا، کیوں رو رہے ہو کیا بات ہے؟ اس رئیس نے جواب دیا کہ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا عابدہ زاہدہ کی خدمت میں دیناروں کی ایک تھیلی پیش کرنے کے لیے آیا ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ انکار نہ فرما دیں۔ اگر میری سفارش فرما دیں تو آپ کا بہت شکر گزار ہوں گا۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مکان کے اندر گیا، اور حضرت بی بی رابعہ کو اس رئیس کا پیغام پہنچایا۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے ان کی طرف گوشہ چشم سے دیکھتے ہوئے کہا کہ حسن تمہیں معلوم ہے کہ جو شخص خدا کو برا بھلا کہتا ہے خدا اس کا رزق نہیں چھینتا، لیکن جو لوگ خدا کی محبت کا دم بھرتے ہیں، وہ ظاہری رزق سے محروم رہتے ہیں۔ نہ معلوم وہ دینار حلال کمائی کے ہیں یا حرام کے، میں کیوں قبول کروں؟

حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا کہ ایک روز میں نے سرکاری روشنی میں کھڑے ہو کر اپنا پھٹا ہوا پیراہن سی لیا۔ اسی وقت میرے دل میں ایک گرہ سی لگ گئی اور جب تک اپنے سیئے ہوئے چاک نہیں کر دیا، اس وقت تک وہ گرہ دور نہ ہوئی۔

حضرت عبدالواحد عامر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں اور سفیان رحمۃ اللہ علیہ دونوں حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی مزاج پرسی کے لیے گئے۔ وہ اس وقت بیمار تھیں۔ مجھ پر ان کی ہیبت اس قدر طاری ہوئی کہ میں ان سے بات نہ کر سکا۔ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہو کیسے آنا ہوا، حضرت سفیان نے کہا، رابعہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تا کہ یہ مصیبت تمہارے اوپر ہلکی ہو جائے۔ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا، سفیان تمہیں معلوم نہیں کہ یہ تکلیف خداداد ہے؟ سفیان نے جواب دیا، ہاں۔ آپ نے فرمایا جب تم یہ جانتے ہو کہ تکلیف خداداد ہے تو میں اپنے دوست کے منشاء کے خلاف اس سے کس طرح درخواست کروں؟ حضرت سفیان نے کہا، تمہاری کوئی خواہش ہے؟ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے جواب دیا۔ تم اہل علم ہوتے ہوئے ایسی بات کہہ رہے ہو۔ بارہ سال سے میری طبیعت چھوہارے کھانے کو چاہ رہی ہے اور بصرہ میں چھوہارے پیدا نہیں ہوتے۔ میں نے بارہ سال سے چھوہارے نہیں کھائے۔ میں تو غلام ہوں غلام کی کوئی آرزو نہیں ہوتی۔ اندریں حالات اگر میں کسی چیز کی خواہش کروں اور خدا کو منظور نہ ہو تو یہ کفر نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا، حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں آپ کے معاملہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آپ میرے متعلق کچھ فرمایئے۔ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا کہ اگر تم دنیا کو دوست نہ رکھتے تو بہت اچھے آدمی تھے۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا وہ کیسے۔ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے جواب دیا، جاہلیت کی باتیں تو کرتے ہو۔ یہ سن کر حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ پر رقت طاری ہو گئی۔

Marfat.com

ایک روز حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے پاس گئے۔ حضرت رابعہ کے سامنے ایک ٹوٹا ہوا کوزہ پانی کا رکھا ہوا تھا۔ آپ کوزہ سے پانی پی رہی تھی اور وضو بھی کر رہی تھی۔ آپ کے حجرہ میں ایک بوسیدہ چٹائی بچھی ہوئی تھی، تکیہ کے بجائے سرہانے اینٹیں رکھی ہوئی تھیں، حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کی یہ حالت دیکھ کر میرا دل بھر آیا۔ میں نے حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا سے کہا کہ میرے کئی دوست احباب مالدار ہیں اگر تم کہو تو ان سے تمہارے متعلق کچھ کہا جائے۔ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے جواب دیا، مالک، ایسی غلطی نہ کرنا۔ کیا مجھے اور انہیں روزی دینے والا ایک نہیں ہے؟ میں نے کہا ہاں، کیوں نہیں! حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے کہا۔ کیا رزق دینے والا ہم درویشوں کو بسبب ہماری درویشی کے بھول گیا ہے اور بسبب تونگری کے مالداروں کو یاد رکھتا ہے؟ میں نے کہا، نہیں۔ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا، جب ہمیں یہ بات معلوم ہے تو ہم اس کی رضا پر راضی ہیں، جو وہ چاہتا ہے ہم اس پر خوش ہیں۔

ایک روز بصرہ کے کوئی شیخ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کے سرہانے بیٹھ کر دنیا کی مذمت بیان کرنے لگے۔ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا، دنیا کی کیا مذمت بیان کرتے ہو! تم پکے دنیا پرست اور دنیا دوست ہو، اگر تمہیں دنیا سے محبت نہ ہوتی تو دنیا کا ذکر بار بار نہ کرتے۔ آدمی کو جس چیز سے محبت ہوا کرتی ہے وہ اس کا ذکر بار بار کیا کرتا ہے۔

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں ایک روز ظہر کے وقت حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے پاس گیا۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے اسی وقت گوشت پکانے کے لیے ہانڈی میں چڑھایا تھا۔ ہمیں باتیں کرتے کرتے عصر کا وقت ہو گیا، عصر کی نماز پڑھ کر حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا خشک روٹی کے چند ٹکڑے اور دو کوزے ٹھنڈا پانی لے کر چولہے کے پاس بیٹھ گئیں، مجھے بلایا حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے پکا ہوا گوشت ایک رکابی میں اتار کر سامنے رکھا۔ وہ گوشت اتنا مزیدار پکا ہوا تھا کہ اس سے زیادہ لذیذ گوشت میں نے کبھی نہیں کھایا تھا۔

حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں بعد مغرب حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کے مکان پر گیا۔ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نماز پڑھنے لگیں، یہاں تک کہ صبح ہوئی، میں بھی ایک گوشہ میں مصروف عبادت ہو گیا۔ جب صبح ہوئی تو حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ تو نے ہمیں بھی اپنی عبادت کی توفیق عطا فرمائی۔ اب دن میں اس نعمت کے شکرانے میں روزہ رکھوں گی۔

حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا خدا تعالیٰ سے مناجات کیا کرتی تھیں۔

اگر تو نے قیامت کے دن مجھے دوزخ میں بھیجا تو میں ایک ایسا راز آشکارا کر دوں گی کہ دوزخ بھی مجھ سے ایک ہزار سال کی مسافت پر بھاگ کر چلی جائے گی۔

Marfat.com

یا الٰہی تو نے دنیا میں ہماری قسمت میں جو کچھ لکھا ہے وہ اپنے دشمنوں کو دے اور آخرت کی نعمتیں جو کچھ لکھی ہیں وہ اپنے دوستوں کو عطا کر اور مجھے تو بس تو ہی کافی ہے۔ اے خدا اگر میں تیری عبادت دوزخ کے خوف سے کرتی ہوں تو مجھے دوزخ میں جلا، اور اگر میں جنت کے طمع سے کرتی ہوں تو جنت کو میرے اوپر حرام قرار دے دے اور اگر میں تیری صرف تیرے لیے پرستش کرتی ہوں تو مجھے اپنے جمالِ لازوال سے محروم نہ رکھ۔

اے خدا اگر تو نے مجھے دوزخ میں ڈالا تو میں فریاد کروں گی کہ میں تجھے دوست رکھتی تھی تو نے اپنے دوست کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ ندا آئی لا تظنی بنا ظن السو میرے متعلق برا گمان نہ رکھ۔

اے خدا دنیا میں میری تمام آرزو تیری یاد ہے اور آخرت میں تیری ملاقات۔ اے خدا میری گزارش بس یہی ہے اب جو تیرا جی چاہے کر تجھے اختیار ہے۔

کبھی کبھی مناجات میں یہ عرض کیا کرتی تھیں۔ ''اے خدا میرے دل کو حاضر کر میری غیر حضوری و بے دلی کی نماز کو قبول فرما۔

تذکرہ اولیا میں ہے کہ حضرت سلطان ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ چودہ سال میں مکہ معظمہ پہنچے تھے، آپ کو خیال پیدا ہوا کہ لوگ بیت اللہ کی زیارت کے لیے جا رہے ہیں چنانچہ آپ اپنے مکان سے دو رکعت نماز ہر قدم پر ادا کرتے ہوئے چل دیے۔ چودہ سال بعد مکہ معظمہ پہنچے تو وہاں بیت اللہ نظر نہ آیا۔ حیران رہ گئے یہ کیا ماجرا ہے؟ کیا میری آنکھوں میں فتور پیدا ہو گیا کہ بیت اللہ کی زیارت سے محروم رہا؟ غیبی ندا آئی تیری آنکھوں میں کوئی خلل نہیں ہے۔ بیت اللہ ایک ضعیف عورت کے استقبال کے لیے گیا ہوا ہے، اس واقعہ سے حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ پر حیرت طاری ہوئی۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے ملے۔ فرمایا، اے رابعہ تو نے کیا کر رکھا ہے؟ چہار دانگ عالم میں تیرا شہرہ ہے۔ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے جواب دیا۔ غلط بات ہے۔ دنیا میں شہرت تمہاری ہو رہی ہے۔ چودہ سال میں بیت اللہ تک پہنچے ہیں۔ حضرت ابراہیم ادھمؒ نے فرمایا: رابعہ میں نے چودہ سال نماز پڑھتے پڑھتے قطع مسافت کی ہے۔ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے جواب دیا، تم نماز میں مشغول رہے، میں نیاز میں مشغول رہی۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا حج ادا کر کے رونے لگیں۔ خدا تعالیٰ سے عرض گزار ہوئیں، الٰہی تو نے ادائیگی حج پر خیر و خوبی کا وعدہ کیا ہے۔ اب بھی اگر میرا حج قبول نہ ہوا تو میرے لیے بڑی مصیبت ہے۔ کیا اس مصیبت کا بھی ثواب ملے گا؟ حضرت رابعہ بصری حج سے فارغ ہو کر بصرہ واپس آ کر عبادت میں مشغول ہو گئیں، اگلے سال ایام حج کے موقع پر کہنے لگیں کہ پچھلے سال خانہ کعبہ میرے استقبال کے واسطے آیا تھا، اس سال میں خانہ کعبہ کا استقبال کروں گی، حضرت شیخ علی فارمدی کا بیان ہے کہ آپ حج کے قصد سے گھر سے نکل کھڑی ہوئیں اور آخر ایک سال بعد عرفات پہنچیں، وہاں ندائے غیبی آئی۔ اے عورت یہ کیا طریقہ ہے! اگر

Marfat.com

تجھے میری طلب ہے تو میری طلب میں سرگرم ہو جا۔ میں تجھ پر اپنی تجلی ڈالوں، حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے جواب دیا: یا رب العزت رابعہ کے پاس اتنا سرمایہ نہیں کہ تیری تجلی کا بار برداشت کر سکے۔ مجھے فقر مطلوب ہے۔ ندا آئی، اے رابعہ فقر کے راستہ کو طے کرنے کے بعد کہیں ہمارا وصال حاصل ہوتا ہے۔ تیرے لیے ابھی تو ہم تک پہنچنے میں ستر حجاب ہیں، جب تک یہ حجاب دور نہ ہوں گے ہمارا فقر تجھے حاصل نہیں ہو سکتا۔ آنکھ اٹھا کر اوپر دیکھ۔ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے جونہی نگاہ اوپر اٹھائی، خون کا دریا ہوا میں معلق نظر آیا۔ آواز آئی: یہ خون ہمارے ان عاشقوں کی آنکھوں کا ہے جو راہِ طلب میں پہلی ہی منزل میں پہنچ کر نیست و نابود ہو گئے۔ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے عرض کیا الٰہی ان لوگوں کی کوئی صفت بھی بیان فرما۔ اسی وقت آپ کو ماہواری آنے لگی، ندا آئی ان کا پہلا مقام یہ ہے کہ سات سال پہلو کے بل چل کر وہ ہمارے ایک ڈھیلے یا پتھر کی زیارت کو پہنچتے ہیں۔ اور یہاں پہنچ کر اس علت کی وجہ سے ان کے لیے آگے جانے کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے عرض کیا کہ یا الٰہی تیرے گھر میں رہنے کی بھی مجھے اجازت نہیں۔ بصرہ میں تیری طلب کی وجہ سے نہ رہ سکی۔ اب کیا کروں؟ کچھ دیر توقف کے بعد حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا بصرہ واپس آ کر ایک گوشہ میں معتکف ہو گئیں۔

امام عبداللہ بن اسعد یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدہ رابعہ عدوی بصری رحمۃ اللہ علیہا کے متعلق ان کی ایک خادمہ نے بیان کیا، کہ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا تمام رات طلوعِ فجر تک نماز پڑھتی رہتی تھیں۔ پھر کچھ وقفہ کے لیے مصلے پر لیٹ جاتیں اچانک گھبرا کر بیدار ہوتیں۔ اور کہتیں اے نفس! کب تک سوتا رہے گا اور عبادت کے لیے نہیں اٹھے گا۔ وہ وقت قریب ہے جب ایسی نیند سونا ہے کہ پھر صورِ قیامت ہی سے بیداری ہو گی۔ ان کی یہی حالت آخیر دم تک رہی۔ وفات کا وقت قریب آیا تو مجھے بلا کر اون کا ایک جبہ دکھایا، اور کہا، انتقال کے بعد مجھے اس کا کفن دینا، اور کسی کو میرے مرنے کی خبر نہ دینا۔ وہ جبہ وہی تھا جسے وہ تہجد کے وقت پہنا کرتی تھیں چنانچہ انہیں میں نے اسی جبہ اور ایک اونی چادر کا کفن دیا۔ اسی شب وہ مجھے خواب میں نظر آئیں، میں نے دیکھا کہ وہ سبز استبرق کا جبہ اور سنہری ریشمی اوڑھنی زیب تن کئے ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا، وہ جبہ اور اوڑھنی کیا ہوئی؟ فرمایا، میرا وہ جبہ اور اوڑھنی سربمہر اعلیٰ علیین میں رکھ دیا گیا ہے تاکہ روزِ حشر مجھے اس کا ثواب عطا ہو، اور ربِ کائنات نے اس کے بدلے مجھے یہ لباس عنایت فرمایا ہے۔ خادمہ نے پوچھا، کیا آپ دنیا میں اسی لیے نیک اعمال کرتی تھیں؟ فرمایا، رب تعالیٰ نے اپنے اولیا کو ایسی ایسی نعمتیں عطا فرمائی ہیں کہ ان کے بالمقابل اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ خادمہ نے عرض کیا مجھے کوئی ایسی نصیحت کیجئے جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب نصیب ہو۔ فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو، عنقریب تمہیں قبر میں اس پر فرحت و شادمانی حاصل ہو گی۔

ایک بزرگ کا بیان ہے کہ میں نے رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے ملنے کا ارادہ کیا تاکہ دیکھوں وہ اپنے دعوے میں کہاں تک سچی ہیں۔ میں اسی فکر میں تھا کہ میری نگاہوں کے سامنے چاند جیسے روشن چہروں والے

Marfat.com

بہت سے درویش آ گئے۔ ان کے جسموں سے مشک کی بھینی بھینی خوشبو آ رہی تھی، ہم میں باہم سلام کلام ہوا، انہوں نے اپنا واقعہ بتایا کہ:

''ہم لوگ دولت مند تاجروں کی اولاد ہیں۔ ہم نے اپنے شہر میں خوشحالی کے دن گزارے ہوئے تھے۔ رابعہ کی خوش آوازی کے چرچے سنے تو ارادہ کیا کہ مصر جا کر ان کا گانا سنیں، اور انہیں دیکھیں مگر مصر پہنچ کر پتا چلا کہ انہوں نے توبہ کر لی ہے۔ ہم میں سے ایک نے رائے دی کہ ہم اگرچہ ان کا گانا نہیں سن سکے مگر چل کر دیکھ تو لیں، مگر اس کے لیے ہم لوگوں کو فقیرانہ وضع بنانی ہوگی، چنانچہ ہم لوگوں نے فقیرانہ لباس میں ان کے دروازے پر جا کر دستک دی۔ وہ فوراً نکلیں اور ہمارے پیروں میں گر کر لوٹنے لگیں اور کہا آپ لوگوں نے اپنی زیارت سے مجھے مشرف کیا۔ ہم لوگوں نے کہا، بھلا یہ کیسے؟ فرمایا ہمارے یہاں ایک عورت رہتی ہے جو چالیس سال سے اندھی ہے۔ جب آپ لوگوں نے دستک دی تو اس نے دعا کی کہ اے میرے مالک و مولیٰ دروازے پر دستک دینے والے فقرا کی حرمت کے طفیل میری آنکھیں مجھے لوٹا دے۔ اسی وقت اس کی آنکھوں میں روشنی آ گئی۔ یہ سن کر ہم ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ہم نے آپس میں کہا کہ خدا کا لطف و کرم تو دیکھو کہ ہمارا باطنی حال فاش کر کے رسوا نہ کیا بلکہ عزت بخشی۔ ہمارے جس ساتھی نے فقیرانہ لباس کی رائے دی تھی سب سے پہلے اس نے کہا: میں تو اب یہ لباس اتار نہیں سکتا اور رابعہ کے ہاتھ پر خدا کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں، اس کے بعد ہم تمام لوگوں نے اپنی پچھلی زندگیوں سے تائب ہو کر رب تعالیٰ سے معافی مانگی اور حضرت رابعہ کے وسیلہ سے راہِ فقر اختیار کی۔''

حضرت امام ابوالقاسم قشیریؒ حضرت رابعہ بصری کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصری نے مناجات میں کہا: یاالٰہی تو کیا اس دل کو دوزخ کی آگ میں جلائے گا، جو تجھ سے محبت کرتا ہو؟ ہاتف نے جواب دیا ہم ایسا نہیں کرتے تو ہم پر بدگمانی نہ کر، کہتے ہیں حب میں دو حروف ہیں، ح اور ب، جن میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ جو شخص محبت کرے اسے اپنی روح اور بدن دونوں سے نکل آنا چاہیے، لفظ محبت کے استعمال میں صوفیا کا گویا اس بات پر اجماع ہے کہ محبت محبوب سے موافقت کرنے کو کہتے ہیں اور سب سے زوردار موافقت وہ ہے جو دل سے ہو، نیز یہ کہ محبت سے مباینت کی نفی ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ محب تو ہر لمحہ اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں اسی طرح آیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم نورِ مجسم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ، ایک شخص کچھ ایسے لوگوں سے محبت رکھتا ہے جن سے ابھی اس کی ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم

Marfat.com

ہے؟ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا المرء مع من احب انسان انہی لوگوں کے ساتھ ہے جن سے اس کی محبت ہو، ایک بندہ ہے جو اپنے آپ کو کھو چکا ہے، اپنے رب کا لگاتار ذکر کرتا ہے اور اس کے حقوق برابر ادا کیے جا رہا ہے اور دل کی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھ رہا ہے، ذات الٰہی کے انوار نے اسے جلا دیا ہے اور اس کی محبت کے پیالوں سے اس نے صاف پاک شراب پی ہے۔ یہ شخص جب گفتگو کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے گفتگو کرے گا اور اگر حرکت کرے گا تو اسی کے حکم سے اور اگر ساکن ہو گا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے لہٰذا یہ شخص اللہ تعالیٰ کے لیے اور اللہ رب العزت کی معیت میں ہو گا۔

رسالہ قشیریہ میں لکھا ہے: ایک صوفی فرماتا ہے کہ میں نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے حق میں دعا کی اور اکثر دعائیں کرتا تھا، پھر میں نے انہیں خواب میں دیکھا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کے تحفے نور کے تھالوں اور نور کے رومالوں میں ڈھانپے ہوئے مل جاتے ہیں۔

ایک دفعہ چند بزرگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ تم کس لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو؟ ایک بزرگ نے جواب میں کہا کہ ہم دوزخ کے ان طبقات سے خوف زدہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں جن پر سے قیامت کے دن گزرنا پڑے گا، اور ہم اس لیے اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتے ہیں تاکہ دوزخ سے محفوظ رہ سکیں۔ ایک بزرگ نے کہا کہ ہم اس لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کرتے ہیں تاکہ ہمیں جنت مل جائے، یہ سن کر حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا: جو کوئی دوزخ کے خوف سے اور جنت کی امید و خواہش کے باعث اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کرتا ہے وہ نہایت ہی برا ہے۔ اس پر لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ کیسے، آپ نے فرمایا کہ ہماری نگاہوں میں جنت اور دوزخ کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت فرضِ عین ہے، اور اگر وہ جنت اور دوزخ کو پیدا نہ فرماتا تو کیا بندے اس کی بندگی نہ کرتے۔ یہ سن کر وہ تمام لوگ خاموش ہو گئے۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا کامل یقین تھا۔
ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ ظہر کی نماز پڑھ کر کھانا کھانے کی تیاری کر رہی تھیں کہ چند درویش آپ سے ملاقات کرنے کی غرض سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، کھانے کا وقت تھا، اس لیے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے خادمہ سے پوچھا کہ گھر میں کتنی روٹیاں ہیں، خادمہ نے عرض کیا کہ دو روٹیاں ہیں، ابھی یہ بات ہی ہو رہی تھی کہ ایک سائل نے دروازے پر صدا لگائی کہ اسے کھانے کے لیے روٹی دی جائے۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے وہ روٹیاں اٹھا کر اس صدا لگانے والے فقیر کو دے دیں، اور خود پردے کے پیچھے سے مہمانوں کے ساتھ ضروری گفتگو فرماتی رہیں، تھوڑی دیر کے بعد ایک کنیز خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی، یہ روٹیاں میری مالکہ نے بھجوائی ہیں۔ آپ نے اپنی خادمہ سے کہا کہ روٹیاں گنو۔ خادمہ نے روٹیاں گنیں تو وہ اٹھارہ تھیں، حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا۔ یہ روٹیاں واپس لے جاؤ میرے لیے نہیں کسی اور کے لیے آئی

Marfat.com

ہوں گی، تمہاری مالکہ کو غلطی ہوئی ہے۔ کنیز نے اصرار کرتے ہوئے کہا کہ میری مالکہ نے یہ روٹیاں آپ ہی کے لیے بھجوائی ہیں۔ لیکن آپ نے اس کے اصرار کرنے کے باوجود روٹیاں واپس کر دیں، کنیز جب واپس گئی تو اس نے سارا ماجرا اپنی مالکہ سے بیان کر دیا۔ مالکہ نے روٹیاں گنی تو اٹھارہ تھیں، کہنے لگی میں نے تو بیس روٹیاں بھیجی تھیں، مگر غلطی سے اٹھارہ روٹیاں چلی گئیں، اب تم دو روٹیاں ان میں رکھ کر لے جاؤ اور حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو دے دو۔

لہٰذا کنیز دوبارہ بیس روٹیاں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ نے بیس روٹیاں لے لیں اور مہمانوں کو کھانے کے لیے پیش کر دیں، مہمان اس واقعہ کو دیکھ رہے تھے۔ جب کھانا کھا چکے تو دریافت کیا کہ آخر یہ کیا ماجرا تھا؟ آپ نے فرمایا، اس میں حیران ہونے والی کوئی بات نہیں، تم جب میرے پاس آئے تو میرے پاس دو روٹیاں تھیں، ایک سائل آیا تو میں نے وہ روٹیاں اسے دے دیں، اور میرا رب فرماتا ہے کہ میں ایک کے بدلے دس دیتا ہوں، لہٰذا مجھے اپنے رب پر کامل یقین تھا کہ وہ مجھے ایک کے بدلے دس ضرور دے گا اور دو کے بدلے بیس روٹیاں ملیں گی لہٰذا جب اٹھارہ روٹیاں آئیں تو میں نے واپس کر دیں کیونکہ اس میں دو روٹیاں کم تھیں اور جب بیس آئیں تو رکھ لیں کیونکہ میرے رب کا سچا وعدہ تھا کہ تم ایک دو اور میں دس دوں گا اور میں نے دو دیں تو اس نے مجھے بیس دے دیں، جب ان احباب نے یہ باتیں سنیں تو بے حد متاثر ہوئے اور اپنے رب کی رحمت پر کامل یقین رکھنے لگے۔

ایک مرتبہ بصرہ کے ایک بزرگ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے پاس آئے اور گفتگو کے دوران زیادہ تر دنیا کی شکایات کرتے رہے۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا: معلوم ہوتا ہے کہ آپ دنیا سے بہت محبت کرتے ہیں کیونکہ جس شخص کو چیز سے زیادہ محبت ہوتی ہے وہ اس کا بہت زیادہ ذکر کرتا ہے۔ اگر آپ کو دنیا سے اتنی زیادہ محبت نہ ہوتی تو آپ اس کا اتنی کثرت سے ذکر نہ کرتے۔ آپ کی یہ بات سن کر وہ بزرگ خاموش ہو گئے اور پھر کبھی آپ کے سامنے دنیا کی شکایت نہ کی۔

حضرت امام القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے کہا کہ میں نے بہت سے گناہ کئے ہیں۔ اب اگر توبہ کروں گا تو کیا اللہ مجھے معاف فرما دے گا؟

تو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا: اصل معاملہ یوں نہیں، اصل بات یہ ہے کہ خدا تجھے معاف کر دے گا تب ہی تو توبہ کرے گا۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور پاکی حاصل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے، جس سے کوئی لغزش سرزد ہوتی ہے اسے اپنی غلطی کا یقین ہوتا ہے، اور جب توبہ کرتا ہے تو توبہ کی مقبولیت کا شک رہتا ہے، بالخصوص جب کہ توبہ کے قبول ہونے کی شرط اور حق یہ ہے کہ تائب اللہ تعالیٰ کی محبت کا مستحق ہو اور یہ بات بہت ہی مستبعد ہے کہ عاصی ایسے مقام پر پہنچ کر توبہ کرتا ہے۔ لہٰذا بندہ جب کسی ایسی

Marfat.com

بات کا مرتکب ہوتا ہے جس سے توبہ کرنا ضروری ہے تو اس کے لیے یہی وجہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کے سامنے انکساری کرے اور اپنے گناہ سے بیزاری کا اظہار اور استغفار کرتا رہے، چنانچہ صوفیا کا قول ہے کہ استشقا رالوجل الی الاجل خوف کا احساس موت تک رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ اے محبوب ﷺ انہیں فرما دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری تابعداری کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور آنحضرت ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ﷺ ہمیشہ استغفار کرتے رہتے چنانچہ فرماتے ہیں۔ انہ لیغان علی قلبی فاستغفر اللہ فی الیوم سبعین مرۃ میرے دل پر پردہ چھا جاتا ہے تو میں دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔ میں نے ابوعبداللہ صوفی سے سنا انہوں نے بتایا کہ یحییٰ بن معاذ فرما رہے تھے کہ توبہ کے بعد کی لغزش توبہ سے پہلے کی ستر لغزشوں سے بدتر ہے، میں نے محمد بن الحسن سے سنا انہوں نے کہا کہ میں نے ابوعبیداللہ الرازی سے سنا کہ میں نے ابوعثمان سے سنا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان انا الینا ایابھم کی یوں تشریح فرمائی: خواہ یہ لوگ اللہ کی مخالفت میں کس قدر دور کیوں نہ چلے جائیں انہیں بالآخر ہماری طرف لوٹنا ہے۔

محبوب الٰہی قدس سرہ ایک حکایت بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا بصری کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ذکر دنیا بڑی برائی کے ساتھ کرنے لگا جب وہ اپنی بات مکمل کر چکا تو حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا کہ تم آئندہ میرے پاس نہ آنا کہ تم دنیا کے دوست ہو اور اس کا ذکر بہت زیادہ کرتے ہو، (چھیالیسویں مجلس روز یکشنبہ تاریخ 18 ماہ ربیع الاخر 718ھ) جیسا کہ اوپر دو مرتبہ گزر چکا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ تم اچھے آدمی ہو بشرطیکہ دنیا کو دوست نہ رکھو، تو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، وہ کس طرح؟ تو فرمایا کہ تم حدیث روایت کرنے کو پسند کرتے ہو۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرب رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ عاشق کی آہ وفغاں کو اس وقت تک چین نہیں ہوتا جب تک اس کی رسائی محبوب کے پاس نہ ہو جائے۔

حضور داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل تصوف تین طرح کے ہوتے ہیں۔

(1) ایک صوفی۔ (2) دوسرا متصوف۔ (3) متصوف

صوفی وہ ہے جو اپنی ذات کے لحاظ سے فانی مگر اللہ تعالیٰ کی ذات عالی سے صفات کے ساتھ باقی ہو یعنی طبعی تقاضوں سے چھٹکارہ حاصل کر کے واصل حقیقت ہو۔

دوسرا متصوف وہ ہے جو مجاہدہ اور ریاضت کے ذریعے سے اس درجے کا متلاشی ہو اور اپنے تمام امور میں اہل تصوف یعنی صوفیا کے طرز عمل کو مدنظر رکھے۔

اور متصوف وہ ہے جو اپنے مال ومتاع اور اپنی دنیا ودولت کے تحفظ کے لیے صوفیا کا لبادہ اوڑھے

Marfat.com

رکھے حالانکہ اسے ان کے مرتبہ اور مقام کی کوئی خبر نہیں حتیٰ کہ صوفیا کا قول کہ المتصوف عند الصوفیة کالذب وعند غیرھم کالیناب صوفیا کے نزدیک متصوف مکھی کی طرح ذلیل اور عند الناس وہ خونخوار بھیڑیئے کی طرح مردار کھانے والا مریض ہوتا ہے۔ صوفی واصل بحق ہوا کرتا ہے متصوف اہل تصوف پر چلنے والا ہوا کرتا ہے۔ اور متصوف فضول ہے، بے ہودہ اور زیاں کار ہوتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ کا وصل نصیب ہو گیا وہ اپنے مقصد کے حصول کی وجہ سے بے مراد سے بامراد اور مقصود کے پالینے سے بامقصود ہو گیا اور جس کو اصل وقواعد تصوف پر چلنا نصیب ہو گیا وہ احوالِ طریقت پر متمکن اور قادر ہو گیا اور اس کے لطائف میں استحکام کے ساتھ ٹھہر گیا، اور جس کے نصیب میں بے ہودگی اور واہیات باتیں ہیں وہ تمام صفات الٰہی سے محروم رہا اور محض رسم کی درسگاہ پر بیٹھ گیا، اور اسی میں الجھ کر حقیقیہ سے محجوب ہو گیا اور اسی حجاب کے سبب نہ اسے وصل حق نصیب ہوا نہ وہ طریقت کے اصولات سے آگاہ ہو سکا۔ مشائخ صوفیا کے نزدیک اس کے معنی کی تحقیق میں کثیر رموز موجود ہیں جن کا احصار اگرچہ ناممکن ہے مگر جہاں تک ممکن ہے، بعد میں انشاء اللہ بیان کریں گے۔

محبت اور محاسبہ نفس

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مکاشفۃ القلوب میں فرماتے ہیں کہ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں محبت دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کا نام ہے، ایک بزرگ کا فرمان ہے: دوامِ ذکر ہی محبت ہے۔

اور ایک بزرگ نے فرمایا کہ محبوب کو ترجیح دینا محبت ہے۔ ایک بزرگ کا فرمان ہے کہ دنیا میں رہنے کو ناپسند کرنا محبت ہے، مگر یہ تمام باتیں محبت کا نتیجہ ہیں اور نفس محبت کسی نے بیان نہیں کی۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ محبت دراصل محبوب کی طرف سے ایک مفہوم ہے کہ دل اس کے ادراک سے مغلوب اور اس کی تعبیر سے عاجز ہیں۔ اسی طرح حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، دنیاوی تعلقات والے کو اللہ تعالیٰ نے محبت سے محروم کر دیا۔ نیز فرمایا جو محبت بھی معاوضہ میں کی جائے اس کا حال یہ ہے کہ جب معاوضہ ختم ہوا تو محبت بھی ختم ہو گئی، اور ان کے علاوہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی محبت بتائے وہ اس بات سے بچے کہ غیر اللہ کے سامنے عاجزی کرے، حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ ہمیں عارف اور محبت کرنے والے کی تعریف بتایئے تو حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، عارف اگر بات کرے تو ہلاک ہو اور محبت کرنے والا اگر خاموش رہے تو ہلاک ہو، حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ پڑھا۔

یا ایھا السید الکریم

حبك بین الحشاء مقیم

اے میرے آقا، تیری محبت میرے دل میں بیٹھ چکی۔

Marfat.com

یا رافع النوم عن جفونی
انت بما مربی علیم

اے میری آنکھوں سے نیند ختم کرنے والے، مجھے پر جو گزر رہا ہے تو اسے خوب جانتا ہے، ایک دوسرے شاعر نے کہا۔

عجبت لمن یقول ذکرت الفی
وهل انی فاذکر مانیست

مجھے اس پر تعجب ہے جو کہتا ہے مجھے میری محبت یاد ہے، اور کیا میں بھول جاتا ہوں کہ فراموش کردہ کو یاد کروں۔

امرت اذا ذکر تك ثم احباء
ولولا حسن ظنی ماحیسیت

جب میں تجھے یاد کرتا ہوں، تو مر جاتا ہوں، پھر زندہ ہوتا ہوں اور اگر میرا حسن ظن نہ ہو تو زندہ نہ رہوں۔

فاحیا بالمنی وامرت شوقا
فکم احیا علیك وکم اموت

میں تقدیر سے زندہ ہوں اور شوق سے مرتا ہوں، پس میں تجھ پر کئی بار زندہ ہوا اور کئی بار مرا ہوں۔

شبت الحب کاسا بعد کاس
فما نفذا الشراب و مارویت

میں نے کئی کئی پیالے پیئے نہ مشروب ختم ہوا اور نہ میں سیراب ہوا۔

فلیت خیاله نصب لعینی
فان قصدت فی نظری عمیت

کاش اس کا خیال میری آنکھوں میں رہے، پس اگر میں دیکھنے میں کوتاہی کروں تو اندھا ہو جاؤں۔

ابن جلاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ جب میں اپنے بندے کے باطن کو دیکھتا ہوں کہ اس میں دنیا و آخرت کی محبت نہیں تو اس کے دل کو محبت سے بھر دیتا ہوں اور اسے اپنی حفاظت میں لے لیتا ہوں، منقول ہے کہ سمنون رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن محبت کے بارے میں کلام فرمایا۔ اچانک ایک پرندہ سامنے آن گرا اور اپنی چونچ سے زمین کریدتا رہا حتیٰ کہ اس کا خون نکل پڑا اور وہ مر گیا،

Marfat.com

حضرت ابراہیم ادھم ؒ نے فرمایا: اے میرے اللہ کریم تو جانتا ہے کہ تو نے مجھے جو اپنی محبت سے نوازا ہے، اپنے ذکر سے مانوس کر دیا ہے، اور اپنی عظمت میں غور و فکر کے لیے فارغ کر دیا، ان نعمتوں کے مقابلے میں میرے نزدیک جنت کو مچھر کے پر برابر بھی درجہ حاصل نہیں۔ حضرت رابعہ بصری ؒ عدویہ نے ایک دن فرمایا کہ ہمیں ہمارے محبوب کی خبر کون دے گا؟ تو ان کی خادمہ نے عرض کی کہ ہمارا محبوب ہمارے ساتھ ہے، مگر دنیا نے ہمیں اس سے علیحدہ کر کے رکھا ہے، حضرت سری سقطی ؒ فرماتے ہیں کہ جس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی وہ زندہ رہا اور جس نے دنیا کی طرف توجہ رکھی وہ محروم رہا اور احمق انسان صبح و شام ''کچھ نہ'' میں لگا رہتا ہے اور عقل مند آدمی اپنے عیوب کا متلاشی رہتا ہے۔

حضرت محمد اسلم طوسی ؒ اور نعمی طرطوسی ؒ نے بیابانوں میں تیس ہزار راہ گیروں کو پانی پلایا اور رابعہ بصری ؒ کے مزار پر آ کر کہا: تیرا قول تو یہ تھا کہ میں دو جہاں سے بے نیاز ہو چکی لیکن آج تیری وہ بے نیازی رخصت ہو گئی چنانچہ مزار میں سے آواز آئی کہ جس چیز کا میں مشاہدہ کرتی رہی اور فی الوقت بھی کر رہی ہوں وہ میرے لیے بہت ہی باعث برکت ہے۔

❀

Marfat.com

اے اللہ تعالیٰ! اگر تیری عبادت خوف سے کروں تو مجھے دوزخ میں جلا اور اگر صرف تیری خاطر تیری پرستش کرتی ہوں تو مجھے اپنے جمال لازوال سے محروم نہ رکھ۔

(رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا)

Marfat.com

باب ہفتم

تصوف کیا ہے؟

تصوف کی ماہیت اور حقیقت کے بارے میں مشائخ کرام کے اقوال ہزاروں میں ہیں۔ تمام کو نقل کرنا موجب طوالت ہوگا۔ لہٰذا ہم ایک ایسا ضابطہ اور اس کی جامع تعریف بیان کرتے ہیں جو تصوف کے تمام معانی اور تمام تشریحات پر حاوی ہو کیونکہ الفاظ خواہ مختلف ہوں مگر ان کا مفہوم قریب قریب یکساں ہے لہٰذا ہماری تعریف یہ ہے کہ صوفی وہ ہے جو ہمیشہ تزکیہ نفس کرتا رہے اور اپنے قلب کو نفسانی آلائشوں سے صاف کر کے ہمیشہ اپنے اوقات کو کدورتوں سے پاک و صاف رکھے چونکہ وہ ہر وقت اپنے مولیٰ کے سامنے سر نیاز خم کرتا رہتا ہے اس لیے اس کی یہ نیازمندی اس کا دل مصفا کر کے کدورتوں کو دور کرتی ہے۔ تاہم جب کبھی نفسانی حرکات وصفات نمودار ہوتی ہیں تو وہ صوفی صافی اپنی بصیرت کاملہ سے اسے بھانپ لیتا ہے۔ اس وقت وہ خدا کی طرف راہ فرار اختیار کرتا ہے لہٰذا تصفیہ قلب کے ذریعے اس کو دلجمعی ہوتی ہے اور نفسانی حرکات سے اس کے دل کو پریشانی اور کدورت لاحق ہوتی ہے اس وجہ سے وہ خدا سے اپنا قلبی تعلق قائم کرتا ہے جو اس کے قلب کو اس کے نفس پر حاوی رکھتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ

تم اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ، اور انصاف کے گواہ بنو۔

اس آیت میں قوامیت سے مراد نفس پر غالب ہونا ہے اور یہی صوفیانہ اخلاق ہے۔ کسی بزرگ کا مقولہ ہے کہ تصوف سراپا اضطراب ہے۔ اگر اس میں سکون و انجماد آجائے تو تصوف برقرار نہیں رہے گا۔

اس مقولہ میں یہ راز مضمر ہے کہ روح کی کشش ہمیشہ یادگار الٰہی کی طرف ہوتی ہے یعنی صوفی کی روح ہمیشہ بلند مقامات قرب الٰہی تک پہنچنے کی تگ و دو کرتی ہے مگر اس کا نفس اپنی وضع کے مطابق عالم سفلی میں تہ نشین ہونا چاہتا ہے، اور پیچھے کی طرف لوٹتا ہے، اس لیے صوفی کو روح و نفس کی اس کشمکش میں مسلسل جدوجہد کرنی پڑتی ہے وہ ہمیشہ خدا کا محتاج ہو کر اس کی پناہ ڈھونڈتا ہے اور اپنے نفس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتا رہتا ہے۔

جو کوئی ہماری تشریح پر غور کرے، اسے مشائخ کے تمام متفرق اشارات اس میں یکجا نظر آئیں گے۔

Marfat.com

شیخ ابوزرعہ طاہر محمد بن طاہرؒ نے اپنے مشائخ کی اسناد کے حوالہ سے حضرت انس بن مالک کی یہ حدیث ہم سے بیان کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ غلام کی دعوت قبول فرماتے تھے گدھے کی سواری کرتے تھے اور اون پہنتے تھے۔

اس حدیث کی بناء پر ایک جماعت کی یہ رائے ہے کہ انہیں صوفیا کا نام ان کے ظاہری لباس پر دیا گیا ہے کیونکہ انہوں نے صرف اون کا لباس پہننا پسند کیا۔ وہ زیادہ نرم و ملائم ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا لباس بھی یہی ہوا کرتا تھا۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث روایت کی گئی کہ آپ نے فرمایا:

"روحاء کی چٹان پر سے ستر پیغمبر برہنہ پا گزرے جو عبا پہنے ہوئے تھے، اور وہ حرم شریف کا قصد کئے ہوئے تھے۔"

کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اون اور بالوں کا لباس پہنتے تھے اور درخت سے پھل کھاتے تھے۔ ان کی پوشاک اون کی تھی۔

بعض صحابی اون کا لباس اس لیے پسند کرتے تھے کہ انہوں نے دنیا کی زیب وزینت کی چیزیں چھوڑ دی تھیں اور صرف اپنی بھوک رفع کرنے اور ستر پوشی برقرار رکھنے پر قانع تھے۔ وہ آخرت کے کاموں میں اس قدر مستغرق تھے کہ اپنے نفس کو لذت و راحت پہنچانے کی طرف ان کا دھیان بھی نہیں جاتا تھا بلکہ ہر وقت اپنے مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتے تھے۔ ان کی تمام تر توجہ آخرت کے کاموں کی طرف مبذول رہتی تھی۔

یہ وجہ تسمیہ لفظی اشتقاق کے لحاظ سے بہت مناسب ہے کیونکہ محاورہ میں تصوف کے معنی اونی پوشاک پہننے کے آتے تھے جیسا کہ یہ کہا جاتا ہے۔ تقمص (اس نے قمیص پہنی)۔

صوفیائے کرام مختلف حالات میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور بلند سے بلند تر مقامات کی طرف ترقی کرتے رہتے ہیں۔ کوئی وصف اور تعریف انہیں مقید و محدود نہیں کر سکتی کیونکہ مزید علم و حال کے دروازے ہر وقت ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔ ان کا باطن معدنِ حقیقت اور مجمع العلوم ہے اس لیے کسی حال کے ساتھ انہیں مقید کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ ان کی وجدانی کیفیات گوناگوں ہیں لہٰذا ظاہری لباس کے ساتھ انہیں منسوب کر کے صوفی کہنے لگے۔ اس لفظ سے ان کی حالت اور ان کے اوصاف کی زیادہ وضاحت ہوتی ہے کیونکہ اونی لباس پہننا قدیم زمانے ہی سے ان کے اسلاف کا طریقہ رہا جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ان کا حال وہی ہے جو مقربین بارگاہ خداوندی کا ہے۔

چونکہ قربِ الٰہی کی طرف منسوب ہونا اور اس کی طرف اشارہ کرنا ایک مشکل کام ہے اس لیے ان کے حال کو چھپانے اور ان کے باعزت مقام کو اشاروں کی کثرت سے اور اس کے تذکرہ کو عوام الناس کی زبانوں سے محفوظ رکھنے کے لیے لباس کی مناسبت سے ان کا یہ نام رکھا گیا ہے۔ یہی ادب کا تقاضا تھا اور

Marfat.com

صوفیائے کرام کا بنیادی اصول بھی یہ ہے کہ ظاہر و باطن اور قول و فعل میں ادب ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

صوفی کے لفظ سے ایک دوسرے مفہوم کا بھی پتہ چلتا ہے وہ یہ کہ اس میں زہد اور دنیا سے بے رغبتی کا مفہوم پوشیدہ ہے۔ اس میں نفسانی خواہش سے پرہیز اور نرم و نازک پوشاک نہ پہننے کی طرف اشارہ ہے تاکہ ایک مبتدی مرید جو ان کے طریقے کو پسند کرتا ہو اور ان کے گروہ میں شامل ہونا چاہتا ہو، جو زہد و تقشف اور سادگی کا عادی بن جائے، اسے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ پوشاک کی طرح اس کے کھانے پینے کا ڈھنگ بھی سادہ ہونا چاہیے۔ اسی صورت میں وہ اس کے نام پر غور کر کے صحیح بصیرت کے بعد ہی اس حلقہ میں شامل ہوگا۔ اس طرح ایک مبتدی اس کے نام ہی سے اصل حقیقت سمجھ سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی دوسرا نام رکھا جائے تو مبتدیوں کو اصل حقیقت کے سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے اس لیے یہ نام بہتر ہے۔

اس نام کے ترجیح دینے کی ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ جب ان لوگوں کو صوفی کہا جاتا ہے تو روحانی حیثیت سے یہ زبردست دعویٰ ہے مگر جب لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ ان کا نام صوفی اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ وہ اونی پوشاک پہنتے ہیں تو وہ بزرگی کے دعوے سے دور ہو جاتے ہیں اور ہر وہ چیز جو ریاکاری کے دعوے سے دور ہو وہ ان کے حال سے زیادہ مناسب ہے۔

علاوہ ازیں اونی پوشاک پہننا ان کی ظاہری حالت کو ظاہر کرتا ہے جب کہ ان کے حال اور دیگر روحانی مقامات کا تعلق ان کے باطن سے ہے۔ لہٰذا ظاہری حالت کے مطابق نام رکھنا زیادہ مناسب ہے بلکہ یہ نام تواضع کا اظہار بھی کرتا ہے۔

صوفی نام کی ایک وجہ تسمیہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ چونکہ صوفیائے کرام نے تواضع، انکساری، گمنامی اور پوشیدگی کو زیادہ پسند کر رکھا ہے اس وجہ سے گرے پڑے پتھروں، اور پھینکے ہوئے صوف (صوفہ) کی مانند ہیں جنہیں کوئی پسند نہیں کرتا اور نہ ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے لہٰذا صوفہ کی نسبت سے انہیں صوفی کہا جاتا ہے جیسے کوفہ کی صف نسبتی کوفی ہے۔ یہ بعض اہل علم کا قول ہے۔ اس کا مفہوم بھی اس کے لفظی اشتقاق کے مناسب ہے۔

بہرحال اونی پوشاک ہمیشہ سے زاہد و عابد اور نیک بندوں کی پوشاک رہی ہے جیسا کہ شیخ ابو زرعہ طاہر نے اپنے مشائخ کی اسناد کے حوالوں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے کلام کیا تھا اس وقت وہ سراپا اونی لباس پہنے ہوئے تھے، ان کا جبہ، پاجامہ، چادر اون کی تھی، ان کے جوتے گدھے کے بغیر رنگے ہوئے چمڑے کے بنے ہوئے تھے۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کا نام صوفی اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ اپنی بلند ہمتی، خدا سے اپنے دلی تعلق اور اس کے سامنے باطنی اسرار پیش کرنے کی وجہ سے خدا کے روبرو صف اول میں ہیں۔ اس کی مزید

Marfat.com

توضیح کے سلسلے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ نام دراصل صفوی تھا جو ثقیل ہونے کی وجہ سے صوفی بن گیا۔
یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ صوفی کی نسبت صفہ سے ہے جو رسول اللہ کے زمانے میں غریب مہاجروں کا ایک چبوترہ تھا، انہی کے بارے میں خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ

یہ ان غریبوں کے لیے ہے جو خدا کی راہ میں محصور ہوئے اور وہ زمین پر سفر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

اگرچہ لفظی اشتقاق کے لحاظ سے یہ وجہ تسمیہ درست نہیں مگر مفہوم کے لحاظ سے صحیح ہے کیونکہ صوفیا کا حال ان کے مشابہ ہے۔ وہ بھی اصحابِ صفہ کی طرح آپس میں الفت و محبت کے ساتھ اکٹھے رہتے ہیں، اصحاب صفہ تقریباً چار سو مرد تھے۔ مدینہ منورہ میں ان کا کوئی کنبہ نہ تھا، وہ سب مسجد نبوی میں اکٹھے رہتے تھے جیسا کہ صوفیہ خانقاہوں میں رہتے تھے۔ یہ اصحابِ صفہ زراعت کرتے تھے نہ دودھ دینے والے مویشی رکھتے تھے نہ تجارت کرتے تھے۔

وہ دن کو ایندھن جمع کرتے اور گٹھلیاں پھوڑتے، رات کو عبادت کرتے، قرآن مجید سیکھتے اور اس کی تلاوت کرتے تھے۔ خود رسول اللہ ﷺ ان کے غمخوار تھے اور لوگوں کو ان کی امداد پر آمادہ فرماتے تھے۔ آپ ان کے پاس بیٹھ کر ان کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے، مندرجہ ذیل آیاتِ کریمہ انہی کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ
وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ

اور اے پیغمبر ان لوگوں کو مت نکالو جو اپنے پروردگار کو صبح شام پکارتے ہیں اور ان کی رضامندی کے خواہاں ہیں تم خود ان لوگوں کے ساتھ صبر اختیار کرو جو اپنے پروردگار کو صبح شام پکارتے تھے۔

یہ آیت کریمہ ابن ام مکتوم کے بارے میں نازل ہوئی۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝١ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝٢ (سورہ عبس: 2،1)

آپ نے ترش روئی اختیار کی اور منہ پھیر لیا اسی وجہ سے کہ آپ کے پاس ایک اندھا آیا تھا۔ یہ بھی اصحاب صفہ میں سے تھے۔ ان کی وجہ سے آنحضرت ﷺ معتوب ہوئے۔

آپ ﷺ جب ان لوگوں سے مصافحہ فرماتے تھے ان کے ہاتھوں سے اپنا ہاتھ جلد نہیں کھینچ لیتے تھے۔ معاشی کفالت کے لیے آپ ﷺ نے انہیں خوشحال لوگوں میں تقسیم کر دیا تھا، کسی کے حصے میں تین تھے اور کسی کے حصے میں چار تھے مگر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ان میں سے اسی آدمیوں کو لے جا کر کھانا کھلاتے تھے۔

Marfat.com

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل صفہ کے ستر آدمیوں کو دیکھا جو ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔ ان میں کچھ لوگوں کے کپڑے گھٹنوں تک نہیں پہنچتے تھے۔ جب ان میں سے کوئی رکوع کرتا تھا تو اپنے ہاتھ سے کپڑے کو پکڑ لیتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ ستر کھل جائے۔

اہل صفہ میں سے ایک آدمی نے بیان کیا کہ ہم اکٹھے ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ کھجوروں کو کھاتے رہنے سے ہمارے پیٹ میں سوزش پیدا ہو گئی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سنی تو آپ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا۔

> لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ کھجوروں نے ہمارے پیٹ کو جلا دیا ہے، کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ کھجور اہل مدینہ کی خوراک ہے۔ انہوں نے ہماری اور تمہاری اسی خوراک کے ذریعے امداد کی، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے دو مہینے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے گھر سے روٹی پکانے کے لیے کوئی دھواں نمودار نہیں ہوا۔ اور وہاں بھی سوائے پانی اور کھجوروں کے اور کچھ نہ تھا۔

شیخ ابوالفتح محمد بن عبدالباقی نے اپنے مشائخ کی اسناد کے حوالوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہم سے بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ ایک دن اصحاب صفہ کے پاس کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک طرف ان کی غریبی اور مفلسی ملاحظہ فرمائی اور دوسری طرف یہ دیکھا کہ ان کے قلوب پاکیزہ اور مسرور تھے، اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: اے اصحاب صفہ تمہیں خوشخبری ہو تم میں سے جو کوئی اس حالت پر قائم رہا جس حالت میں تم آج ہو اور اپنی حالت پر خوش و خرم رہا تو قیامت کے دن وہ میرا ساتھی ہو گا۔

کہا جاتا ہے کہ خراسان میں انہی میں سے کچھ لوگ غاروں میں رہتے تھے، وہ بستیوں اور شہروں میں آباد نہ ہوئے اس لیے وہ خراسان میں شکفتہ کے نام سے مشہور تھے۔ شکفت اس غار کا نام تھا جہاں وہ رہتے تھے۔ اہل شام انہیں جوعیہ کہتے تھے کیونکہ وہ بھوکے رہتے تھے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کی جماعتوں کا بار بار ذکر کیا ہے۔ ایک جماعت کو ابرار کے نام سے موسوم کیا گیا اور دوسری جماعت کو مقربین کہا گیا۔ انہی لوگوں کو صابرون، صادقون، ذاکرون اور محبون کے الفاظ سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ بہرحال صوفی کا لفظ ان تمام مذکورہ متفرق اسماء پر حاوی ہے۔

صوفی نام کیسے رائج ہوا؟

بہرحال یہ واقعہ ہے کہ یہ نام رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نہیں رکھا گیا، کہا جاتا ہے کہ یہ تابعین کے زمانے میں رکھا گیا تھا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ایک صوفی کو دیکھا ہے۔ میں نے اسے کچھ دینا چاہا مگر اس نے نہ لیا اور کہنے لگا

Marfat.com

کہ میرے پاس چار وانگ ہیں جو میرے لیے کافی ہوں گے۔ اس روایت کی تائید حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر ابو ہاشم الصوفی نہ ہوتے تو میں ریا کاری کی دقیق باتوں سے واقف نہ ہوتا۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ نام قدیم زمانہ سے مشہور ہے۔

کچھ لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ نام 200ھ تک مشہور نہ ہو سکا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ کے اصحاب اپنے آدمی کو صحابی کے نام سے پکارتے تھے، کیونکہ اسے آپ کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل تھا۔ لہٰذا اس صحبت کی طرف اشارہ کرنا ہر اشارہ سے بہتر تھا۔

آپ کے عہد مبارک کے خاتمہ کے بعد جو اہل علم ہوئے وہ تابعی کہلانے لگے مگر جب عہد رسالت کے بعد کافی عرصہ گزر گیا اور آسمانی وحی اور نور مصطفوی کو پوشیدہ ہوئے ایک زمانہ گزر گیا، تو اس وقت خیالات میں اختلاف ہونے لگا اور لوگوں کے راستے جدا ہو گئے۔ ہر اہل رائے اپنی رائے میں آزاد ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نفسانی خواہشوں نے عملی فضا کو مکدر کر دیا یہاں تک کہ متقیوں اور پرہیزگاروں کی عمارتیں ہلنے لگیں اور نمائندوں کے عزائم بھی متزلزل ہونے لگے، جہالت کا غلبہ ہو گیا اور اس کے کثیف پردے دلوں پر چھا گئے یہاں تک کہ اکثر لوگوں کو دنیا اور اس کی چیزیں خوش نما دکھائی دینے لگیں۔

ایسے زمانے میں مذکورہ بالا حالات کو دیکھتے ہوئے ایک جماعت دنیا سے الگ ہو کر نیک کاموں میں مشغول ہو گئی، ان کے عزائم میں خلوص اور دین کی طاقت تھی، انہوں نے دنیا اور اس کی محبت سے منہ موڑا، تنہائی اور گوشہ نشینی کو غنیمت جانا، اپنی جماعت کے لیے کچھ گوشے بنا لیے جہاں کبھی کبھی جمع ہو جاتے مگر اہل صفہ کی تقلید کرتے ہوئے اکثر تنہا رہتے تھے۔ دنیاوی اسباب کو انہوں نے چھوڑ رکھا تھا اور رب الارباب کی طرف لو لگائی تھی۔ ان کے نیک اعمال نے بلند احوال کی صورت میں اچھا ثمر دیا بلکہ ان کا دماغ اور ان کی قوت ادراک صاف ہو کر علوم الٰہی کو قبول کرنے کے قابل ہو گئی۔

اس طرح ان کو ظاہری زبان کے بعد ایک دوسری زبان ملی اور گزشتہ عرفان کے بعد ایک نیا عرفانِ کامل حاصل ہوا بلکہ سابقہ ایمان کے بعد ایک تازہ ایمان حاصل ہوا جیسا کہ حضرت حارثہ نے فرمایا ہے، جب مجھے غیر معمولی ایمان کے مرتبے کا کشف حاصل ہوا تو اس وقت میں صحیح معنوں میں مومن بنا لہٰذا ان مراتب تک پہنچنے کے بعد وہ نئے علوم سے واقف ہوئے جن کے لیے نئے نئے اشارے کرنے پڑے۔ اس لیے انہیں نئی نئی اصلاحات وضع کرنی پڑیں جو ان کے جانے پہچانے خیالات کی ترجمانی کر سکیں اور ان کے حال اور وجدانی کیفیات کو ظاہر کر سکیں۔ اس طرح علم تصوف کی بنیاد پڑی اور ان بزرگانِ سلف سے ان کے جانشینوں نے یہ علم حاصل کیا۔ یہاں تک کہ ہر زمانے میں اس نے باقاعدہ اور مستقل علم اور رسوم کی صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ صوفی کا نام بھی ان میں رائج ہو گیا۔ ان لوگوں نے خود بھی اپنا یہی نام رکھا اور اپنے حلقہ کے دوسرے لوگوں کو بھی اس نام سے موسوم کیا۔

Marfat.com

یہ نام ان کی نشانی ہے، علم الٰہی ان کی صفت ہے، عبادت ان کا حلیہ ہے، تقویٰ اور پرہیزگاری ان کا شعار ہے اور حقیقت کے حقائق ان کے اسرار و رموز ہیں۔ وہ اپنے قبیلوں سے الگ ہیں مگر غیرت کے گنبد میں بسنے والے اصحابِ فضیلت ہیں، حیرت کے ملکوں کے باشندے ہیں، ہر گھڑی فضل الٰہی ان کے شامل حال ہے، ان کی آتش شوق و مستی ہر وقت شعلہ زن ہے اور ال من مزید کی صدا لگا رہی ہے۔

اے خدا تو ہمارا بھی انہی کے زمرہ میں حشر کر اور ہمیں بھی ان کے حالات عطا فرما۔

شیخ الاسلام ابوالخبیب سہروردی نے اپنے مشائخ کی اسناد کے حوالے سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بیان کی ہے ایک آدمی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت نماز کے لیے اٹھ گئے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا، وہ آدمی کہاں ہے جو قیامت کے بارے میں سوال کر رہا تھا؟ اس آدمی نے عرض کیا، میں ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا میں نے اس کے لیے بہت سی نمازوں اور بہت سے روزوں کے ذریعہ تیاری نہیں کی یا اس نے کہا میں نے اس تیاری کے لیے بہت سا عمل نہیں کیا مگر میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان جس سے محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ رہتا ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تم اسی کے ساتھ ہوگے جس سے تم محبت رکھتے ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ مسلمان اسلام کے بعد کسی چیز سے اتنے زیادہ خوش ہوئے ہوں جس قدر وہ اس بات پر ہوئے۔

لہٰذا وہ شخص جو صرف صوفیائے کرام کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو اس کا محرک محبت ہی کا جذبہ ہوتا ہے لہٰذا اس کا شمار بھی انہی میں ہوگا خواہ وہ ان جیسے کام کرنے میں کوتاہی کرتا ہو۔ کیونکہ وہ ان سے محبت رکھتا ہے۔

اس روایت کے علاوہ ایک اور روایت میں اس مفہوم کو زیادہ واضح کیا گیا ہے۔ یہ روایت حضرت عبادہ بن صامت کے واسطے سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک شخص کسی جماعت سے محبت کرتا ہے مگر وہ ان جیسے عمل نہیں کر سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ابوذر! تم ان کے ساتھ رہو گے جن سے تم محبت کرتے ہو۔ میں نے کہا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم ان لوگوں کے ساتھ ہو جن سے محبت کرتے ہو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ کو دہرایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وہی الفاظ دہرائے۔

بہرحال متصوف کے مشابہ افراد کا ان سے محبت کرنا ان کی اسی روحانی بیداری کا نتیجہ ہے جو روحانی بیداری صوفیا میں موجود ہے۔ کیونکہ اللہ اور اللہ والوں کے کاموں سے محبت کرنا روحانی کشش ہی سے ہوتا ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ مشابہ افراد کی راہ میں نفسانی تاریکیاں حائل ہوتی ہیں مگر صوفی ان تاریکیوں سے

Marfat.com

نکل چکا ہے۔ متصوف ابھی صوفی کے درجہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے البتہ وہ مشابہ افراد کے ساتھ اس بات میں شریک ہے کہ اس میں کچھ نفسانی خواہشات باقی رہ گئی ہیں۔

صوفیا کے طریقہ کا آغاز ایمان سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد علم کا درجہ ہے اور آخر میں ذوق کا، لہٰذا مشابہ فرد صاحب ایمان ہے، مگر اس سے مراد وہ ایمان ہے جو صوفیا کے طریقہ کے مطابق ہو۔ وہی تصوف کی سب سے بڑی بنیاد ہے جیسا کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ہمارے اس طریقہ کے مطابق ایمان لانا ولایت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیائے کرام اپنے نادر احوال اور عجیب وغریب آثار کی بدولت بہت سے لوگوں سے ممتاز ہو گئے ہیں کیونکہ انہیں قضا وقدر اور عجیب وغریب علوم کا کشف حاصل ہے، انہوں نے اللہ کے بڑے بڑے کاموں اور اس کے قرب کی طرف اشارے کئے ہیں۔ لہٰذا ان سب باتوں پر ایمان لانا قدرت پر ایمان لانے کے برابر ہے۔

بعض لوگوں نے اولیا کی کرامات کا انکار کیا حالانکہ ان پر ایمان لانا قدرت پر ایمان لانا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ انہیں اس قسم کے بہت سے علوم عطا ہوئے ہیں، اس لیے ان کے طریقہ کا وہی معتقد ہوگا جس پر خدا کا فضل ہو۔

اس صورت میں مشابہ (متشبہ) صاحب ایمان اور متصوف صاحب علم ہے کیوں کہ اس نے ایمان لانے کے بعد طریقہ صوفیا کے مطابق مزید علم حاصل کر لیا ہے جس کی بدولت اس کی صلاحیت بڑھ گئی۔ مگر صوفی صاحب ذوق ہے تاہم ایک مخلص متصوف، صوفی کے حال سے ایک حد تک بہرہ ور ہے، اسی طرح ایک مشابہ فرد بھی متصوف کے فیوضات سے ایک حد تک خوشہ چین ہے کیونکہ خدا کا یہ نظامِ قدرت جاری ہے کہ ہر صاحب حال جسے ذوقِ سلیم حاصل ہو اسے اپنے مرتبہ سے اعلیٰ درجہ تک کا علم بذریعہ مکاشفہ پہنچتا ہے۔ چنانچہ پہلے حال میں وہ صاحب ذوق ہوگا اور مکاشفہ کے حال میں پہنچ کر صاحب علم کہلایا جائے گا۔ اس سے اوپر چل کر وہ صاحب ایمان ہو جائے گا۔ اس طرح وہ راہِ طلب پر ہمیشہ گامزن رہے گا۔ لہٰذا ذوق کے حال میں وہ صاحب قدم ہے اور علم کے حال میں وہ صاحب نظر اور جو اس سے بلند حال ہے، اس میں وہ صاحب ایمان ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ﴿٢٣﴾ (سورۃ المطففین: 23،22)

حقیقت میں نیک بندے آرام سے تختوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔

اس میں نیک بندوں کی تعریف کی ہے اور ان کی شراب کا وصف بیان کیا ہے اس کے بعد ارشاد ہے۔

وَمِزَاجُهُ مِن تَسْنِيمٍ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢٨﴾ (سورۃ المطففین: 28،27)

اس شراب میں تسنیم کے چشمہ سے آمیزش ہے جسے مقربین پئیں گے۔

Marfat.com

اسلام میں تصوف

قول راجح جس پر اکثر صوفیا کا اتفاق ہے یہ ہے کہ یہ لفظ ''صوف'' سے مشتق ہے چونکہ اکثر صوفیا، صوف اون کا لباس پہنتے تھے، اس لیے لوگ انہیں صوفی کہنے لگے۔ چنانچہ شیخ ابونصر سراج اپنی مشہور تصنیف ''کتاب اللمع'' میں لکھتے ہیں صوفیا کو ان کے لباس ظاہری کی بنا پر صوفی کے لقب سے نسبت دی گئی۔ وہ لوگ اون کا لباس اس لیے پہنتے تھے کہ صوف کا لباس اکثر نبیوں، ولیوں اور برگزیدہ ہستیوں کا امتیازی نشان رہا۔

اس خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ایران میں صوفیوں کو ''پشمینہ پوش'' بھی کہتے تھے۔ چنانچہ حافظ شیرازی کہتے ہیں:

سر مست در قبائے زرافشاں چو بگذری
یک بوسہ نذر حافظ پشمینہ پوش کن

لغوی معنی تو ہیں صوف کا لباس پہننا لیکن اصطلاحی معنی ہیں، نفس کا تزکیہ و تجلیہ کرنا تاکہ آئینہ قلب میں ''عکس رخ یار'' منعکس ہو سکے۔

جو تصوف مسلمانوں میں پھیلا، اس کی دو قسمیں ہیں۔

1۔ اسلامی تصوف جو قرآن و حدیث اور آثار صحابہ سے ماخوذ ہے۔

2۔ غیر اسلامی تصوف جسے اس بوتل سے تشبیہ دے سکتے ہیں جس کے لیبل پر شربت گلاب لکھا ہوا ہو مگر اندر صرف بھنگ و افیون بھرا ہوا ہو۔

مگر بدقسمتی سے تصوف کے مخالفین نے جن میں مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر کے شریک ہیں، اسلامی تصوف پر اعتراض کرتے وقت غیر اسلامی تصوف کو مدنظر رکھا اور اس طرح حق و صداقت کا ہی خون نہیں کیا بلکہ لاکھوں مسلمانوں کو تصوف کی برکات سے بھی محروم رکھا۔ ان نادان دوستوں نے قبائح کو مدنظر رکھتے ہوئے غیر اسلامی تصوف کو ہدف بنایا۔ مسلمانوں کو تصوف سے بدظن کرنے کے لیے ان حق شناسوں نے تصوف کی اسلامی اور غیر اسلامی قسم کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ مثلاً انہوں نے کمال کے ساتھ یہ کہنا شروع کیا کہ:

1۔ تصوف کا سرچشمہ غیر اسلامی تصورات و عقائد و افکار ہیں۔

2۔ تصوف بنی نوع آدم کے لیے افیون کی طرح ہے۔

3۔ تصوف زندگی کے حقائق سے گریز کی تعلیم دیتا ہے۔

4۔ تصوف نے مسلمانوں کے قوائے عملی کو مردہ یا کم از کم ضعیف کر دیا۔

5۔ تصوف نے اباحت مطلقہ کا دروازہ کھول دیا۔

Marfat.com

6۔ تصوف نے مشرکانہ عقائد کی اشاعت کی ہے۔

ان حضرات نے اس قسم کے جتنے اعتراضات کیے ہیں وہ غیر اسلامی یا عجمی تصوف پر تو وارد ہو سکتے ہیں لیکن اللہ کے فضل سے اسلامی تصوف کا دامن ان تمام اعتراضات سے پاک ہے۔ مسلمان یعنی حقیقی صوفیائے کرام نے ہر زمانے میں ان خرابیوں کی جو غیر اسلامی تصوف کی وجہ سے رونما ہوئیں نشاندہی بھی کی اور ان کے ازالے کی کوشش بھی فرمائی۔

نفس تصوف کا سرچشمہ اسلامی نہیں ہے بلکہ غیر اسلامی تصوف کا سرچشمہ غیر اسلامی ہے یعنی بعض دنیا پرست اشخاص نے اپنے مقاصد مذمومہ کی تکمیل کے لیے اسلامی تصوف کو اپنا آلہ کار بنالیا اور تصوف کے نام سے غیر اسلامی تصورات اسلامی تصوف میں داخل کر دیے اور اس ''معجون مرکب'' کو اسلامی تصوف کے نام سے فروغ دیا یا اسلامی تصوف کے پردے میں اپنے غیر اسلامی عقائد کی ترویج کی۔ اس تحقیقی جواب کے بعد اب ہم الزامی جواب دیتے ہیں۔ فرض کیجیے ایک غیر مسلم بعض مسلمانوں کو خلافِ اسلام عقائد کا اظہار کرتے ہوئے دیکھتا ہے اور کسی مجلس میں یہ کہتا ہے کہ اسلام بعض مشرکانہ عقائد کی تعلیم دیتا ہے۔ اس پر ایک حامی اسلام اس معترض سے دلیل طلب کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے بعض مسلمانوں کو مصیبت کے وقت غیر اللہ کو پکارتے سنا ہے تو وہ حامی اسلام اس معترض کو یقیناً یہ جواب دے گا کہ جناب آپ نے یہ نتیجہ غلط نکالا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے غیر اللہ کو پکارنا (خواہ وہ منادی رسولؐ ہو یا نبی یا ولی یا فرشتہ) سراسر شرک ہے۔ اگر بعض اشخاص ایسا کرتے ہیں تو اس کی ذمہ داری اسلام پر عائد نہیں۔

ٹھیک یہی جواب یہاں بنتا ہے کہ بعض جاہل یا نقلی یا جعلی یا اربابِ غرض یا مکار صوفیا کے مشرکانہ اقوال وافعال کی ذمہ داری اسلامی تصوف پر عائد نہیں ہو سکتی۔

الغرض تصوف کا سرچشمہ غیر اسلامی عقائد نہیں ہیں، ہاں غیر اسلامی یا عجمی تصوف کا سرچشمہ غیر اسلامی عقائد ضرور ہیں۔ ہم بھی صاد کرتے ہیں۔

دوسرے اعتراض (کہ تصوف افیون کی طرح ہے) کا جواب بھی یہی ہے کہ اسلامی تصوف ''افیون'' نہیں ہے، ہاں غیر اسلامی تصوف میں ایسی تعلیم ضرور دی گئی ہے جس پر عمل کرنے سے انسان کی قوتِ عملی کمزور ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص موجودہ زمانے کے مسلمانوں کے طرزِ حیات پر اسلام کو قیاس کرے اور کہے کہ اسلام انسان کو کاہلی، تن آسانی اور فرار کی تعلیم دیتا ہے تو آپ یہی جواب دیں گے کہ اسلام کو مسلمانوں کے اعمال پر قیاس مت کرو۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ تصوف کو صوفیوں کے اعمال پر قیاس مت کرو بلکہ تصوف کے پیشواؤں کی تصانیف کا مطالعہ کرو تا کہ یہ معلوم ہو سکے حقیقی اسلامی تصوف کیا تعلیم دیتا ہے جیسے حضرت حسن بصریؒ، رابعہ بصریؒ، سفیان ثوریؒ، جنید بغدادیؒ، علی ہجویریؒ جیسے صوفیا و بزرگان دین۔

Marfat.com

اسلامی تصوف کے مآخذ

1۔ تصوف کی اصل بلکہ اصل الاصول، لقاء رب کی آرزو ہے۔ سالک یہ تمام مجاہدات، ریاضات، مراقبات، اسی لیے برداشت کرتا ہے کہ وہ محبوب کا دیدار کر سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ مقصد حیات "دیدار یار" ہے۔ یہ دراصل اس آیت سے ماخوذ ہے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ (سورۃ الکہف: 110)

پس جو شخص اپنے رب سے ملاقات کا آرزومند ہو اسے لازم ہے کہ اعمالِ صالحہ بجا لائے اور اپنے رب کی اطاعت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

2۔ تصوف کے عناصر ترکیبی تین ہیں: (ا) کامل توحید، (ب) کامل تقویٰ، (ج) اور کامل محبت اور یہ تینوں عناصر قرآن سے مقتبس ہیں:

(ا) کامل توحید کے حوالے سے دیکھا جائے تو سارا قرآن توحید کی تعلیم سے معمور ہے بلکہ ہماری رائے میں قرآن کے نزول کی علت غائی ہی تلقین توحید ہے، کیوں کہ قبل بعثت نبویؐ خالص اور کامل توحید دنیا سے مٹ چکی تھی۔ تمام اقوامِ عالم، انسان پرستی، یعنی شرک میں مبتلا تھیں۔ تبرکاً صرف ایک آیت ملاحظہ فرمائیں۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳﴾

(سورۃ الحدید: 3)

بس وہی ہر شے کا اول ہے اور ہر شے کا آخر ہے اور ہر شے کا ظاہر ہے اور ہر شے کا باطن ہے یعنی وہی وہ ہے اور وہ ہر شے کی ماہیئت سے آگاہ ہے۔

(ب) درسِ توحید کے بعد سارا قرآن تاکید تقویٰ سے بھرا پڑا ہے بلکہ یہ قرآن صرف متقی افراد ہی کے لیے ہدایت ہے، غیر متقی اس سے ہدایت یاب نہیں ہو سکتا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ متقی کو اللہ کی معیت نصیب ہو جاتی ہے۔ صرف ایک آیت دیکھیں۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ (سورۃ النحل: 128)

بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور محسن (بھی) ہیں۔

(ج) تصوف کا دارومدار عشق یا محبت الٰہی پر ہے، یعنی محبت ہی حصولِ مقصود کا واحد ذریعہ ہے یا حریم ناز تک پہنچنے کے لیے بمنزلہ دربان ہے۔

صرف دو آیتیں لیجیے:

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (سورۃ البقرہ:165)

اور جو لوگ مومن ہیں وہ سب سے زیادہ محبت اللہ ہی سے کرتے ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل اس آیت میں کی فرمادی تا کہ کوئی ابہام باقی نہ رہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ (سورۃ التوبہ:24)

(اے رسولؐ) مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اپنے باپ دادا، بیٹے، بھائی، بیویاں اور رشتے دار اور وہ اموال جو تم نے بڑی محنت سے کمائے ہیں وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم بہت ڈرتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم بہت عزیز رکھتے ہو، اگر ان میں سے کوئی چیز بھی تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیاری یا محبوب ہو تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ صادر ہو جائے اور یاد رکھو کہ اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

تصوف کے عناصر ترکیبی میں ربط باہمی ہے، جو مندرجہ ذیل ہے۔

☆ محبت کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے اس لیے تصوف جب انسان کو محبت کی تلقین کرتا ہے تو گویا اس کے فطری تقاضے کی تکمیل کا سامان مہیا کرتا ہے۔

☆ چونکہ انسان اپنی کوتاہ بینی یا نادانی کی وجہ سے کسی نااہل ہستی کو محبوب بنا سکتا ہے، اس لیے تصوف نے اسے آگاہ کیا کہ محبوب اسے بناؤ جو (1) جمیل بھی ہو (2) غیر فانی بھی ہو اور تمہاری محبت کا جواب بھی دے سکے اور ایسی ہستی صرف اللہ ہے۔ چونکہ کامل ترین ہستی صرف ایک ہی ہو سکتی ہے اس لیے تصوف توحید کی تعلیم دیتا ہے یعنی لا الہ الا اللہ

☆ تقویٰ کا مطلب ہے یہ دیکھتے رہنا کہ ایسی کوئی بات سرزد نہ ہو جائے جس سے محبوب حقیقی ناراض ہو جائے۔

لغوی اعتبار سے تقویٰ کا مفہوم محبوب کی نافرمانی سے بچنا ہے، کیونکہ نافرمانی سے محبوب ضرور ناراض ہو جائے گا۔

الغرض سالک کی زندگی انہی تین اجزا سے مرکب ہوتی ہے۔ وہ محبوبِ حقیقی سے جو واحد و لاشریک ہے، محبت کرتا ہے اور ہر وقت یہ دیکھتا رہتا ہے۔ اسی کو مراقبہ اور محاسبہ کہتے ہیں کہ قول یا فعل محبوب کی مرضی کے خلاف سرزد نہ ہو۔

Marfat.com

☆ تصوف قربِ الٰہی کی تلقین کرتا ہے یا صوفی، قربِ الٰہی کا خواہاں ہوتا ہے۔ اس کی یہ خواہش اس آیت پر مبنی ہے۔

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾ (سورۃ العلق:19)

اے رسولؐ! سجدے کیے جایئے اور قربِ حق حاصل کیے جایئے۔

☆ صوفی اللہ کی طرف راغب رہتا ہے یا تصوف رغبتہ الی اللہ کی تلقین کرتا ہے۔ یہ تعلیم اس آیت پر مبنی ہے:

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿۷﴾ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾ (سورۃ الانشراح:7،8)

پس اے رسولؐ! جب آپ فرض منصبی یعنی تبلیغ اسلام سے فارغ ہوں تو عبادت میں محنت کیجئے اور اپنے رب کی طرف راغب رہیے۔

بس اسی لیے صوفی بھی اللہ ہی کو اپنا مرغوب بناتا ہے۔

☆ تصوف کا ثمرہ معیت الٰہی ہے اور یہ بات بھی قرآن ہی سے ماخوذ ہے۔

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ (سورۃ الحدید:4)

اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔

یہ معیت عمومی ہے اور کافر اور مومن دونوں پر حاوی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ﴿۱۲۸﴾ (سورۃ النحل:128)

بے شک اللہ ساتھ ہے ان لوگوں کے جو متقی بھی ہیں اور محسن بھی ہیں۔

یہ معیت خصوصی ہے۔ کفار اس نعمت سے محروم ہیں اور اس محرومی کے ذمہ دار وہ خود ہیں۔

تصوف کا دستور العمل یا طریق جسے اصطلاح میں تزکیہ نفس کہتے ہیں، قرآن ہی سے ماخوذ ہے اور تزکیہ نفس خود قرآن سے ثابت ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ (سورۃ الجمعۃ:2)

اللہ وہ ذات پاک ہے جس نے امیوں میں ایک عظیم المرتبت رسول مبعوث فرمایا جو انہیں آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

تزکیہ نفس کا دستور العمل سورہ مزمل کی ابتدائی آیات میں درج ہے۔ اس کے مطالعے سے واضح ہو جائے گا کہ صوفیا صحیح معنوں میں متبع سنت نبوی ہیں اور ان کی زندگی صحیح معنوں میں اسلامی زندگی ہے۔

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۲﴾ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ﴿۳﴾ أَوْ

Marfat.com

زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝٤ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝٥ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝٦ (سورۃ المزمل: 1 تا 6)

اے کپڑا اوڑھنے والے! کھڑا رہا کر رات کو مگر تھوڑی دیر کے لیے آدھی رات یا اس میں بھی کم کر لیا کر یا کچھ بڑھا دیا کر اور قرآن کو خوب آہستہ آہستہ پڑھا کر۔ تحقیق ہم ڈالنے والے ہیں تیرے اوپر ایک بھاری حکم کا بوجھ، تحقیق اٹھنا رات کا وہ بہت سخت (مؤثر) ہے نفس کو کچلنے میں اور بہت سیدھا کرنے والا ہے بات کو یعنی اس وقت دعا بھی ٹھیک دل سے نکلتی ہے، تحقیق تیرے لیے دن میں (بسلسلہ تبلیغ) بڑا مشغلہ رہا کرے گا، اور ذکر کر اپنے پروردگار کے نام کا اور اسی کا ہو رہ سب سے ٹوٹ کر، وہ پروردگار ہے مشرق اور مغرب کا، نہیں ہے معبود اس کے سوا پس بنا اسی کو اپنا کارساز اور صبر کر او پر ان باتوں کے جو (کافر) تیری نسبت کہتے ہیں اور قطع تعلق کر لے ان سے وضع داری کے ساتھ اور چھوڑ دے مجھ کو اور ان جھٹلانے والوں کو جو خوش حال اور دولت مند ہیں (میں ان سے بھگت لوں گا) اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے۔

ہم نے قصداً لفظی ترجمہ کیا ہے۔ اب ناظرین اس ترجمے کو غور سے پڑھیں، انہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ صوفیائے کرام نے سلوک کے تمام بنیادی اصول انہی آیات سے مستنبط کیے ہیں جن کی تفصیل ذیل میں درج ہے:

شیخ طریقت سالک کو حکم دیتا ہے کہ آخر شب میں اٹھو۔ یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے: ''قم الیل'' کھڑا رہا کر رات کو۔

اٹھ کر نماز تہجد پڑھو۔ یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے جو سورہ اسرائیل کی آیت نمبر 79 میں مندرج ہے اور یہ حکم سورہ مزمل کی آیت نمبر 3 کی شرح ہے وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ اور رات کے ایک حصے میں نماز تہجد پڑھا کرو، اور نمازیں تو فرض ہیں لیکن یہ تمہارے لیے نفلی نماز ہے، واضح ہو کہ یہ نماز فرض نہیں ہے مگر جو شخص قربِ ایزدی کا طالب ہو اس کے لیے اشد ضروری ہے کیونکہ حضور انور ﷺ فرماتے ہیں کہ بندہ نوافل کے ذریعے سے قرب الٰہی حاصل کر سکتا ہے۔

نماز تہجد میں ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھو، حکم اس آیت سے ماخوذ ہے، وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا اور نہایت آہستہ آہستہ یعنی واضح طور پر قرآن پڑھو، اس آیت میں ''رتل'' کے بعد ''ترتیل'' کا لفظ تاکید کے لیے لایا گیا ہے یعنی بہت رک رک کر قرآن پڑھو تا کہ معانی میں تدبر حاصل کر سکو، جس کا ثمرہ یہ ملے گا کہ قرآن کے معانی ذہن نشین ہو جائیں گے اور اس کی بدولت باطن میں انقلاب پیدا ہو جائے گا جو مقصودِ تلاوت ہے۔ اس کا ثبوت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں سے بخوبی مل سکتا ہے۔

Marfat.com

ترتیل کے لفظی معنی ہیں الفاظ کا منہ سے درستی کے ساتھ بسہولت ادا کرنا۔ آہستہ آہستہ واضح اور صاف طور پر پڑھنا لیکن اس کے وہ معنی جو حضور انور ﷺ کی مراد ہیں، کچھ اور ہیں جو ذیل کی حدیث سے واضح ہو سکتے ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک دن حضور انور ﷺ ایک شخص کے پاس سے ہو کر گزرے جو قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا کہ ورتل القرآن ترتیلا؟ یہ ہے ترتیل۔

اس حدیث سے ترتیل کا حقیقی مفہوم واضح ہو گیا یعنی ترتیل کا دراصل مطلب یہ ہے کہ قاری اس طرح رک رک کر قرآن پڑھے کہ تدبر یعنی معانی میں غور و فکر کر سکے۔ اور جب وہ ایسا کرے گا تو معانی ذہن نشین ہو کر اس میں رقت کی کیفیت پیدا کر دیں گے۔

ذکر و فکر، مراقبہ، مجاہدہ، اوراد، اشغال اور جملہ لوازمِ سلوک سے مقصود صرف یہی ہے کہ نفس امارہ مغلوب ہو جائے۔ یہ مقصود اس آیت سے ثابت ہے۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝

بے شک اٹھنا رات کا بڑا مؤثر ہے نفس کو کچلنے میں اور اس وقت ذکر الٰہی دل سے بطرز احسن نکلتا ہے۔

شیخ طریقت، سالک کو ذکر اسم ذات کی تلقین کرتا ہے۔ یہ تلقین اس حکم آیت سے ماخوذ ہے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ (یعنی اپنے رب کے نام سے یاد کر)

تصوف میں تبتل کی تلقین کی جاتی ہے اور یہ تلقین اس آیت سے ماخوذ ہے۔

وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا یعنی پورے طور سے تمام علائق مادی و دنیوی سے قطع تعلق کر یہاں بھی امر تبتل کے بعد مصدر تبتل لایا گیا ہے جس سے تاکید مراد ہے یعنی کامل طور سے قطع تعلق کر، تبتل کا مادہ بتل کہتے ہیں قینچی سے کاٹ دینے کو۔ اس لفظ کی مزید تشریح یہ ہے۔

اتبتل وهو عند العرب التفرد هو اللقطع و معنى الآية انفرد الله فاتيت لى المامور به الانقطاع الى الله يا خلاص العبادة... والتبتل المبتى عنده وهو سلوك مسلك النصارى فى ترك الناح

تبتل عربی زبان میں تفرد یا قطع کو کہتے ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ کے لیے تفرد مادیات سے قطع تعلق اختیار کر۔ پس جو تبتل شریعت میں مقصود ہے یا جس کا حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ لذاتِ دنیوی سے قطع نظر کی جائے اور اللہ کی عبادت خلوصِ دل کے ساتھ کی جائے اور جس تبتل سے شریعت نے منع کیا ہے وہ نصاریٰ کا تبتل ہے یعنی نکاح

Marfat.com

(عائلی زندگی) کو ترک کر دینا۔

خلاصہ کلام یہ کہ اسلامی تصوف میں تبتل سے رہبانیت مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب ہے لذات دنیوی سے قطع تعلق کرنا یا دنیا کو مقصود نہ بنانا بلکہ دنیا میں رہ کر اس سے دل نہ لگانا۔

سالک کو تلقین کی جاتی ہے کہ اللہ کو اپنا وکیل (کارساز) بناؤ، صرف اسی پر بھروسہ کرو، اپنی دولت، مال، اولاد، جائیداد اور مادی تعلقات پر بھروسہ مت کرو۔ یہ تلقین اس آیت سے ماخوذ ہے: تاخذوا وکیلا۔

سالک کو تلقین کی جاتی ہے کہ اغیار کے اعتراضات پر صبر کرو یعنی اگر کوئی شخص تم پر طعن وطنز کرے، اعتراض کرے تمہیں برا کہے یا تمہاری برائی کرے تو تم اس کی جفاؤں کو خاموشی سے برداشت کرو کیونکہ اگر تم اس سے الجھے تو تمہارا مقصد فوت ہو جائے گا۔ جب تم نے اللہ کو اپنا وکیل بنا لیا ہے تو وہ تمہاری طرف سے مدافعت کے لیے کافی ہے۔ تم اپنا کام کیے جاؤ، یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے۔ واصبر علی مایقولون۔

سالک کو حکم دیا جاتا ہے کہ مخالفین سے کنارہ کشی اختیار کرو، مگر لڑ بھڑ کر نہیں بدکلامی کے بعد نہیں بلکہ خوبصورتی کے ساتھ یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے۔

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ان سے عمدگی کے ساتھ کنارہ کش ہو جا۔

سالک کو تاکید کی جاتی ہے کہ جو لوگ تمہاری تکذیب یا تردید کر دیں تم خود ان سے بحث مباحثہ مت کرو، کیونکہ تمہاری توجہ مقصود سے ہٹ جائے گی۔ لوگوں سے الجھنا، مناظرہ کرنا، مقابلہ کرنا یہ سب باتیں تمہارے حق میں مضر ہیں، یہ حکم اس آیت سے ماخوذ ہے۔ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔ یہ اسلامی تصوف کے دس بنیادی اصول ہیں اور سب کے سب قرآن کی مذکورہ بالا آیتوں سے ماخوذ ہیں بلکہ ان پر مبنی ہیں۔

واضح ہو کہ یہ سورت ترتیب نزول کے اعتبار سے دوسری یا تیسری ہے اور اس بات پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سرکار ابد قرار ﷺ کو یہ حکم دیا کہ سب سے پہلے مسلمانوں کے نفوس کا تزکیہ کرو۔ کیونکہ تزکیہ نفس کے بغیر نفس مغلوب نہیں ہوسکتا اور جب تک نفس مغلوب نہ ہو کوئی مسلمان نہ جہاد فی سبیل اللہ کر سکتا ہے نہ انفاق فی سبیل اللہ کر سکتا ہے، اور اسلام انہی دو چیزوں کا نام ہے۔

(الف) اللہ کہتا ہے کہ اپنا مال میری راہ میں خرچ کرو، لیکن نفس انسان سے کہتا ہے کہ اگر تم نے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا تو تم مفلس ہو جاؤ گے اور تمہارے متعلقین بیوی بچے فاقے کریں گے۔ للہذا جب تک نفس مغلوب نہ ہو اس وقت تک کوئی مسلمان اپنا مال اللہ کی راہ میں صرف نہیں کر سکتا۔

(ب) اللہ کہتا ہے کہ میری راہ میں جہاد وقتال کرو۔ نفس انسان کو ورغلاتا ہے کہ اگر تو میدانِ جنگ میں گیا تو گمانِ غالب یہی ہے کہ مارا جائے گا۔ اس صورت میں تیری بیوی اور تیرے بچے برباد ہو جائیں گے۔ پس جب تک نفس مغلوب نہ ہو کوئی مسلمان سر بکف ہو کر میدان میں نہیں آ سکتا۔

Marfat.com

تصوف کیا ہے؟ تزکیۂ نفس کا دوسرا نام ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کی بعثت کے مقاصد چہارگانہ میں دوسرا مقصد ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۙ﴿۲﴾

(سورۃ الجمعۃ:2)

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے امیوں میں ایک عظیم الشان رسول مبعوث کیا جو: (1) انہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ (2) اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے۔ (3) اور انہیں کتاب (4) اور حکمت سکھاتا ہے اور اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

انسان کی عقلی اور روحانی زندگی میں تصوف کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ عصر حاضر کا مشہور فلسفی برٹرینڈ رسل (Russell) جس کے بارے میں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ تصوف کا حامی ہے، یہ کہتا ہے کہ ”دنیا میں جس قدر عظیم ترین فلسفی گزرے ہیں، سب نے فلسفے کے ساتھ ساتھ تصوف کی ضرورت کا بھی اعتراف کیا ہے۔ دنیائے افکار میں انتہائی بلند مقام صرف سائنس اور تصوف کے اتحاد سے حاصل ہو سکتا ہے۔ بہترین انسانی خوبیوں کا اظہار صرف تصوف ہی کے ذریعے سے ممکن ہے۔“

رسل نے اپنے دعوے کے ثبوت میں حسب ذیل فلاسفہ کے نام بطور مثال پیش کیے ہیں، ہرقلیطوس، پارمینائڈیز، افلاطون اور اسپنوزا، ظاہر ہے کہ یہ فہرست جامع نہیں ہے، اس لیے چند اسماء ملاحظہ کریں مثلاً برونو، ہیگل، برگساں اور وائٹ ہیڈ۔

تصوف کی سب سے بڑی خصوصیت جو اسے دنیا کے دوسرے تمام علوم وفنون سے ممیز کر دیتی ہے یہ ہے کہ اس کی بدولت خدا انسان کا محبوب بن جاتا ہے۔

یہاں اگر کسی کو یہ شبہ لاحق ہو کہ مذہب بھی خدا سے محبت سکھاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی لیے تو ابتدائی بحث میں لکھا ہے کہ تصوف مذہب کی روح ہے، جب کوئی مذہبی آدمی خدا سے محبت کرنے لگتا ہے تو وہ تصوف کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔

تصوف کی ایک تاریخ یہ بھی ہے

ڈاکٹر البصر نصری نادر کے بقول: ”تصوف اپنی ابتداء میں دینی زندگی کی صورتوں سے میں ایک صورت تھی۔ اسے افراد ہی اختیار کرتے تھے اور ان سے ان کے خاص اصحاب حاصل کرتے تھے پھر بتدریج یہ منظم تحریک اور مدرسہ بن گیا جس سے اولیا بن کر نکلنے لگے اور اس کے قواعد اور رسوم بن گئے۔

تصوف کی تاریخ کے دو نمایاں دور قرار دیئے جاتے ہیں۔ پہلا ابتدائی عہد سے نویں صدی تک کا

Marfat.com

اور دوسرا نویں صدی کے بعد کا۔ پہلے دور میں تصوف محض میلانات اور رجحانات پر مبنی تھا، اس کا کوئی نظام نہ تھا۔ دوسرے دور میں اس نے الٰہیات کا اپنا نظام مرتب کر لیا اور اپنے خانقاہی طریقوں کی تنظیم کی۔ تصوف کو ایک طریقہ حیات کی حیثیت دینے اور متعارف کرانے کے لیے صوفیا نے کشادہ ذہنی کے ساتھ اسلام اور دوسرے مذاہب سے استفادہ کیا اور جہاں سے جو چیز مناسب و معاون نظر آئی اسے اپنا لیا۔ یہ انتخاب و اختیار بہرحال مناسبت و مشابہت اور تقویت ہی کی بنیاد پر کیا گیا۔

تصوف کو حضور ﷺ کی تعلیماتِ خاص کا روحانی پیکر کہا جاتا ہے اور بسا اوقات اسے سنت رسول ﷺ کے باطنی پہلو کی حیثیت سے متعارف کرایا جاتا ہے مگر موجودہ نظامِ تصوف میں موجیں شریعت کی دیواروں سے ٹکرانے لگتی ہیں۔ ایک اجنبی مشاہد کی حیثیت سے ڈاکٹر تارا چند بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ تصوف ایک ایسا دریا ہے جس میں مختلف ملکوں کی چھوٹی چھوٹی ندیاں آ کر ملتی ہیں اور اسے ایک بڑا دریا بنا دیتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کا اصل سرچشمہ قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی ہے، مسیحیت اور نوافلاطونیت کے دھارے اسی میں آ کر ملے اور اس کا حجم بڑھا، ہندومت اور بدھ ازم نے اس کو کئی نئے خیالات دیئے اور قدیم ایرانی مذہب زرتشت اور مانی کے مذاہب نے بھی اسے اپنا حصہ دیا۔

ابتداءِ اسلام میں نہ صرف یہ کہ تصوف اور صوفیا کا وجود نہیں ملتا بلکہ اصحابِ صفہ کے اندر بھی ایسی کوئی علامت نہ تھی جو بعد کے صوفیا کے لئے وجہ جواز فراہم کرے۔ اس وقت دین داری اور تقویٰ کا معیار صحابیت اور بعد کے دور میں تابعیت تھی، دورِ ملوکیت میں زہاد اور عباد کے القاب معروف ہوئے اور اس کے بعد تصوف اور صوفیا کی اصطلاح رائج ہوئی۔

ساسانی عہد کے اواخر اور اسلام کے اوائل میں دجلہ و فرات کے سواحل پر عراق و جزیرہ کے مسیحی راہبان اور نساک ترکِ دنیا کر کے خانقاہوں کو آباد کر رہے تھے اور شب و روز ریاضت میں مشغول رہتے تھے، وہ نفس کشی اور ترکِ لذات کے ذریعہ خود کو فنا کرتے، کھردرا اور تکلیف دہ لباس پہنتے تاکہ جسم تکلیف کے خوگر بنیں، ان حضرات کو صوفی، اور ایسی خواتین کو ''صوفیہ'' کہا جاتا تھا۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے یہ لقب ابو ہاشم کوفی کو ملا جو حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر تھے حالانکہ فقہا اس طرزِ زندگی کو بدعت قرار دیتے تھے چنانچہ خود حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ لباسِ تصوف پر تنقید کرتے اور اسے بدعت قرار دیتے تھے، حماد بن سلیمان نخعی جب بصرہ آئے تو ان کے سامنے فرقد سنجی لباسِ تصوف میں آئے۔ اس پر انہوں نے فرمایا، اس نصرانی لباس کو اتار ڈالو، مگر یہ طریقے آہستہ آہستہ عراق و جزیرہ کے مسلمانوں میں رائج ہو گئے، شام، مصر اور اندلس میں بھی پھیل گئے اور آخر میں یہ تصوف جب ایران پہنچا تو اس نے ایرانی رنگ و آہنگ اختیار کیا، ایران کے قدیم افکار کے سہارے اس کی تنظیم ہوئی اور مغرب میں تو افلاطونیت حتیٰ کہ اسرائیلیات نے بھی اس راہ کو اختیار کیا اور اس طرح تصوف کی تین شاخیں بن گئیں۔ (1) عراق کا تصوف نستوری، یعقوبی نصاریٰ اور

Marfat.com

صابئون ابن دیصان اور ہرمس کی تعلیمات سے متاثر ہوا۔ (2) ایران و ہند کا تصوف جو ایران کے زردشت اور مانی، ہندوستان کے بودھ اور اور اپنشد کی تعلیمات سے متاثر ہوا۔ (3) مصر و شام اور مغرب و اندلس کا تصوف جو نو افلاطونیت، یہود اور حکمائے اسکندریہ سے متاثر ہوا۔

ہندوستان سے باہر تصوف کے جو مراکز و مساکن تھے وہاں اسلام سے پہلے دوسری قومی تہذیبیں اور نظریات موجود تھے، اس لیے تصوف پر بطور خاص ان کے اثرات پڑے اور جب یہ تصوف مختلف مرحلوں سے گزرتا ہوا ہندوستان آیا تو مسلمانوں میں مقبول عام ہو کر تہذیب اسلام کا جزو بن گیا۔ شیخ محمد اکرام کہتے ہیں کہ خواجہ باقی باللہ کی آمد سے پہلے تصوف کے جو سلسلے ہندوستان میں برسر فروغ تھے وہ تمام کے تمام ایران اور عراق کی پیداوار تھے۔ مثلاً قادریہ سلسلہ کے بانی شیخ عبدالقادر جیلانی بغداد کے رہنے والے تھے، سہروردی سلسلہ بھی بغداد کے قریب سہرورد گاؤں سے شروع ہوا، چشتیہ سلسلہ بھی خراسان کی ایک بستی چشت کی طرف منسوب ہے۔ ان کے بقول ان تینوں سلسلوں میں جزوی اور فروعی اختلافات تھے لیکن ان کا روحانی پس منظر ایک تھا، ان سب میں وہ عجمیت جو دور عباسیہ کو دور امویہ سے اور بغداد کے متکلموں اور فلسفیوں کو مدینہ منورہ کے فقہا اور محدثین سے منفرد کرتی ہے، موجود تھی، تینوں میں صلح کل طریقہ مقبول تھا جس کے تحت غیر مروجہ بلکہ غیر اسلامی طریقوں سے اخذ وفیض کرنے سے اجتناب نہ کیا جاتا تھا، تینوں میں شروع کے مقابلے میں تھوڑی بہت آزادی تھی اور تینوں میں وحدت الوجود کا طریقہ رائج ہو گیا تھا۔

مولانا عبیداللہ سندھی تصوف کو اسلام کا ایک حصہ تسلیم کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ''ایرانی مسلمانوں کے پرانے فلسفہ نے عباسیوں کے دور میں رنگ جانے کے بعد جب دوبارہ جنم لیا تو اس کا نام تصوف ہوا۔ بلخ و بخارا اور خراسان میں بدھ مت ایک طاقتور مذہب کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہاں اس کے بڑے بڑے مراکز موجود تھے اور بدھ کے پیرو بڑی تعداد میں اپنے نظام کے استحکام میں مشغول تھے، جب وہاں تصوف یا صوفیا کرام پہنچے تو بدھ مت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور بدھ طریقے اور نظریے اسی بدھ مت کی پیداوار ہیں۔ مثلاً حبس دم، صلح کل، شیخ، مریدوں کا سر منڈانا وغیرہ۔

تصوف کے نظریات

تصوف کے بعض نظریات تو قرآن وسنت پر مبنی ہیں مثلاً صبر، شکر، توکل، زہد، استغنا وغیرہ۔ ان کی تفصیلات میں اختلاف ہوسکتا ہے مگر ان اصولوں سے نہیں، البتہ تصوف کے بعض نظریات اجنبی ہیں۔ تصوف کے ان نظریات میں بہت سی چیزیں قابل بحث ہوسکتی ہیں مگر ان میں سب سے زیادہ معروف اور نتائج کے اعتبار سے دوررس وحدت الوجود، اتحاد اور حلول اور رجال الغیب کے نظریات ہیں جن کے اثرات آج بھی لوگوں کے دل و دماغ پر قائم ہیں۔ وحدت الوجود کا نظریہ تصوف میں زیادہ معروف ہے اور ہندوستان میں شیخ

Marfat.com

احمد مہائمی، شیخ عبدالقدوس گنگوہی، شیخ تاج العارفین وغیرہ جیسے سینکڑوں بزرگوں نے اس کی وکالت اور اشاعت کی ہے۔ ہندوستان میں چشتیہ اور قادریہ سلسلے بھی وجودی تصوف کے حامی نظر آتے ہیں۔ فیروز شاہ خلجی کے زمانہ میں احمد بہاری اور شیخ عز کاکوی جو فردوسی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے، نے وجودیت کے سلسلے میں خدائی تک کا دعویٰ کیا اور لوگ ان کے پیچھے ہو لیے چنانچہ علماء کو ان کے قتل کا فتویٰ دینا پڑا۔

سوال یہ ہے کہ تصوف میں اس نظریہ کی آمد کہاں سے ہوئی؟ بعض حضرات نے خود قرآن کی اس آیت "هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ" کو اس کا سرچشمہ قرار دیا ہے، اور بعض حضرات نے اسے ہندومت کے ویدانت سے ماخوذ بتایا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ اسلامی دنیا میں اس نظریہ کی ابتدا تیسری صدی ہجری کے آخر یعنی حسین بن منصور حلاج کے زمانے سے ہوئی اور اس کو تقویت اور کمال ساتویں صدی ہجری یعنی محی الدین ابن عربی کے عہد میں ملا۔ چنانچہ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ "اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہندوستان میں آنے کے بعد ہندو ویدانتوں کے تخیل سے مسلمان صوفیوں پر اثر پڑا ہے۔ مگر اسلامی تصوف میں اس تخیل کا اثر بہت پہلے سے معلوم ہوتا ہے۔ جنہوں نے اس عقیدہ کی سب سے پرجوش حمایت کی ہے، وہ اسپین کے باشندے تھے اور کبھی ہندو فلسفہ سے ان کو دوچار ہونے کا موقع نہیں ملا اس لیے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ہندو ویدانت سے نہیں بلکہ نوافلاطونی فلسفہ سے متاثر ہوئے تھے۔ نوافلاطونیت سے اس نظریہ کا متاثر ہونا بظاہر درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ یونانی فلسفہ کا اصول ہے کہ لا یصدر عن الواحد الا الواحد یعنی ایک چیز سے صرف ایک ہی چیز کا صدور لازم آتا ہے۔ اس تضاد کو دور کرنے کے لیے وحدت الوجود کا سہارا لیا گیا جس کی رو سے تمام موجودات ذاتِ واحد کے وجود کے ظہور کی عملی شکل ہیں یا یہ کہ وجود حقیقی تو اللہ ہے، باقی موجودات اس کا حصہ ہیں۔

اس نظریہ کا منطقی نتیجہ ایک دوسرا نظریہ ہے جسے "اتحاد اور حلول" کہا جاتا ہے یعنی جب ساری مخلوق ایک ہی وجود کا حصہ ہے تو بالآخر اسے اسی ذات میں لوٹ جانا ہے کیونکہ ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے اتصال بالمبداء فنا فی اللہ مجرد تجرید اور اتحاد اور حلول کے نظریات تمام صوفیا کے یہاں کسی نہ کسی درجہ میں موجود ہیں۔ ابن خلدون کی نظر میں حلول کا نظریہ صوفیا نے شیعہ حضرات سے لیا ہے، ان کے بقول متاخرین صوفیا چونکہ اسماعیلیوں سے بہت زیادہ ربط وضبط رکھتے تھے اور اسماعیلی حلول اور الوہیت ائمہ کے قائل تھے اس لیے ابن عربی، ابن سبعین اور ان دونوں کے شاگرد ابن العفیف، ابن الفارض اور النجم اسرائیلی بھی اس کے متبع ہو گئے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ حلول کا نظریہ زرتشت اور بدھ کی تعلیمات سے ماخوذ ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اسماعیلیوں نے بھی زرتشتی عقیدہ سے متاثر ہو کر اسے اپنایا ہو اور وہ صوفیا تک منتقل ہوئے ہوں، اتصال بالمبدا فنا فی اللہ محو تجرید اور اتحاد وحلول کے اس روحانی ارتقاء کا تذکرہ سب سے پہلے تفصیل کے ساتھ سنائی نے "سیر العباد الی المعاد" میں کیا ہے۔ اس کے بعد عطار نے "منطق الطیر" میں کیا ہے۔ انہوں نے بتایا

Marfat.com

ہے کہ روح چڑیا کی صورت میں سات وادیوں سے گزرتی ہے اور اس جگہ پہنچتی ہے جہاں اپنے مطلوب کمال کو حاصل کر لیتی ہے۔ دین زرتشت میں یہی سیرہ سلوک اور طے مدارج کا بیان روحانی معراج میں ہے جو کہ ''ارادی ویراف نامہ'' مشہور داستان میں باقی ہے۔ یہی اصول بدھ مت کی تعلیمات میں ''نروان'' کے نام سے موسوم ہے جس کا نتیجہ فنا ہے۔ بدھ مت اور ویدانت وغیرہ کے اثرات کی بنا پر حلول کے عقیدے غلو و تقصیر یعنی یہ کہ انسان خدا کے درجہ تک پہنچ سکتا ہے اور خدا انسان کے درجہ تک اتر سکتا ہے کو ہندوستان میں قبول کرنے کی بڑی صلاحیت موجود تھی اور شیعوں کے اس اثر نے ہند کے صوفیا کو اسی لیے متاثر کیا ہے۔

وحدت الوجود کے بطن سے نمودار ہونے والا ایک نظریہ ''صلح کل'' بھی ہے جو بالآخر وحدتِ ادیان پر منتہی ہوتا ہے یعنی اگر یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ سارے موجودات ایک ہی وجود کا حصہ ہیں تو ان موجودات میں تمیز، دوئی اور اختلاف روا نہیں، سارے راستے جب ایک ہی منزل کو پہنچتے ہوں تو ان سب کو یکساں اہمیت ملنی چاہیے جسے اربابِ تصوف اور قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے کا عنوان دیتے ہیں۔

تصوف میں ایک معروف تصور مردانِ غیب کا بھی ہے۔ اس کے مطابق نظامِ عالم کی اس ظاہری ہیئت کے پس پردہ ایک باطنی نظام ہوتا ہے جس کے چلانے والے مختلف مردانِ غیب ہوتے ہیں۔ ان میں قطب قیوم، اوتاد، ابدال، مجذوب، نجبائ، غوث وغیرہ ہوتے ہیں۔ یہی حضرات دنیا کا نظام چلاتے ہیں اور یہی لوگ حسب مرتبہ اللہ کے امر کا نفاذ کرتے ہیں یا اپنا امر اللہ سے نافذ کراتے ہیں۔ بسا اوقات ان کے اختیارات اس قدر ہوتے ہیں کہ اللہ ان کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرتا، ان کی مرضی اللہ کی مرضی ہوتی ہے اور ان کی ذات اللہ کا مظہر ہوتی ہے۔ قطب عارف کامل کی ترجمانی کرتا ہے۔ صوفیا کا خیال ہے کہ معرفت میں کوئی شخص قطب کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اللہ اسے موت نہ دے۔ جیلی نے انسانِ کامل کے بارے میں کہا ہے کہ انسانِ کامل وہ قطب ہے جس پر اول سے آخر تک وجود کے افلاک گردش کرتے ہیں اور وہ ابتدائے وجود سے لے کر ابدالاباد تک ایک ہے۔ اوتاد کی تشریح کے لیے حسب ذیل شعر کافی ہے۔

اگر اوتاد نبود بروئے زمین
نمائد پابہ خیمہ بلفمیں

اگر روئے زمیں پر اوتاد نہ ہوتے تو ساتوں آسمان قائم نہ رہتے۔

ابدال کے متعلق یہ واقعہ مشہور ہے کہ غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کے دروازہ پر ایک شخص دست و پاشکستہ پڑا تھا۔ اس کے متعلق دریافت کرنے پر حضرت غوث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس شخص نے بے ادبی کی ہے، ابدالوں میں سے تھا، کل اپنے دو رفیقوں کے ساتھ ہوا میں اڑتے ہوئے اس خانقاہ کے اوپر آیا، ایک نے ادب سے داہنی جانب کنارہ کیا، دوسرے نے بھی اس کی تقلید کی اور بائیں جانب چلا گیا، اس شخص نے بے ادبی سے سیدھا جانا چاہا۔ جب ہوا میں خانقاہ کے سامنے آیا تو گر پڑا اور ہاتھ پاؤں ٹوٹ

Marfat.com

گئے۔ غوث ان تمام کا حاکم ہوتا ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالقادر جیلانی بالاتفاق تمام صوفیا کرام کے غوث تسلیم کیے گئے ہیں۔ چنانچہ جب بھی غوث اعظم کہا جاتا ہے تو اس سے مراد حضرت شیخ ہی ہوتے ہیں۔ حضرت عبدالقادرؒ جیلانی جن خصوصیات کی بنا پر اس عظیم منصب کے مستحق ہوئے اس کی تفصیل شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بیان فرمائی ہے وہ کہتے ہیں کہ:

آنحضرت یعنی غوث الاعظم سے بہت سی کرامات منقول ہیں۔ مخلوق کے ظواہر و بواطن میں تصرف، جن وانس پر حکم جاری کرنا، ضمیروں کے راز سے باخبر ہونا، بھیدوں کا بتا دینا، اور ملک و ملکوت کی خفیہ باتوں کی اطلاع دینا، حقائق جبروت اور اسرار لاہوت کو منکشف کرنا، مواہب غیبیہ عطا کرنا اور حوادث ودواہی کی تقلیب و تصریف اور اکوان اتبا الٰہی، مارنے اور جلانے کی صفت سے متصف ہونا، پودے اگانا، کوڑھی اور جذامی کو اچھا کرنا، مریضوں کو شفا دینا، زمین و آسمان میں حکم چلانا وغیرہ۔ خود حضرت غوثؒ نے مرضِ موت میں فرمایا: میرے اور تمہارے، میرے اور تمام مخلوق کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مجھ کو کسی پر اور کسی کو مجھ پر قیاس مت کرنا۔ میں مخلوق کے امور کا مالک ہوں، میں ان کی عقلوں کا مالک ہوں، اے مشرق و مغرب کے اور اے آسمان کے باشندو! اللہ نے فرمایا ہے "اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" میں انہی میں ہوں جنہیں خدا جانتا ہے تم نہیں جانتے ہو۔

ہندوستان میں مجددی تصوف میں چار بزرگوں کی قیومیت تسلیم کی گئی ہے، قیومِ اول شیخ احمد سرہندی، قیوم ثانی خواجہ محمد معصوم، قیوم ثالث خواجہ محمد نقشبندیہ، قیوم رابع خواجہ محمد زبیر، مگر قیوم کیا چیز ہے، اس کی تفصیل روضہ قیومیہ میں اس طرح مذکور ہے کہ قیوم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ماتحت تمام اسماء و صفات، شیونات و اعتبارات اور اصول ہوں، تمام گزشتہ اور آئندہ مخلوقات کے لیے عالم موجودات، وحوش، پرند، نباتات، ذی روح، پتھر، درخت، بحر و بر کی ہر شے، عرش و کرسی، لوح وقلم، ستارے، ثوابت، سورج، چاند، آسمان، بروج سب اس کے لیے سایہ میں ہوں، افلاک و بروج کی حرکت وسکون، سمندروں کی لہروں کی حرکت، درختوں کے پتوں کا ہلنا، بارش کے قطروں کا گرنا، پھلوں کا پکنا، پرندوں کا چونچ پھیلانا، دن رات کا پیدا ہونا اور گردش کرنے والے آسمان کی موافق رفتار، سب کچھ اسی کے حکم سے ہوتا ہے۔ بارش کا ایک قطرہ ایسا نہیں جو اس کی اطلاع کے بغیر گرتا ہو، زمین پر حرکت وسکون اس کی مرضی کے بغیر نہیں، جو آرام، خوشی اور بے چینی اور رنج اہل زمین کو ہوتا ہے اس کے حکم کے بغیر نہیں ہوتا، کوئی گھڑی کوئی دن کوئی ہفتہ کوئی مہینہ کوئی سال ایسا نہیں جو اس کے حکم کے بغیر اپنے آپ میں نیکی وبدی کا تصرف کر سکے، غلہ کی پیدائش، نباتات کا اگنا، غرض جو کچھ بھی خیال میں آسکتا ہے وہ اس کی مرضی اور حکم کے بغیر ظہور میں نہیں آیا۔ روئے زمین پر جس قدر عابد و زاہد، امرا اور مقرب، تسبیح، ذکر و فکر، تقدیس اور تزکیہ میں عبادت گاہوں، جھونپڑوں، کٹیاؤں، پہاڑوں اور دریا کے کنارے، زبان، قلب، روح، سرخفی، خفی اور نفسی مشاغل اور معتکف ہیں اور

Marfat.com

اللہ کی راہ میں مشغول ہیں، گو انہیں اس بات کا علم نہ ہو جب تک ان کی عبادت قیوم کے یہاں مقبول نہ ہو اللہ کے یہاں مقبول نہیں ہوتی۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے منقول ہے کہ جب ولی مقام قطبیت اور غوثیت اور فردیت کو طے کر کے مرتبہ محبوبیت کو پہنچتا ہے تو اس کی ذات مظہر الٰہی ہو جاتی ہے اور اس کا ارادہ بھی ارادۃ اللہ ہو جاتا ہے۔ واضح رہے کہ حضرت نظام الدین اولیا کا لقب محبوب الٰہی ہے، اس کی رو سے وہ اس مقام پر فائز ہیں۔

لیکن صوفیا کرام اس تاریخی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے۔ وجہ ظاہر ہے کہ اگر تصوف کے حامی یہ بات مان لیں اور اس کا اظہار بھی کر دیں کہ سب سے پہلا صوفی ایک غالی شیعہ تھا اور تصوف دراصل ایک شیعی تحریک تھی تو سنی حلقوں میں اس کا اعتبار ختم ہو جائے گا اور سنی عوام کو صوفیا کرام سے جو بے پناہ عقیدت ہے وہ باقی نہیں رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات تصوف کا رشتہ جابر بن حیان اور اوائل عہد کے دوسرے شیعہ صوفیا سے جوڑنا پسند نہیں کرتے بلکہ جابر کے ایک ہم عصر و ہم وطن ابو ہاشم کوفی سے جوڑ دیتے ہیں۔

لیکن ابو ہاشم کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ کچھ لوگ انہیں سنی کہتے ہیں اور کچھ شیعہ۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ حلول و اتحاد کے قائل تھے اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ دہریئے تھے۔

یہ بات حقیقت ہے کوئی بھی مذہبی اصول یا دینی تحریک مسلمانوں میں اس وقت تک مقبول نہیں ہو سکتی جب تک کہ انہیں یہ باور نہ کرا دیا جائے کہ اس کی اصل قرآن و سنت میں موجود ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر اہل تصوف نے تصوف کی اس ارتقائی کڑی کو جس پر مختلف نظریات کی چھاپ تھی، حذف کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ لفظ صوفی نہ صرف یہ کہ اسلام کے ابتدائی دور میں مستعمل تھا بلکہ اسلام سے پہلے بھی نیک لوگوں کے لیے استعمال ہوا ہے چنانچہ شیخ ابو نصر سراج فرماتے ہیں۔

> ''یہ لفظ (صوفی) حسن بصریؒ کے زمانے میں معروف تھا۔ چنانچہ ان سے مروی ہے کہ میں نے ایک صوفی کو طواف کرتے دیکھا۔ کتاب تاریخ مکہ میں محمد بن اسحاق وغیرہ سے مروی ہے کہ اسلام سے قبل ایک بار مکہ خالی ہو گیا، اس وقت بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے کوئی متنفس باقی نہ رہا البتہ کسی دور دراز علاقہ سے ایک صوفی مرد آتا اور طواف کر کے واپس چلا جاتا تھا، اگر یہ روایت پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو ثابت ہوگا کہ اسلام سے بیشتر بھی یہ لفظ مستعمل تھا اور اربابِ فضل و صلاح کے لیے بولا جاتا تھا۔''

اسی روایت کو نقل کر کے پروفیسر خلیق احمد نظامی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک خط کا حوالہ بھی دیا ہے جس میں ایک شعر تھا جس کا ترجمہ یہ ہے۔

تو مشابہ تھا ایسے صوفی سے جس کے پاس کتابیں ہوں جن میں فرائض اور آیات قرآن مذکور ہوں، اور پھر اس پر یہ تبصرہ کیا ہے۔

Marfat.com

اس روایت کو اگر صحیح مان لیا جائے تو صوفی کا لفظ پہلی صدی ہجری میں استعمال ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔
لیکن مشکل یہ ہے کہ روایتیں ابھی تک پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی ہیں، اور اگر انہیں صحیح مان بھی لیا جائے تو ان سے بس یہی ثابت ہو گا کہ لفظ صوفی لغوی معنی میں اسلام سے پہلے بھی استعمال ہوا ہے لیکن یہاں یہ مسئلہ زیر بحث ہے ہی نہیں اور اگر منشا یہ ہے کہ لفظ صوفی اپنے مخصوص اصطلاحی معنی میں اسلام سے پیشتر بھی رائج تھا تو اس سے تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ تصوف دور جاہلیت کی پیداوار ہے۔
بہر حال شیخ شہاب الدین سہروردی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ نام رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نہیں رکھا گیا اور عہد صحابہ اور تابعین وغیر ہم کے بارے میں امام قشیری کا بیان ہے۔

"رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کے سوا برگزیدہ مسلمانوں کا اور کوئی لقب قرار نہیں دیا گیا کیونکہ شرف صحبت سے بڑھ کر اور کوئی شرف نہیں ہو سکتا تھا پھر جن لوگوں نے صحابہ کی صحبت پائی ان کو تابعین کہا گیا اس کے بعد لوگ تبع تابعین کے لقب سے پکارے گئے پھر لوگوں کے مختلف درجے ہوتے گئے اس لیے جن بزرگوں کی توجہ دین کی طرف زیادہ ہوئی ان کو زاہد و عابد کے لقب سے پکارا گیا لیکن جب بدعات کا ظہور ہوا اور مختلف فرقے پیدا ہو گئے تو ہر فریق نے یہ دعویٰ کیا کہ ان میں زہاد پائے جاتے ہیں۔ اس لیے خواص اہل سنت تصوف کے نام سے ممتاز ہوئے اور دوسری صدی سے پہلے ان بزرگوں نے اس نام سے شہرت پائی۔"

امام صاحب کے بیان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ تصوف دوسری ہجری کے اواخر کی پیداوار ہے۔
بعض صوفیا نے لفظ صوفی کو صفہ سے مشتق بنا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ صوفیا اہل صفہ کے پیرو ہیں یعنی ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جو مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے قریب ایک چبوترے پر رہتے تھے، لیکن عام طور پر اس توجیہہ کو قبول نہیں کیا گیا چنانچہ جمہور صوفیا کا کہنا ہے کہ لفظ صوفی دراصل صوف سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں پشمینہ یا اون۔ اس مفہوم کے اعتبار سے صوفی سے مراد ہے وہ شخص جو اونی لباس پہنتا ہو اور اونی لباس کے بارے میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ یہ ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام، عابد و زاہد اور نیک لوگ پہنتے رہے ہیں اور اس کی تائید میں آنحضرت ﷺ سے منسوب یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں۔

"صوف کا لباس اختیار کرو، اپنے دلوں میں ایمان کی مٹھاس پاؤ گے۔"

اور خواجہ حسن بصری کا یہ قول مزید تائید میں نقل کیا گیا ہے۔

"میں نے ان ستر اصحاب کو جو بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے تھے صوف کے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا۔"

لیکن علماء حدیث کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کسی قول و عمل سے اونی لباس کی فضیلت ثابت

Marfat.com

نہیں البتہ اس امر کی تاریخی شہادت موجود ہے کہ مسلمان ''زاہدوں'' نے یہ لباس عیسائی راہبوں سے لیا تھا اور مسلمان عام طور پر اسے ''زی الرہبان'' یعنی راہبوں کا لباس کہتے تھے۔ حماد بن سلمٰی نے جب شیخ حسن بصریؒ کے مرید فرقد السبخی کو اس لباس میں دیکھا تو کہا دع عنک نصرانیتک ھذہ اپنے بدن سے یہ نصرانیت ہٹاؤ۔ اسی طرح حضرت سفیان ثوریؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ نے بھی اس لباس کو ناپسند کیا تھا۔

اول تو کمزور روایتوں سے اونی لباس کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی، اور اگر ہو بھی جائے تو یہ مسئلہ زیر بحث ہے ہی نہیں بلکہ اصل بات یہ تحقیق طلب ہے کہ تصوف (محض پشمینہ پوشی نہیں بلکہ تصوف کا فکری اور عملی نظام) اصل کتاب وسنت میں موجود ہے یا نہیں اور یہ بات اونی لباس کی فضیلت سے ثابت نہیں ہوتی۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ موثر اور کامیاب کوشش امام غزالی اور بعض دوسرے صوفیا نے کی ہے اور وہ اس طرح کہ تصوف سے انہوں نے مراد ''تقربِ الٰہی'' کیا ہے اور صوفیا سے مراد ''مقربین بارگاہ الٰہی''۔ اس کی تفصیل شیخ شہاب الدین سہروردی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

> ''یہ بات ذہن نشین رہے کہ صوفیا کے جو عمدہ حالات ہم اس کتاب میں بیان کریں گے وہ مقربین کا حال ہوگا صوفی کا نام مذکور نہیں ہے بلکہ اس کا نام ترک کر دیا گیا ہے اور اس کا نام مقرب رکھا گیا ہے جیسا کہ ہم اس کے باب میں ذکر کریں گے۔ پورب سے پچھم تک اسلامی ممالک کے دونوں کناروں میں اہل قرب کے لیے صوفی کا نام معروف ومشہور نہیں ہے۔ یہ نام انہیں لوگوں کے لیے معروف ہے جو خاص قسم کا لباس استعمال کرتے ہیں، بلادِ مغرب، بلادِ ترکستان اور ماوراء النہر میں بہت سے اللہ کے مقرب بندے ہیں لیکن وہ صوفیا سے موسوم نہیں ہیں کیونکہ وہ صوف کا لباس استعمال نہیں کرتے اور الفاظ واصطلاحات میں کوئی جھگڑا نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ صوفیا سے ہماری مراد مقربین الٰہی ہیں لہٰذا وہ صوفیا ومشائخ کرام جن کے اسماء گرامی طبقات اور دیگر کتابوں میں نظر آتے ہیں وہ سب کے سب مقربین الٰہی کے مسلک پر تھے۔''

کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن کریم نے جو اصطلاح استعمال کی یعنی مقرب، اس کے مقابلے میں ان حضرات نے اس لفظ کو ترجیح دی جس کی اصل کے بارے میں بھی اختلاف ہے اور مفہوم کے بارے میں بھی، اور پھر کسی دلیل اور ثبوت کے بغیر ''مقربین'' کا اطلاق صوفیا پر کر دیا گیا حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ خود قرآن کی روشنی میں تقرب کی وضاحت کی جاتی اور مقربین کی صفات بیان کی جاتیں اور پھر صوفیا کے اوصاف بیان کیے جاتے، اس کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا جا سکتا تھا کہ صوفیا کرام رحمہم اللہ میں کس حد تک مقربین کی صفات موجود ہیں۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا، اور غالباً ممکن بھی نہیں کیونکہ لفظ تصوف کی کوئی اور واضح اور جامع تعریف تو خود صوفیا کرام بھی آج تک پیش نہیں کر سکے پھر کس بنا پر یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ صوفی سے مراد مقربِ بارگاہ

Marfat.com

ہے لیکن یہ دعویٰ کیا گیا اور اہل تصوف نے کسی ثبوت کے بغیر ہی اسے مان بھی لیا اور پھر تصوف کا سرا قرآن و سنت سے جوڑ دیا اور ان تمام بزرگوں یہاں تک کہ صحابہ کرام کو بھی صوفیا کے طبقے میں شامل کر لیا جو کبھی صوفی کے نام سے مشہور تو کیا آشنا بھی نہیں تھے۔ اس کی ایک مثال دائرہ معارف اسلامیہ سے ملاحظہ ہو جس میں تصوف پر ایک مقالہ صوفیا کے نقطہ نظر سے بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس میں تصوف کے ارتقا کی داستان اس طرح بیان کی گئی ہے۔

تصوف اسلام کی تاریخ اپنے آغاز میں اس کے نام کی تاریخ سے بہت مختلف ہے۔ ہجویری نے باکشف المحجوب (ترجمہ نکلسن ص 44) ابوالحسن الفوشنجی (م 348) کا قول نقل کیا ہے کہ آج کل تصوف ایک نام ہے بغیر حقیقت کے، لیکن زمانہ سابقہ میں یہ ایک حقیقت تھی بغیر نام کے پھر ہجویری اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہیں کہ صحابہ کرام اور سلف صالحین کے زمانے میں یہ نام موجود نہ تھا لیکن اس کی حقیقت ہر شخص میں جلوہ گر تھی۔ اگر ہر شخص کا لفظ کسی قدر مبالغہ آمیز بھی ہو، تب بھی یہ حقیقت ہے اور سب بڑے بڑے صوفی متقدمین و متاخرین متفق ہیں کہ اگرچہ متاخرین میں ہمیشہ بے شمار مقدس ہستیاں مرد و زن مختلف اقطارِ عالم میں موجود رہی ہیں لیکن تقدس اتنا ہمہ گیر نہ تھا جتنا اسلام کے قرونِ اول میں پایا جاتا تھا۔ مزید برآں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تاریخی اعتبار سے تصوف کی جڑیں رسول اللہ ﷺ کی گوشہ گیری کے اس عمل میں پائی جاتی ہیں جو حضور ﷺ اولین نزول وحی سے پہلے ماہ رمضان میں غار حرا میں فرمایا کرتے تھے۔ حنفاء کا سا یہ عمل جس پر آنحضرت ﷺ مدینے میں اپنی زندگی کے آخری سالوں میں بھی متواتر کاربند رہے اور ان کے بعض اصحاب بھی اس میں ان کی پیروی کرتے رہے گویا ابراہیمی تصوف اور اسلامی تصوف کے درمیان ایک رشتہ اتصال سمجھا جا سکتا ہے۔

امام غزالی نے (منقذ ص 60 تا 69) تصوف کو قربِ الٰہی اور ذوق یعنی راست روحانی مشاہدے سے تعبیر کیا ہے۔

مکی دور کے بارے میں فاضل مقالہ نگار (ابوبکر سراج الدین) فرماتے ہیں۔

"مسلمانوں کا مسلک اس وقت انتہائی جدوجہد کا خالص متصوفانہ مسلک تھا۔ یہ ہرگز مقام تعجب نہیں کہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہیں صوفیا رسول اللہ ﷺ کے بعد اپنا روحانی رہنما تسلیم کرتے ہیں وہی تھے جنہوں نے ابتدا میں اسلام قبول کر لیا تھا، مثلاً پہلے چار خلفاء اور بہت سے دیگر صحابہ جن میں شاید سب سے زیادہ قابل ذکر سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں، خلفائے اربعہ کے زمانے تک تصوف یعنی تقربِ الٰہی کی شدید خواہش، اتنی عادی چیز تھی کہ مجموعی طور پر پوری امت کے اندر نفوذ کر گئی تھی۔ اگرچہ یہ اغلب نہیں کہ اس زمانے میں جماعتوں اور گروہوں کی کوئی واضح تشکیل

Marfat.com

موجود تھی تاہم دوسرے قرن کے لوگوں یعنی تابعین نے خود بخود ہی صحابہ کرام ؓ کے حلقوں میں اپنے آپ کو منسلک کر لیا تھا اور روایت کے مطابق اس قسم کے اہم ترین صوفی حلقوں میں جس کی طرف لوگ کھینچے چلے آتے تھے وہ حلقہ تھا جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گرد جمع تھا۔"

تصوف کا باطنی نظام

ظاہری نظام کی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک باطنی نظام بھی قرار فرمایا ہے۔ قرآن حکیم میں اسی نظام کا سراغ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے واقعہ (سورہ کہف) سے ملتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام وقت کے پیغمبر تھے لیکن وہ اللہ کی مشیت سے چلنے والے باطنی نظام سے حجاب میں تھے۔ چنانچہ ان کی درخواست پر خضر علیہ السلام سے ان کی ملاقات کا اہتمام کیا گیا اور ان کے ہر فعل کی حقیقت موسیٰ علیہ السلام کی نظر میں شریعت مطہرہ کے خلاف تھی، اور بادی النظر میں ایسا ہی تھا لیکن جب ان کے اسرار سے پردہ اٹھا تو اللہ کی مشیت پر حق الیقین اور عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو گیا۔ کشف المحجوب میں اس نظام کے اجمالی خاکہ کا بیان آ چکا ہے احادیث اور صوفیا کی کتابوں میں اس نظام کے قصباء وغیرہ کی تفصیل بھی درج ہے۔

قطب

اقطاب میں قطب مدار اور غوث بھی ہوتا ہے۔ تمام قطبوں اور اولیا سے افضل قطب حقیقی ہوتا ہے۔ قطب مدار ایک شخص ہوتا ہے۔ تمام زمانوں اور وقتوں میں دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نظر کا موضع ہے اور اس کا مرتبہ حضرت اسرافیل علیہ السلام جیسا ہے۔ قطب کبریٰ کا مرتبہ قطب الاقطاب کا ہوتا ہے اور وہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کی نبوت کے باطن پر ہوتا ہے اور وہ خاتم ولایت ہوتا ہے جیسے حضور نبی کریم ﷺ خاتم النبوۃ تھے۔ چند اور نام بھی ان کے ہوتے ہیں جیسے قطب دائرہ یا غوث الاعظم اور یہ حق تعالیٰ کے اسرار کا مظہر کلی ہوتا ہے۔ اگر اس کا وجود ایک پلک جھپکنے کو مفقود ہو جائے تو دنیا نیست و نابود ہو جائے۔ حضرت شیخ ادب التباسؒ مرتبہ غوث پر شرف یافتہ تھے۔ جسم غوث ہر چیز سے لطیف تر ہوتا ہے اور غوث کی دعا سے دوسرے ولی کو غوث کا منصب مل سکتا ہے جیسا کہ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا میں یہ تاثیر تھی۔

شیخ داؤد قدس سرہ نے لکھا ہے کہ قطب عالم زمانے میں اور دور میں ایک ہی ہوتا ہے اور دنیا کی تمام علوی اور سفلی مخلوق قطب عالم کے وجود سے قائم ہوتی ہے اور اس پر حق تعالیٰ کا فیض بے واسطہ ہوتا ہے۔ اس کے دو وزیر ہوتے ہیں۔ ایک دائیں ہاتھ اس کا نام عبدالرب ہوتا ہے اور دوسرا بائیں ہاتھ جس کا نام عبدالمالک ہوتا ہے۔ وزیر عبدالرب قطب عالم کی روح سے فیض پہنچاتا ہے اور اگر قطب عالم دنیا سے عالم عقبیٰ کو چلا جائے تو بائیں ہاتھ والا وزیر عبدالملک اس کی جگہ قائم مقام قطب عالم ہو جاتا ہے اور نام عبداللہ ہو

Marfat.com

جاتا ہے کیونکہ قطب عالم کا اصلی نام خواہ کچھ ہو آسمانوں اور زمینوں میں عبداللہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ پھر دائیں طرف کے وزیر عبدالرب کو بائیں طرف منتقل کر کے عبدالملک نام کر دیتے ہیں اور عبدالرب کی جگہ ابدال میں سے کسی کو ترقی دے کر لگا دیتے ہیں اور ابدال بھی قلب حضرت اسرافیل علیہ السلام پر ہوتے ہیں۔

قطب عالم کے عہدے کی مدت کے بارے میں مختلف خبریں ہیں، بعض کے مطابق یہ مدت 33 سال چار ماہ اور بقول بعض 28 سال اور تین ماہ دو دن ہوتی ہے بعض کو پچیس سال اور کسی کو بائیس سال گیارہ ماہ بیس دن مل جاتے ہیں۔ بعض کو انیس سال پانچ ماہ دو دن لیکن کسی کو تینتیس سال چار ماہ سے زیادہ مدت اس منصب پر نہیں ملتی اور انیس سال پانچ ماہ سے کم نہیں ہوتی۔ اکثر قطبیت کے عہدہ کے درمیان دنیا ہوتی ہے کہ اکثر مجاور کعبہ ہوتا ہے لیکن کعبہ شریف کی مجاوری اس کے لیے لازمی شرط نہیں اور اکمل اولیا اللہ کو حق تعالیٰ نے قوت دی ہے کہ طرفۃ العین میں مختلف ملکوں اور شہروں میں ظہور کر سکتے ہیں۔ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ، بغداد شریف میں غوث قطب مدار تھے۔

قطب مدار اور فرد میں فرق

قطب مدار کو تہہ زمین سے عرش تک تصرف حاصل ہے جبکہ فرد کو تہہ زمین سے عرش تک تحقیق حاصل ہے۔ قطب مدار ہمیشہ صفات کی تجلی میں ہوتا ہے جب کہ فرد کامل ہمیشہ تجلی ذات میں ہوتے ہیں۔ فرد اخص ہوتے ہیں کہ قطب مدار خاص ہوتا ہے۔ قطب مدار جبر وکسر مخلوق پر چھ طرفوں میں تصرف رکھتا ہے اور مقامِ جبروت میں ہے جب کہ فرد مقامِ لاہوت میں ہوتا ہے۔

بارہ قطب جو ہر اقلیم میں ہوتے ہیں

تمام دنیا سات اقلیم پر منقسم ہے اور ہر اقلیم کا ایک قطب ہوتا ہے جس کو قطب اقلیم کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ پانچ قطب اور ہوتے ہیں، ان کو قطب ولایت کہتے ہیں۔ اقلیم کے قطب سے فیض قطب ولایت پر آتا ہے اور قطب ولایت سے عام اولیا اللہ پر فیض ودیعت ہوتا ہے۔

یہ اقطاب مختلف انبیاء علیہم السلام کے قلوب پر ہوتے ہیں۔ یعنی

1۔ حضرت نوح نبی اللہ علیہ السلام کے قلب پر۔

2۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قلب پر۔

3۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے قلب پر۔

4۔ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے قلب پر۔

5۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے قلب پر۔

6۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قلب پر۔

Marfat.com

7۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے قلب پر۔

8۔ حضرت الیاس علیہ السلام کے قلب پر۔

9۔ حضرت لوط علیہ السلام کے قلب پر۔

10۔ حضرت ہود علیہ السلام کے قلب پر۔

11۔ حضرت صالح علیہ السلام کے قلب پر۔

12۔ حضرت شیث علیہ السلام کے قلب پر۔

قطبوں کے اوراد (واحد۔ ورد)

1۔ قطب اول کا ورد سورۃ "یٰسین" ہے۔

2۔ قطب دوم کا ورد سورۃ "اخلاص" ہے۔

3۔ قطب سوم کا ورد سورۃ "نصر" ہے۔

4۔ قطب چہارم کا ورد سورۃ "فتح" ہے۔

5۔ قطب پنجم کا ورد سورۃ "اذا زلزلت" ہے۔

6۔ قطب ششم کا ورد سورۃ "واقعہ" ہے۔

7۔ قطب ہفتم کا ورد سورۃ "بقرہ" ہے۔

8۔ قطب ہشتم کا ورد سورۃ "کہف" ہے۔

9۔ قطب نہم کا ورد سورۃ "النمل" ہے۔

10۔ قطب دہم کا ورد سورۃ "انعام" ہے۔

11۔ قطب یازدہم کا ورد سورۃ "طٰہٰ" ہے۔

12۔ قطب دوازدہم کا ورد سورۃ "ملک" ہے۔

قطب مدار اور دیگر قطبوں کے مراتب

قطبوں میں سے اگر کوئی چاہے کہ کسی ولی کو ولایت سے معزول کر کے اور کسی کو اس کی جگہ تعینات کر لے تو کر سکتا ہے۔ قطب عالم چاہے تو کسی قطب کو معزول کر سکتا ہے۔ قطب مدار فرشتہ کو اپنے کام سے روک سکتا ہے، اور لوحِ محفوظ کے احکام کو بھی تبدیل کر سکتا ہے۔ مردہ کو زندہ کرنا اور عرش و کرسی تک کی تمام مخلوقات کا ہر کام ان کے تصرف میں ہے، اور جب قطب مدار سے ترقی پا کر فرد ہو جاتا ہے تو تصرفات نہیں رہتے کیونکہ فردانیت خوشی اور موانست کا مقام ہے پس اس کی مراد سوائے حق سبحانہ کے اور کچھ نہیں رہتی۔ فرد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قلب پر ہوتے ہیں، اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر ہیں۔ افراد دائمی تجلی کے سرور سے صحو

Marfat.com

میں ہوتے ہیں جب کہ مخلوق ان کی صحو میں سمجھتے ہیں لیکن یہ سہو ایک بہت عظیم مقام ہے کہ وہ ذات میں صحو ہیں۔ نہ وہاں مکان ہے نہ زماں اور صفات اور اسماء کی تجلی والوں کو افراد کی تجلیات کا کوئی پتہ نہیں۔

افراد تجلی ذات میں نور ہو چکے ہیں۔ چنانچہ حضور سید المرسلین ﷺ کے جسم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌۙ﴿۱۵﴾ (سورۃ المائدۃ:15)

پس حضور سرور دو عالم ﷺ کا جسم نور تھا اور ذات سر اور اسی وجہ سے سایہ نہ تھا۔ اگر آپ کا جسم دوسرے انسانوں کے جسم کی طرح ہوتا تو ظاہر بینوں کو یہ فرمانِ الٰہی نہ ہوتا کہ تم ان کی طرف نظر کرتے ہو لیکن ان کو دیکھتے نہیں ہو۔ قرآن اور افراد کا یہ مقام ہے کہ تجلی ذات نزول کرتی ہے تو ان کا وجود نور ہو جاتا ہے۔ پس اس حالت میں اس ملک اور زمین میں ان کے وجود کا سایہ نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ صفات اسماء اور افعال کی تجلی والے ان کی طرف نظر کرتے ہیں تو دیکھ نہیں سکتے۔ افراد کی کوئی مقررہ تعداد نہیں ہوتی، بہت ہوتے ہیں اور مخلوق کی نظر سے چھپے ہوتے ہیں۔ لیکن قطب مدار اور دوسرے قطب ان کو جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں۔ فرد کامل جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تصرف میں ہیں، سلوک میں اور ترقی کرتے ہیں اور حضور پرنور سید المرسلین ﷺ کے قلب سے مشرف ہوتے ہیں اور ترقی کر کے قطب حقیقی کے رتبہ پر پہنچتے ہیں جو مقام معشوق ہے اور قطب وحدت کہلاتا ہے یعنی مشرب احمدی ﷺ ہوتا ہے اور مقام معشوقی غیرت ہے، اللہ تعالیٰ کی غیرتوں میں سے ایک غیرت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ غیور ہے اور اس کی غیرت یہ ہے۔ انہ لم یجعل اللہ طریق سواء۔

غیرتمند بندہ کو غیرت حق تعالیٰ سے ایک شمع کی نسبت ہے۔ اس مقام میں جناب رسول ﷺ نے فرمایا کہ میرے لیے ایک ایسا وقت ہوتا ہے کہ کسی مقرب فرشتے یا نبی مرسل کو دخل نہیں۔ مرتبہ معشوق یہ ہے کہ جو کچھ معشوق کرتا ہے حق تعالیٰ وہی کرتا ہے، معشوق کیلئے کسی خاص مقام پر رہنا ضروری نہیں۔ افراد کے منصب کی عمر یعنی مدت 55 سال ہوتی ہے نہ کم نہ زیادہ، اگر اس مدت میں سلوک اور ترقی کرے تو قطب حقیقی کے مرتبہ پہنچ جاتے ہیں اور قطب حقیقی کی مدت 33 سال دس دن ہوتی ہے۔ اس کے بعد مقام معشوق ہے یعنی قطب وحدت اور یہ جمع الجمع ہے۔ بعض کو فردیت کے مقام میں بھی ولایت کے فرائض تفویض ہو سکتے ہیں۔

ابدالوں کا بیان

ابدالوں میں سے سات مخصوص ہیں۔ یہ سفر میں رہتے ہیں، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کے قلب پر ہوتے ہیں۔ فلک کے خیمہ کی رسیوں کے لیے ابدال سات میخیں ہیں اور ان میں سے ایک قطب ہوتا ہے۔ جب کسی ابدال خاص کی موت ہو جاتی ہے تو جو چھ سو عام ابدال ہیں۔ ان میں سے ایک کو یہاں

Marfat.com

ترقی دے دی جاتی ہے اور چھ سو کا عدد صالح مومنین میں سے ایک کو ترقی دے کر پورا کر دیا جاتا ہے۔ کچھ ابدال صورت بدل لیتے ہیں اور بوقت ضرورت صورت جسمانیہ پر مشتمل ہو جاتے ہیں۔

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائیگی فرض کے لیے دو دو حصص کیے ہیں: شرقی اور غربی۔ عراق نصف شرقی میں ہے اور شام نصف غربی میں پس عراق اور اس کے علاوہ خراسان، ہندو پاکستان، ترکستان اور تمام شرقی شہر اقلیم عراق میں داخل ہیں اور شام اور مصر کے شہر اور تمام ملک جو اس کے مغرب میں واقع ہیں، اقلیم شام میں داخل ہیں۔ حضرت خواجہ خواجگان قطب الدین یحیٰ جامی رحمۃ اللہ علیہ ان بارہ میں سے جو عراق میں ہیں۔ اہل حقیقت کے علاوہ دوسرے عام لوگ ابدالوں کو نہیں جانتے اور نہ دیکھ سکتے ہیں۔

وہ جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت میں سات ابدال ہیں، ان سے سات اقلیم کے سات ابدال مراد ہیں، ہر اقلیم کا ایک ابدال ذمہ دار ہے جو اس اقلیم کی نگہداشت کرتا ہے اور فرمایا۔

وہ حرم پاک مکہ معظمہ میں میرے پاس جمع ہوتے ہیں، سلام کرتے ہیں اور گفتگو ہوتی ہے۔ یہ سات ابدال مختلف انبیاء کے مشرب پر ہیں ان کے نام اور مشرب یہ ہیں۔

1۔ پہلا ابدال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ہے اور اس کا نام ''عبدالحیٔ'' ہے۔
2۔ دوسری اقلیم کا ابدال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب پر ہے اور اس کا نام ''عبدالحلیم'' ہے۔
3۔ تیسری اقلیم کا ابدال حضرت ہارون علیہ السلام کے قلب پر ہے اور اس کا نام ''عبدالمجید'' ہے۔
4۔ چوتھی اقلیم کا ابدال حضرت ادریس علیہ السلام کے قلب پر ہے اور اس کا نام ''عبدالقادر'' ہے۔
5۔ پانچویں اقلیم کا ابدال حضرت یوسف علیہ السلام کے قلب پر ہے اور اس کا نام ''عبدالقاہر'' ہے۔
6۔ چھٹی اقلیم کا ابدال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قلب پر ہے اور اس کا نام ''عبدالسمیع'' ہے۔
7۔ ساتویں اقلیم کا ابدال حضرت آدم علیہ السلام کے قلب پر ہے اور ابدالوں میں ساتویں کو ''عبدالنصیر'' کہتے ہیں اور یہ ساتویں ابدال حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔

ہر ایک ابدال عارف ہے۔ عرفانِ وظائف الٰہیہ اور ساتوں ستاروں کے بھید اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر رکھے ہیں اور ان میں وہی تاثیر بھی ہے اور ان میں سے عبدالقاہر نام اس ولایت اور قوم کے لیے نامزد ہوتا ہے جہاں قہر مطلوب ہے جیسے ستاروں میں سعد اور نحس کی تاثیر ہے وہ ابدالوں میں بھی ہے۔

تین سو پچاس ابدال درج بالا سات کے علاوہ ہیں۔ ان میں سے تین سو حضرت آدم علیہ السلام کے قلب پر ہیں اور ان سے ایک بزرگ کی ملاقات نیل کے منبع پر ایک پہاڑ میں ہوئی اور یہ ساڑھے تین سو پہاڑوں میں رہتے ہیں اور ان کی خوراک درختوں کے پتے اور بیابان کی ٹڈی ہے، معرفت کے کمال میں مقید ہیں۔ کہیں باہر نہیں جاتے۔

جو تین سو ابدال حضرت آدم علیہ السلام کے قلب پر ہیں ان کا ورد کرتے رہتے ہیں اور چالیس ابدال کہ

Marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ ہے اور سات ابدال جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ہیں ان کا ورد حضرت ابراہیم علیہ السلام رَبِّ ھَبْ لِیْ حُکْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (اے پروردگار مجھے علم و دانش عطا فرما اور نیکو کاروں میں شامل کر) ہے اور پانچ ابدال جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے قلب پر ہیں ان کا علم حضرت جبرائیل علیہ السلام کے علم سے نہیں بڑھتا اور تین ابدال جو حضرت میکائیل علیہ السلام کے قلب پر ہیں ان کا علم حضرت میکائیل علیہ السلام سے نہیں بڑھتا اور جو ایک ابدال حضرت اسرافیل علیہ السلام کے قلب پر ہے اس کا علم ان کے علم سے نہیں بڑھتا مگر یہ ابدال ترقی کر کے مقام عبدالرب پر پہنچتا ہے جس کا وزیر قطب عالم کے طور پر ذکر ہو چکا ہے۔

اخیار

شیخ حمید الدین سوالی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق یہ تین سو ہیں اور یہ غوث کے سپاہی ہوتے ہیں اور بعض مشائخ نے سات یا اٹھارہ کہے ہیں جو حق تعالیٰ کی درگاہ کے حجاب کے دربان ہیں، ابرار یہ سات آدمی ہوتے ہیں اور بعض نے کہا کہ چھ ہوتے ہیں۔

نقیب و نجیب

نقیب وہ لوگ ہوتے ہیں جن پر اسم باطن محقق ہوا ہے اور لوگوں کے باطن پر تصرف رکھتے ہیں اور ان کے دلوں کے حال پر مطلع ہوتے ہیں۔ یہ تعداد میں تینتیس ہیں اور کشف المحجوب جو درس توحید کی ایک مثالی کتاب ہے میں صرف تین کا عدد ہے۔ ان میں صالح عورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ اور نجیب بھی لوگوں کی اصلاح و درستی پر مامور ہیں اور تعداد میں چالیس ہیں۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ:

''ابدال چالیس مرد ہیں شام میں اور اٹھائیس عراق میں اور ان کا نام ''احمد'' ہوتا ہے۔
ان میں سے کوئی فوت ہو جائے تو زاہدوں میں سے کسی کو اس کی جگہ پر لگا دیتے ہیں۔''

سب نقیبوں کا نام ''علی'' ہوتا ہے اور نجیبوں کا ''حسن'' اور سات اخیار کا نام حسین ہوتا ہے اور عمائد چار ہیں، ان کا نام ''محمد'' ہوتا ہے۔ ایک غوث ہوتا ہے اس کا نام ''عبداللہ'' ہوتا ہے۔ جب غوث فوت ہوتا ہے تو عمائد میں سے کسی کو غوث کا مقام مل جاتا ہے اور جب کوئی عمائد میں سے فوت ہو جائے تو اس کی جگہ ''نجیب'' لے لیتا ہے اور نجیب کے فوت ہونے پر کسی ''نقیب'' کو ترقی مل جاتی ہے۔

حضرت شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ نے فرمایا کہ بعض اولیا ایسے ہیں ان کو ظاہری پیر کی حاجت نہیں ہوتی کیونکہ ان کو حضور پرنور شافع یوم النشور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی واسطے کے خود اپنے حجرہ میں پرورش کرتے ہیں جیسا کہ حضرت اویس قرنی کی تربیت فرمائی، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں بعض اولیا طالبوں کو غائبانہ تربیت دیتے ہیں اور ان کا ظاہر پیر نہیں ہوتا اور بہت سے بزرگ سلوک کے شروع

Marfat.com

میں اس قسم کے فیض سے شرف یافتہ رہے ہیں۔

حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہ سلوک کے شروع میں اویسی فیض سے مشرف ہوئے۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی آخری بیماری میں ہم نشینوں سے کہا:

میرے جانے کا غم نہ کرنا۔ حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ نے ڈیڑھ سو سال بعد حضرت شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ پر تجلی فرمائی اور ان کے اویسی مرشد ہوئے۔ تم بھی مجھے یاد کرتے رہنا میں تمہیں فیض رساں ہوں گا جس لباس میں بھی ہوں۔ پس اویسی اس کو کہتے ہیں کہ حضور رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے تربیت پائے یا کسی ولی کی روحانیت سے غائبانہ فیض یاب ہو خواہ وہ ولی زندہ ہو یا وصال کر چکا ہو۔

معجزہ وہ ہے کہ عادت کے خلاف ہو یعنی ظاہر دنیا میں جو رسم جاری ہو اس کو توڑ دے اور وہ کسی نبی علیہ السلام سے ظاہر ہو۔ کرامت وہ ہے کہ خارقِ عادت ولی سے ظاہر ہو اور استدراج وہ خوارق عادت ہے جو ہندو یا دیگر مذاہب کے راہبوں اور جارہ گروں یا جوگیوں وغیرہ سے ظاہرہ ہو، معجزہ کو معجزہ اس لیے کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف اس طرح کی خوارقِ عادت دکھانے سے عاجز ہوں۔ کرامت کے معنی بزرگی کا ظہور ہے اور یہ ناقص کو دکھائی منع ہے کہ وصول حق کے راستہ میں مانع ہو جاتی ہے۔ استدراج کا معنی ہے نزدیک کرنا کہ دکھانے والا آپ کو شقاوت اور اس کے اسباب سے نزدیک کرتا ہے کیونکہ استدراج جادو اور شیاطین کی امداد سے ہوتا ہے۔

کرامت سے مراد خارقِ عادت ہے خواہ اس میں تصرف پایا جائے یا نہ پایا جائے۔ دوسری قسم کی مثال ہے حضرت بی بی مریم علیہا السلام کے پاس پھل اور میوے آنے اور اصحاب کہف کی حفاظت فسادیوں سے، یہ دو کام بغیر ان کے اپنے تصرف کے تھے اور منجانب اللہ ذات سبحانہ تھے اور پہلی قسم کی کرامت آصف بن برخیا سے ظاہر ہوئی کہ تخت بلقیس کو چشم زدن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر کر دیا اور یہ معجزہ نہیں تھا کیونکہ آصف بن برخیا پیغمبر نہیں تھا اور کرامت کے اثبات میں وہ حدیث پاک بھی ہے کہ پہلی امتوں میں سے تین شخص سفر میں تھے، جب رات آئی ایک غار میں آرام کیا، دوران شب ایک چٹان گری اور غار کا دروازہ بند ہو گیا۔ آپس میں کہا کہ اور کسی طرح رہائی نہیں ہو سکتی، جو کام ہر ایک نے بے ریا کیا ہو، حق تعالیٰ کے آگے شفیع لائے۔

1۔ ایک نے کہا کہ میرے پاس کوئی مال دنیا کا نہ تھا سوائے ایک بھیڑ کے جس کا دودھ ماں باپ کو دیتا تھا اور ہر روز لکڑیوں کا گٹھا لا کر اپنے کھانے کا بندوبست کرتا تھا۔ ایک شام واپس آ کر جب والدین کو دودھ دینے گیا تو وہ سو چکے تھے۔ میں دودھ لے کر تمام شب کھڑا رہا کہ جب بیدار ہوں پی لیں صبح ہوئی تو وہ اٹھے اور پیا۔ اے خدا اگر یہ عمل صدق سے تھا تو غار سے رہائی دے، وہ پتھر

Marfat.com

تھوڑا سا ہٹ گیا۔

2۔ دوسرے نے کہا کہ میرے چچا کی لڑکی نہایت حسین اور جمیل تھی اور اس کی مجھے بڑی رغبت تھی لیکن وہ ملنے کو تیار نہ ہوتی آخر میں نے اس کو سرخ دیناروں کے چند پیالے بھر کر بھیجے۔ ایک شب اس نے خلوت دی۔ جب میں نزدیک ہوا تو خدا کا خوف آیا اور میں اس سے دستبردار ہو گیا۔ اگر یہ صدق سے تھا تو اے خدا اس پتھر کو دور کر دے، وہ پتھر ہلا اور تھوڑا سا راستہ اور بن گیا مگر ابھی نکل نہ سکتے تھے۔

3۔ تیسرے نے کہا کہ ایک مرتبہ کام کے لیے کچھ مزدور رکھے تھے، جب کام ختم ہوا تو سب کو مزدوری دے دی مگر ایک کسی طرف چلا گیا۔ اس کی مزدوری رہ گئی۔ میں نے اس کی مزدوری کی رقم سے اس کے نام سے ایک بکری خریدی۔ وہ مرد چالیس سال بعد آیا اور اپنی مزدوری طلب کی، میں نے اس بکری سے پیدا شدہ تمام گلہ اس کے حوالے کر دیا، اے خدا اگر یہ صدق سے تھا تو پتھر دور کر دے، وہ پتھر ایک دم غار سے ہٹ گیا اور وہ تینوں باہر نکلے۔ پتھر کا یوں ہٹنا خارقِ عادت تھا۔

ایک اور مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔ حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ بطور سپہ سالار عراق میں لڑ رہے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ مسجد نبوی میں جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے تو اچانک آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ساریہ پہاڑ کی جانب، پہاڑ کی جانب۔ ساریہ کے کانوں میں فضا سے آواز آئی تو انہوں نے پہاڑ کی طرف دیکھا تو غنیم نے ان کی پشت کی طرف سے حملہ کرنے کی چال چلی تھی۔ ساریہ رضی اللہ عنہ نے فوراً ایک دستہ ادھر بھیجا اور فتح یاب ہوئے اور اس واقعہ کی سند مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے ہے۔

اس زمانہ میں ایسے جاہل اور شیطانی اندھیروں میں گم لوگ آ گئے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیا کاملین کی کرامات سے انکاری ہیں۔ یہ لوگ اولیا اللہ کی کرامات سے اس وجہ سے انکاری ہیں کہ اپنے آپ کو ولایت کے اعلیٰ مراتب پر فائز سمجھتے ہیں اور خود کوئی کرامت دکھانے کے قابل نہیں۔

اصطلاحاتِ تصوف

بقول سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نفس کے لغوی معنی وجود شئے اور حقیقت و ذات کے ہیں اور لوگوں کی عادت و استعمال میں اس کے معنی بہت ہیں جو ایک دوسرے کے بالکل خلاف ہیں اور باہم متضاد معنی مستعمل ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک اس کے معنی روح ہیں اور ایک گروہ کے نزدیک اس کے معنی مروت ہیں، اور کسی گروہ کے نزدیک اس کے معنی جسم کے ہیں اور کسی گروہ کے نزدیک اس کے معنی خون کے ہیں لیکن طریقت کے محققین کے نزدیک اس لفظ کے ان میں سے کوئی معنی مراد نہیں ہیں۔ یہ حضرات اس پر متفق ہیں کہ درحقیقت نفس شر اور برائی کا منبع ہے جو برا امام و قائد ہے لیکن ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ وہ شے ہے جو قالب میں

Marfat.com

بطور امانت رکھا گیا ہے جس طرح روح ہے اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ قالب کی ہی ایک صفت ہے جس طرح کہ حیات یعنی زندگانی ہے مگر اس میں سب متفق ہیں کہ کمینہ خصلتیں اسی سے ظاہر ہوتی ہیں اور برے افعال اسی کے سبب سے ہیں۔

افعالِ نفس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک معصیت نافرمانی، دوسرے کمینہ خصلت جیسے تکبر، حسد، بخل، غصہ اور کینہ اور اس کے سوا وہ باتیں جو شریعت اور عقل میں مذموم و بری ہیں۔ لہٰذا ریاضتوں کے ذریعہ ان بری خصلتوں کو اپنے سے دور کر سکتے ہیں۔ جس طرح توبہ سے معصیت کو اور یہ کہ معاصی ظاہری اوصاف میں سے ہے اور یہ کمینہ خصائل باطنی اوصاف میں سے، اور یہ کہ ریاضت ظاہری افعال سے ہے اور توبہ باطنی افعال سے اور یہ کہ کمینہ خصائل سے جو کچھ باطن میں کدورت پیدا ہوتی ہے وہ ظاہری اوصاف کے ذریعہ پاک و صاف ہو جاتی ہے، جو کدورت ظاہری افعالِ بد سے پیدا ہوتی ہے، وہ باطن کی صفائی سے جاتی رہتی ہے اور یہ کہ نفس و روح دونوں قالب میں اتنی ہی لطیف ہیں جتنی عالم میں شیاطین و فرشتے اور جنت و دوزخ لیکن ایک محل خیر ہے اور ایک محل شر، جس طرح آنکھ محل بصر ہے اور کان محل سماعت اور زبان محل ذائقہ، اسی طرح کچھ اعیان و اوصاف انسان کے قالب میں بطور امانت رکھے گئے ہیں، لہٰذا نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کی بنیاد اور تمام مجاہدوں کا کمال ہے۔ بندہ اس کے بغیر راہِ حق کو نہیں پا سکتا۔ اس لیے کہ نفس کی موافقت میں بندے کی ہلاکت ہے اور اس کی مخالفت میں بندے کی نجات ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے نفس کی مخالفت کا حکم فرمایا ہے۔ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى ﴿۴۱﴾ جنہوں نے نفس کو خواہش سے روکا بے شک جنت انہیں کا ٹھکانہ ہے۔

حضرت جنید بغدادی ؒ فرماتے ہیں کہ اساس الکفر قیامك علی مراد نفسك یعنی کفر کی بنیاد تیرا اپنے نفس کی خواہش پر قائم رہنا ہے۔ گویا بندے کے کفر کی بنیاد نفس کی مراد میں قائم رہنے میں ہے کیونکہ نفس کو اسلام کی لطافت کے ساتھ لگاؤ نہیں لامحالہ امراض میں کوشش کرنی چاہیے اور اس سے رو گردانی کرنے والا منکر ہے اور منکر حق سے بیگانہ ہوتا ہے۔

حضرت ابو دارانی ؒ فرماتے ہیں کہ النفس خانة بالا مانه و مانعه من الرضاء وافضل الاعمال خلافها یعنی نفس امانت میں خیانت کرنے والا اور طلب رضائے الٰہی سے روکنے والا ہے اور سب سے بہتر عمل نفس کی خلاف ورزی ہے۔

مجاہدۂ نفس

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی جنہوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا یقیناً ہم نے انہیں اپنا راستہ دکھایا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا المجاهد من جاهد نفسه فی

Marfat.com

اللہ یعنی مجاہد وہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں اپنے نفس سے جہاد کیا۔ اور ارشاد ہے وجعلنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر قیله یارسول الله ما الجهاد الاکبر قال الاوهی مجاهدة النفس اب ہم چھوٹے جہاد (غزوہ) سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ جہاد اکبر کیا ہے فرمایا سن لو وہ نفس سے مجاہدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجاہدہ نفس کو جہاد یعنی غزوہ پر فضیلت دی ہے اس لیے کہ اس کا رنج زیادہ ہے کیونکہ اس میں پائمال کرنا واجب ہے۔

پس جو مجاہدہ کرتا ہے وہ مشاہدہ پاتا ہے نیز انبیائے کرام علیہم السلام کا آنا، شریعت کا قیام، کتابوں کا نزول اور تمام احکام تکلیفہ مجاہدہ ہی تو ہیں، اگر مجاہدہ، مشاہدہ کی علت نہ ہو تو ان سب کا حکم باطل قرار پاتا ہے۔

ناپاک کتے کو سدھا کر اس منزل تک پہنچا دیا جاتا ہے کہ اس کا شکار حلال ہو جاتا ہے حالانکہ آدمی کی بے ریاضت و تعلیم اس کا شکار حرام ہے۔ اس طرح کی اور بھی مثالیں ہیں۔ لہٰذا تمام شریعت اور اس کے احکام کا مدار مجاہدہ پر ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے باوجود حصولِ قرب، وصولِ مقصود، عافیت عقبیٰ اور عصمت پر برقراری کے بکثرت مجاہدے فرمائے، بھوکے رہے، طویل مدت تک صوم وصال رکھے اور راتوں کو شب بیداری فرمائی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ طٰهٰ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى "اے محبوب ہم نے قرآن آپ پر اس لیے نازل نہ فرمایا کہ آپ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالیں۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے وقت رسول کریم ﷺ اینٹیں اٹھا رہے تھے اور میں دیکھ رہا تھا کہ حضور کو بڑی تکلیف ہو رہی تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ، اینٹوں کا کام مجھے سپرد فرما دیں میں آپ کی جگہ کام کروں گا۔ حضور نے فرمایا یا اباهريرة خذ غيرها فانه لا عيش الا عيش الاخرة اے ابوہریرہ تو کوئی اور اینٹ پکڑ لا...... زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے۔ (کشف المحجوب)

سکر وصحو

ایک جماعت سکر کو صحو پر فضیلت دیتی ہے اور ایک جماعت صحو کو سکر پر برتری دیتی ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ اور ان کے متبعین کہتے ہیں کہ صحو آدمیت کی صفت پر اعتدال اور استقامت کی شکل بناتی ہے اور یہ حق تعالیٰ کے مشاہدے میں بہت بڑا حجاب ہے اور سکر آفت کے زائل ہونے، صفات بشریت کے گم ہونے، بندے کے تدبیر واختیار کے چلے جانے، معنوی بقا کے ساتھ حق تعالیٰ میں بندے کے تصرفات کے فنا ہونے اور اس قوت کے فنا ہونے سے جو بندے میں اس کی جنس کے خلاف ہے، خالص ہوتا ہے اور یہ حالت صحو کے مقابلہ میں ابلغ واتم اور زیادہ مکمل ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام سے حالت صحو میں جب وہ فعل صدور میں آیا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو ان کے اس فعل کی نسبت انہیں کی طرف فرمائی جیسا کہ فرمایا و

Marfat.com

قتل داؤد جالوت یعنی داؤد نے جالوت کو قتل کیا اور ہمارے نبی اکرم ﷺ حالت سکر پر فائز تھے۔ حضور ﷺ سے جب فعل وجود میں آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی نسبت اپنی طرف فرمائی چنانچہ فرمایا: وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ جب آپ نے پھینکا تھا تو آپ نے نہیں پھینکا تھا بلکہ اللہ نے پھینکا تھا۔

(کشف المحجوب)

اور وہ جماعت جو صحو کو سکر پر فضیلت دیتی ہے ان میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ سکر محل آفت ہے اس لیے کہ سکر میں احوال پریشان، صحت غائب اور بندے کے تمام علائق گم ہوتے ہیں، اور جب تمام معانی کے قاعدوں کا حال یہ ہو خواہ اس کی فنا کی صورت یا اس کی بقا کی شکل میں، خواہ اس کے نابود کرنے کی صورت میں یا اس کے اثبات کی شکل میں اگر وہ صحیح الحال نہیں ہوگا تو تحقیق کا فائدہ حاصل نہ کر سکے گا۔ اس لیے کہ اہل حق کا دل ہر موجودات سے خالی ہونا چاہیے، اور بینائی کی بنیاد چیزوں کی قید میں کبھی راحت نہیں پاتی اور اس کی آفت سے ہرگز نہیں چھوٹتی، اور لوگوں کا حق تعالیٰ کے سوا چیزوں میں رہ جانا اسی لیے ہے کہ وہ چیزوں کو جیسی کہ وہ ہیں کہ وہ ناپید و فنا ہونے والی ہیں، نہیں دیکھتے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی دعا کی حالت میں اللھم ارنا الاشیاء کما ھم یعنی اے خدا مجھے چیزوں کی ماہیت جیسی کہ وہ ہیں دکھا، یہ اس لیے کہ جس نے انہیں اس کی ماہیت کے ساتھ دیکھا وہ آسودہ رہا۔ اس کے معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ اے دیکھنے والو، عبرت کی نگاہ سے دیکھو۔

جب تک انسان دیکھتا نہیں تو عبرت کیسے پکڑ سکتا ہے۔ لہٰذا یہ ساری باتیں حالت صحو کے سوا کیسے درست آسکتی ہیں۔ اہل سکر کو اس معنی کی کچھ خبر نہیں ہوتی چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سکر کی حالت میں تھے۔ وہ ایک تجلی ربانی کے ظہور کو برداشت نہ کر سکے اور ہوش جاتے رہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے و خر موسی صعقا موسیٰ چیخ مار کر زمین پر آ رہے۔

اور ہمارے رسول مکرم ﷺ حالت صحو میں تھے چنانچہ مکہ مکرمہ سے قاب قوسین تک عین تجلی ربانی میں ہمہ وقت ہوشیار اور بیدار تر رہے۔

شربت الراح کاسا بعد کاس فما نفذ الشراب وما رویت
یعنی میں نے پیالہ بھر کے شراب راحت پی، مگر شراب نے مجھ پر کچھ اثر نہ کیا اور نہ میں سیراب ہوا۔

میرے شیخ نے فرمایا وہ جنیدی مذہب کے تھے۔ سکر بچوں کے کھیل کا میدان ہے اور صحو مردوں کے فنا کا میدان (حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بھی سکر پر صحو کو فضیلت دیتے ہیں)

اور میں علی بن عثمانی جلابی (سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ) اپنے شیخ کی موافقت میں کہتا ہوں کہ

Marfat.com

صاحب سکر کے حال کا کمال صحو ہے، اور صحو میں کم سے کم درجہ بشری حالت میں دیدار سے رہ جاتا ہے۔ لہٰذا وہ صحو جو آفت دکھائے اس سکر سے بہتر ہے جو سراسر آفت ہے۔

لیکن سکر کی دو قسمیں ہیں: ایک دوستی کی شراب سے دوسرے محبت کے پیالہ سے۔ سکر مودت یعنی دوستی کی شراب سے معلول ہے یعنی علت وسبب کے ساتھ ہے کیونکہ یہ مستی نعمت کے دیدار سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا جس نے نعمت کو دیکھا وہ اپنے پر دیکھتا ہے اور خود کو دیکھتا ہے اور جس نے منعم کو دیکھا اس نے اس کو دیکھا اور اپنے آپ کو نہ دیکھا۔ اگرچہ وہ حالت سکر میں ہے مگر اس کا سکر صحو ہے۔

صحو کی دو قسمیں ہیں۔ ایک صحو بر غفلت، دوسری صحو بر محبت، غفلت والا صحو بہت بڑا حجاب ہے، اور محبت والا صحو روشن و واضح کشف و مشاہدہ ہے۔ لہٰذا جو صحو غفلت پر ہوتا ہے اگرچہ صحو میں ہو، مگر سکر پر ہے اور جو محبت میں واصل ہو جائے اگرچہ سکر میں ہو مگر صحو ہے۔ جب اصل و بنیاد مضبوط و مستحکم ہوتی ہے تو صحو سکر کی مانند اور سکر صحو کی مانند ہوتی ہے اور جب بے اصل و بنیاد ہو تو دونوں بے فائدہ اور بے کار ہیں۔ خلاصہ یہ کہ صحو اور سکر مردانِ خدا کی جائے اقامت میں اختلاف سبب کی وجہ سے معلول ہوتا ہے لیکن جب سلطانِ حقیقت یعنی اللہ رب العزت جل و علیٰ اپنا جمال دکھا دے تو صحو و سکر دونوں طفیلی اور وسیلہ رہ جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ان دونوں کے کنارے اور سرحدیں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہیں اور ایک کی انتہا میں دوسرے کی ابتدا شامل ہے، اور ابتدا و انتہا سوائے تفرقہ کے کچھ نہیں ہے چونکہ ان کی نسبت تفرقہ کے ساتھ ہے تو حکم میں دونوں برابر ہوں گے اور نفیسوں کا جمع کرنا سراسر تفرقہ ہی ہوگا۔

نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اجیعوا ابطکونکم دعوا الحرص وامروا اجساد کم قصرو الامل واظمانوا اکبار کم دعوا الدنیا لعلکم فرون اللہ بقلوبکم اپنے شکموں کو بھوکا رکھو، لالچ کو چھوڑ دو، جسموں کی زیبائش نہ کرو، امیدوں کو کم کرو، جگروں کو پیاسا رکھو، دنیا سے کنارہ کشی کرد تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے قلوب کا مشاہدہ کرے۔

نیز حضرت جبرائیل علیہ السلام کے احسان کے بارے میں ان کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا ان تعبد اللہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانه یراك تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر ایسا نہ کر سکو تو یوں سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ یا داؤد داتدری ما معرفتی قال لا قال ھی حیات نقلب فی مشھدتی اے داؤد تم جانتے ہو میری معرفت کیا ہے؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا وہ دل کی زندگی میرے مشاہدہ میں ہے۔

مشائخ طریقت رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک عبادت سے مراد دل کی آنکھوں سے مشاہدہ الٰہی کرنا ہے یعنی وہ بے کیف و کم، خلوت و جلوت میں دل سے اللہ تعالیٰ کا دیدار و مشاہدہ کرتے ہیں۔ حضرت ابو العباس بن عطار

Marfat.com

رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی تفسیر میں کہتے ہیں ان الذین قالو ربنا اللہ بالمجاھد ثم استقامو علی بساط المشاھد بلاشبہ جنہوں نے مجاہدے میں کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ مشاہدے کے فرش پر کھڑے ہوئے۔

حقیقتاً مشاہدہ کی دو قسمیں ہیں ایک صحت یقین دوسرا ایسا غلبہ محبت جس سے ایسا درجہ حاصل ہو جائے کہ مکمل طور پر دوست کی ہر بات میں وہی نظر آئے اور اس کے سوا کچھ نظر نہ آئے۔

حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مارایت شیا قط الامادیت اللہ فی الی بصحہ الیقین یعنی میں کسی چیز کو نہیں دیکھتا مگر یہ کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ صحت یقین کے ساتھ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معراج میں لے جایا گیا تو اپنے حفظ ادب میں کونین کی طرف نظر نہ اٹھائی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مازاغ البصر و ماطغی نہ آنکھ بھٹکی اور نہ آنکھ بے راہ ہوئی مازاغ البصر ای برویت الدنیا یعنی دنیا کے دیکھنے میں آنکھ نہ بھٹکی و ما طغی و ما ای برویت العقبی یعنی آخرت کے دیکھنے میں آنکھ بے راہ نہ ہوئی۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان اللہ عباد لو حجبو عن اللہ فی الدنیا والاخرۃ لارتدوا یعنی اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں اگر دنیا و آخرت میں وہ اللہ تعالیٰ سے ایک لمحہ کے لیے بھی محجوب ہو جائیں تو وہ مرتد ہو جائیں یعنی اللہ تعالیٰ ان کو دائمی مشاہدہ میں پرورش فرماتا اور اپنی محبت کی حیات میں ان کو زندہ رکھتا ہے لامحالہ جب صاحب مشاہدہ محجوب ہو جائے تو وہ مردود ہو جاتا ہے۔

صاحب کشف المحجوب ایک شبہ کے ازالہ کے طور پر فرماتے ہیں۔

ارباب مشاہدہ کے بارے میں ایک قوم کو غلطی لاحق ہوئی ہے وہ گمان کرتے ہیں کہ دلوں کی رویت اور ان کا مشاہدہ میں کوئی صورت بناتی ہے جسے ذکر یا فکر کی حالت میں وہم برقرار ثابت کرتی ہے حالانکہ یہ تشبیہ محض اور کھلی گمراہی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی اندازہ نہیں ہے کہ دل جس کا وہم کے ذریعہ اندازہ کر لے اور عقل اس کی کیفیت کے ساتھ باخبر ہو جائے، اور جو چیز موہوم ہوتی ہے وہ بھی وہم کے جنس و قبیل سے ہوتی ہے اور جو چیز عقل میں سما سکے وہ بھی عقل کے جنس سے ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کے لیے کسی جنس کی ہم جنس نہیں ہے اور لطافت و کثافت دونوں جنس کے قبیل سے ہیں۔ جو محل میں ایک دوسرے کی ضد اور ایک دوسرے کی جنس ہیں اس لیے کہ توحید کی تحقیق میں اور قدیم کے پہلو میں ضد جنس میں کیونکہ تمام اضداد محدث ہیں اور تمام حوادث ایک جنس ہیں۔ تعالی اللہ عن ذالک عمار یصفہ الملاحدہ علوا کبیرا۔

لہٰذا دنیا میں مشاہدہ آخرت میں دیدار کے مانند ہے اور جب کہ تمام اہل علم کا اجماع و اتفاق ہے کہ عقبیٰ میں دیدار جائز ہے تو لامحالہ دنیا میں بھی مشاہدہ جائز ہے۔ (کشف المحجوب)

Marfat.com

بقا اور فنا

اللہ عزوجل فرماتا ہے مَا عِنْدَ كُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ جو تمہارے پاس ہے وہ فنا ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ زمین پر جو کچھ ہے وہ فنا ہونے والا ہے اور تمہارے رب کی عزت و جلال والی ذات باقی رہنے والی ہے۔

فنا کا علم یہ ہے کہ تم نے جان لیا ہے کہ دنیا فانی ہے اور بقا کا علم یہ ہے کہ تم نے جان لیا کہ آخرت باقی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى آخرت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ اس آیت میں ابقی کا کلمہ مبالغہ کے لیے ارشاد ہوا، کیونکہ آخرت کی عمر کے لیے اس جہان میں فنا نہیں ہے......
لیکن بقائے حال اور فنائے حال سے مراد یہ ہے کہ جہالت کے لیے یقیناً فنا اور علم باقی رہنے والا ہے۔ چنانچہ معصیت فانی ہے اور اطاعت باقی۔ بندہ جب اپنی اطاعت کا علم حاصل کر لیتا ہے تو غفلت و جہالت معدوم ہو کر بقا کے ذکر میں باقی ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ بندہ حق تعالیٰ کے ساتھ عالم و دانا بن جاتا ہے۔ تو وہ اس کے علم کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لیکن خواص اہل طریقت کے نزدیک فنا و بقا سے متصف وہ حضرات ہیں جو مجاہدے کی مشقت سے آزاد ہو چکے ہیں اور مقامات کی قید اور احوال کے تغیر سے رستگاری کر کے طلب مقصود میں فائز المرام ہو چکے ہیں۔ ان کے دیکھنے کی تمام صلاحیتیں حق تعالیٰ کے دیدار کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ان کے سننے کی تمام صلاحیتیں کلام الٰہی کے سننے میں پیوست ہیں اور دل سے جاننے کی تمام استعدادیں اسرار الٰہی کے حصول میں منہمک ہو چکی ہیں۔ یہ حضرات اہل ولایت اپنے اسرار کے حصول میں خود بینی کی آفت کو دیکھ چکے ہوتے ہیں۔ سب سے کنارہ کش ہو کر مراد میں ان کے ارادے فنا ہو چکے ہوتے ہیں۔ واصل بحق ہو کر ہر دعویٰ سے بیزار اور ہر لحاظ سے منقطع کرامتوں محجوب اور مقامات کو دیکھتے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ عین مراد میں آفتوں کا لباس پہنے ہوئے مراد سے بے مراد ہوتے ہیں۔ وہ ہر مشرب سے جدا ہو کر ہر شے مانوس کی انسیت سے نکلے ہوئے ہیں۔ ليهلك من ملك عن بينة ويحي من حي عن بينة تا کہ ہلاک ہوں تو مشاہدہ سے ہلاک ہوں اور زندہ ہوں تو مشاہدے سے زندہ ہوں۔

اس معنی میں کہتا ہوں۔

فنيت فنابي بفقد مواى
فصار موائى فى الامور مواك
فاذا فنى العبد عن اوضافه
ادرك البقاء بتمامه

Marfat.com

یعنی میں نے فنا کو اپنی خواہش کو ناپید کر کے فنا کیا۔ ہر امر میں میری خواہش صرف تیری ہی محبت ہے۔

لہٰذا جب بندہ اپنے بشری اوصاف کو فنا کر دیتا ہے تو اس وقت بقاء کے معنی پورے طور پر جان لیتا ہے۔

جمع وتفرقہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک دعوت میں تمام مخلوق کو جمع کر کے فرمایا۔ واللہ یدعوا الی دار السلام اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔ پھر دوسری جگہ انہیں ہدایت حق میں فرق کر کے بیان فرمایا۔ ویھدی من یشاء الی صراط مستقیم اللہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے دعوت میں تو اللہ تعالیٰ نے سب کو پکارا اور ایک گروہ کو اظہار مشیت کا حکم فرمایا، اور ایک گروہ کو مردود و رسوا کر کے فرق کر دیا یعنی جدا کر دیا۔ اور کچھ کو توفیق دے کر مقبول بنایا اور کچھ کو ممانعت و نہی کے ذریعہ جمع کیا اور نکال دیا۔ ایک گروہ کو عصمت دی اور ایک گروہ کو آفت کی طرف میلان دیا۔ لہٰذا اس معنی میں حقیقت و اسرار اور حق تعالیٰ کی معلوم و مراد میں لفظ جمع ہے اور امر و نہی کے اظہار میں لفظ تفرقہ ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے فرزند اسماعیل کو قربان کریں، اور مشیت الٰہی یہ تھی کہ ایسا واقعہ نہ ہو اور ابلیس کو حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرے اور مشیت یہ تھی کہ سجدہ نہ کرے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو فرمایا گندم نہ کھانا اور مشیت یہ تھی کہ وہ کھائیں اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں لہٰذا الجمع ما جمع باوصافہ والتفرقہ ما فرق بافعالہ یعنی جمع وہ ہے جو اس کے اوصاف سے جمع ہو اور تفرقہ وہ ہے جو اس کے افعال سے جدا ہو بعض صوفیا کے نزدیک جمع حق کی صفت ہے اور تفرقہ اس کا فعل ہے یعنی اللہ کی ذات کے سوا جمع کا استعمال کسی پر جائز نہیں۔

کامل تر انسان

واضح رہنا چاہیے کہ محققین کے نزدیک باعتبار ترکیب کامل تر انسان تین معنی سے ہے: ایک روح دوسرے نفس، تیسرے جسم، اور اس کے ہر ذات و وجود کے لیے ایک صفت ہوتی ہے جو اس کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔ روح کے لیے عقل، نفس کے لیے خواہش اور جسم کے لیے احساس۔ انسان سارے عالم کا نمونہ ہے اور عالم دونوں جہان کا نام ہے۔ انسان میں دونوں جہان کی علامت و نشانی ہے۔ اس جہان کی نشانی پانی، مٹی، ہوا اور آگ ہے۔ اسی سے بلغم، خون، صفرا اور سودا کی ترکیب ہے اور اس جہان کی نشانی جنت، دوزخ اور میدانِ قیامت ہے۔ انسان میں بہشت کلی لطافت کے قائم مقام روح ہے۔ دوزخ کی آفت و وحشت کے قائم مقام نفس ہے اور عرصات یعنی میدان قیامت کے قائم مقام جسم ہے۔ ان دونوں معنی کا جمال مہرہ محبت

Marfat.com

ہے۔ لہٰذا جنت خدا کی رضا کی تاثیر اور دوزخ اس کی ناراضگی کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح مومن کی روح، معرفت کی راحت اور اس کا نفس حجاب و ضلالت سے ہے۔ جب تک مومن قیامت میں دوزخ سے نجات حاصل کر کے جنت میں نہ پہنچے وہ دیدار الٰہی کی حقیقت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا اور مراد کے تحقق میں نہیں پہنچ سکتا، اور حقیقت قربت و معرفت جو کہ روح کی اصل ہے حاصل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا جو شخص دنیا میں خدا کو پہچانتا ہے اور دوسروں سے منہ موڑ کر راہ شریعت پر قائم رہتا ہے وہ قیامت میں دوزخ اور پل صراط کو نہ دیکھے گا۔

خلاصہ یہ کہ مومن کی روح اسے جنت کی طرف بلانے والی ہوتی ہے کیونکہ وہ دنیا میں جنت کا نمونہ ہے اور نفس دوزخ کی طرف لے جانے والی ہوتی ہے کیونکہ وہ دنیا میں دوزخ کا نمونہ ہے۔ اس مومن و عارف ربانی کے لیے عقل مدبر کامل ہے اور جاہل و نادان کے لیے نفس کی خواہش، ناقص قائد ہے۔ عارف کی عقل کی تدبیر درست و صواب اور دوسرے کی خطا لہٰذا طالبانِ حق پر واجب ہے کہ ہمیشہ نفس کی مخالفت کی راہ پر جمے رہیں تاکہ اس کی مخالفت پر عقل و روح مدد کرتی رہے کیونکہ وہ اسرار الٰہی کا مقام ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (کشف المحجوب مترجمہ صفحہ 270-268)

حال اور وقت کا فرق

سید علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ وقت اور حال کی وضاحت کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں۔

وقت اسے کہتے ہیں کہ بندہ اس کے سبب ماضی و حال و مستقبل سے فارغ ہو جائے۔ چنانچہ بندے کے دل پر حق تعالیٰ کی جانب سے جو واردات ہوں وہ ان کے اسرار کو دل میں محفوظ و جمع رکھے جس طرح کہ کشف و مجاہدے میں ہوتا ہے۔ اسے نہ گزشتہ کی کچھ یاد ہو اور نہ آئندہ کی فکر۔ لہٰذا تمام خلق کی اس میں دسترس نہیں ہوتی۔ وہ نہیں جانتے کہ ماضی میں ہم پر کیا گزری اور مستقبل میں کیا ہوگا اور صاحبانِ وقت کہتے ہیں کہ ہمارا علم ماضی و مستقبل کا ادراک نہیں کر سکتا ہم تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش کیونکہ اگر ہم کل کی فکر میں مشغول ہوں اور آئندہ کے اندیشہ کو دل میں جگہ نہ دیں تو ہم وقت سے محجوب ہو جائیں۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ لی مع اللہ وقت لا یعسنی فیہ ملك مقرب ولا نبی مرسل یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت میرے دل پر اٹھارہ ہزار عالم میں سے کسی کا بھی گزر نہیں ہوتا اور نہ میری آنکھ میں کسی کی قدر و منزل ہوتی ہے۔ اسی بنا پر شب معراج جب کہ زمین و آسمان کے ملک کی زینت آپ پر پیش کی گئی تو آپ نے کسی کی طرف بھی التفات نہ فرمایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ما زاغ البصر وما طغی نہ آنکھ ادھر ادھر ہوئی اور نہ بھٹکی اس لیے کہ مصطفیٰ کامل عزیز تھے اور عزیز کو بجز عزیز کے مشغل نہیں ہوتا۔ لہٰذا موحد کے اوقات کے دو وقت ہیں۔ ایک گم ہونے کا وقت دوسرے وجد یعنی پانے کا وقت، ایک وصال کا وقت دوسرا فراق کا وقت، دونوں حالتوں میں اسی کا وقت مغلوب ہوتا ہے اس لیے کہ

Marfat.com

وصل میں اس کا وصل حق تعالیٰ کے ساتھ ہے اور نفس میں اس کا فصل بھی حق تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ بندہ کا اختیار اور اس کا کسب ان دونوں وقت میں ثابت نہیں ہر بات جس کی بندہ کے ساتھ صفت کی جائے۔ چونکہ بندہ کا اختیار اس کے حالات سے جدا کر دیا جاتا ہے اس لیے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے وقت کی زیبائش ہوتی ہے۔

مشائخ طریقت بیان کرتے ہیں کہ الوقت سیف قاطع یعنی وقت کاٹنے والی تلوار ہے۔ اس لیے کہ تلوار کا کام کاٹنا ہے اور وقت کا بھی کام کاٹنا ہے۔ کیونکہ وقت ماضی و مستقبل کی جڑ کاٹتا اور دل سے ماضی و مستقبل کے غموں کو مٹاتا ہے۔ لہٰذا تلوار یعنی وقت کی صحبت خطرناک ہوتی ہے اماھلک و اماملک یا تو ہلاک کر دے گا یا مالک بنا دے گا اگر کوئی شخص ہزار برس تلوار کی خدمت کرے اور اپنے کاندھوں پر لٹکائے پھر جب اس کے کاٹنے کا وقت آئے گا تو تلوار نہ اپنے مالک کو دیکھے گی نہ غیر کو، دونوں کو یکساں کاٹے گی، کیونکہ اس کا کام ہی قہر ہے تو اس کے مالک کے اسے پسند کرنے کی وجہ سے تلوار کا قہر جاتا نہ رہے گا۔

اور حال وقت پر ایک آنے والی چیز ہے جو وقت کو مزین بناتی ہے جس طرح روح جسم کو مزین بناتی ہے لامحالہ وقت حال کا محتاج ہے کیونکہ وقت کی پاکیزگی حال سے ہوتی ہے اور اس کا قیام بھی اسی کے ساتھ ہے۔ لہٰذا صاحب وقت صاحب حال ہوتا ہے تو اس سے تغیر جاتا رہتا ہے وہ اپنے احوال میں مستقیم و مستحکم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بغیر حال کے وقت کا زوال جائز و ممکن ہے اور جب حال اس سے مل جاتا ہے تو اس کے تمام احوال وقت بن جاتے ہیں۔ ان پر زوال جائز نہیں ہوتا۔ جو کچھ آتا ہے اور جو کچھ ظہور دور دور ہوتا ہے برقرار و مستحکم ہوتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے صاحب وقت کے لیے وقت کا نزول تھا اور متمکن کے لیے غفلت جائز تھی، اور صاحب غفلت پر اب حال نازل ہے اور وہ وقت متمکن ہے اس لیے کہ صاحب وقت پر غفلت جائز تھی اور صاحب حال پر نہیں ہے۔

مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ الحال سکوت اللسان فی فنون البیان یعنی صاحب حال کی زبان اپنا حال بیان کرنے سے ساکت رہتی ہے اور اس کا معاملہ اس کے حال کے تحقق و ثوابت میں گویا ہوتا ہے۔ اسی بناء پر ایک بزرگ فرماتے ہیں السوال عن الحال محال یعنی حال کے بارے میں پوچھنا محال ہے کیونکہ حال کی تعبیر ناممکن ہے اس لیے کہ حال ہوتا ہی وہی ہے جہاں گفتگو فنا ہو جائے۔

استاد ابوعلی وقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا و آخرت میں خوشی و ناخوشی وقت کا نصیبہ ہے اور حال ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ حال ایک ایسی کیفیت ہے جو حق تعالیٰ کی جانب سے بندہ پر وارد ہوتی ہے اور جب اس کا ورد ہوتا ہے تو دل سے سب کچھ فنا ہو جاتا ہے جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام تھے کیونکہ وہ صاحب وقت تھے۔ ایک وقت میں تو فراق میں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی دوسرے وقت میں وصال سے بینائی لوٹ آئی۔ کبھی رونے سے بال سے باریک ہوتے اور کبھی وصال سے تندرست و توانا بنتے اور کبھی خوفزدہ ہوتے اور کبھی مسرت و خوشی میں رہتے۔

Marfat.com

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام صاحب حال تھے۔ وہ نہ فراق سے مغموم ہوتے اور نہ وصال سے مسرور ہوتے اور چاند ستارے اور سورج ان کے احوال کی مدد کرتے اور خود ہر چیز کے دیکھنے سے فارغ تھے اور جو کچھ نظر آتا اس میں حق تعالیٰ کا جلوہ ہی نظر آتا اور فرماتے لا احب الافلین میں چھپنے والوں کو پسند نہیں کرتا لہٰذا صاحب وقت کے لیے کبھی سارا جہان دوزخ ہو جاتا ہے کیونکہ مشاہدہ میں غیبت ہو جاتی ہے اور اپنے دل سے حبیب کا روپوش ہو جانا موجب وحشت بن جاتا ہے اور کبھی ان کا دل مسرت و خوشی میں ہوتا ہے اور سارا جہاں جنت کی مانند بن جاتا ہے کیونکہ نعمتوں میں ہر آن حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہ نعمت اس کا تحفہ و بشارت بن جاتی ہے پھر یہ کہ صاحب حال کے لیے حجاب ہو یا نعمت و بلا کشف ہو یکساں ہوتا ہے کیونکہ وہ ہر مقام میں صاحب حال ہوتا ہے لہٰذا حال مراد کی صفت ہے اور وقت مرید کا درجہ، ایک فی نفسہ وقت کی راحت میں ہوتا ہے ایک حال کی مسرت میں خدا کے ساتھ ہوتا ہے۔ دونوں منزلوں کے درمیان یہ فرق ہے واللہ اعلم بالصواب (کشف المحجوب از سید علی ہجویری)

مقام و تمکین کا فرق

سید علی ہجویری لکھتے ہیں: مقام نام ہے طالب کا صدق نیت اور ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ حق تعالیٰ کے حقوق کو ادا کرنے پر قائم رہنے کا اور ہر ادارہ حق والے کا ایک مقام ہے جو بوقت طلب بارگاہ حق سے ابتداء میں اس کے حصول کا موجب بنتا ہے۔ جب بھی حال کسی مقام کو عبور کرے گا اور پچھلے مقام کو چھوڑ دے گا تو وہ لازمی کسی ایک مقام پر قائم ہوگا۔ اس لیے کہ اس کے واردات کا مقام مرکب اور مخلوق کی قسم ہے روش اور معاملہ کے قبیل سے نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں بتایا کہ ما منا الا لہ مقام معلوم یعنی ہم میں سے کوئی نہیں مگر یہ کہ اس کا کوئی مقام معلوم ہے۔ لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام کا مقام توبہ تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کا مقام زہد تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام تسلیم و رضا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام خوف و خشیت تھا اور ہمارے نبی مکرم سید عالم ﷺ کا مقام ذکر ہے۔ ہر ایک کو ہر مقام میں خواہ کتنا ہی عبور ہو بالآخر اس کا رجوع اس کے اپنے اصلی مقام کے ہی طرف ہوگا۔ جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ کے راہ کی تین قسمیں ہیں: ایک مقام دوسرا حال تیسرا تمکین۔ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں کو اپنی راہ بتانے کے لیے ہی بھیجا تاکہ وہ مقامات کے حکم کو بیان کریں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار کم و بیش انبیاء علیہم السلام تشریف لائے اور اتنے ہی مقامات وہ طے کر آئے اور ہمارے نبی مکرم سید عالم ﷺ کی تشریف آوری سے ہر مقام والے کے لیے ایک حال ظاہر ہوا، اور حال کو مقام سے ملایا اور مخلوق کا کسب و اختیار اس سے جدا کیا یہاں تک کہ مخلوق پر دین کو تمام فرمایا اور نعمت کو انتہا تک پہنچایا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں، اس کے بعد اہل تمکین کے

Marfat.com

لیے قرار کا ظہور ہوا، تمکین کی تعریف یہ ہے کہ محققین کا کمال کے درجہ اعلیٰ میں اقامت گزیں ہونا ہے، لہٰذا صاحبان مقامات کے لیے عبور ممکن ہے اور تمکین کے درجہ سے گزر جانا محال ہے اس لیے کہ یہ مقام مبتدیوں کا درجہ ہے اور وہ تمکین منتہیوں کی اقامت گاہ ہے اور ابتداء سے انتہا کی طرف جانا ہے اور نہایت سے گزرنے کی صورت نہیں ہے کیونکہ تمکین بارگاہ قدس میں برقرار ہونا ہے۔

حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صفت بھی یہی بیان فرمائی چنانچہ وہ جب منزلوں کو طے کر کے اور مقامات کو عبور کر کے تمکین کے محل میں پہنچے اور اسباب تغیر ان سے جدا ہو گئے تب حق تعالیٰ نے ان سے فرمایا فاخلع نعليك والق عصاك یعنی نعلین کو اتاریئے اور اپنے عصا کو ڈال دیجئے کیونکہ یہ سفر کا سامان ہے اور بارگاہ قدس میں حضوری کے بعد سفر کا خطرہ محال ہے۔

تلوین

ایک بزرگ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ التمکین رفع التلوین تمکین یہ ہے کہ تغیر و تبدل جاتا رہے اور لفظ تلوین بھی حال و مقام کی مانند اہل طریقت کی عبارتوں میں ایک اصلاحی لفظ ہے اور معنی میں ایک دوسرے کے قریب قریب ہے اور یہاں تلوین کے معنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بدلنے کے ہیں۔ اس مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ متمکن متردد نہیں اور اپنا سارا سامان بارگاہ قدس میں لے گیا ہوتا ہے اور دل سے غیر کا اندیشہ دور ہو چکا ہوتا ہے اور نہ اس پر کوئی ایسا معاملہ آتا ہے جس سے اس کا ظاہر بدل جائے اور نہ کوئی ایسا حال گزرتا ہے جس سے اس کا باطن متغیر ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام متلون یعنی متغیر ہونے والے تھے۔ جب طور پر حق تعالیٰ نے ایک تجلی دکھائی تو ان کے ہوش جاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے وخر موسی صعقا علیہ السلام بے ہوش کر زمین پر آ رہے۔ اور ہمارے رسول کرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم متمکن تھے جب آپ مکہ مکرمہ سے قاب قوسین تک عین تجلی میں تھے تو آپ اپنے ہی حال میں رہے اور کسی دوسرے حال کی طرف متغیر نہ ہوئے۔ یہ اعلیٰ درجہ تھا واللہ اعلم بالصواب۔

لہٰذا تمکین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس کی نسبت شہود حق کے ساتھ ہو دوسرے یہ کہ اس کی نسبت اپنے شہود کے ساتھ ہو۔ وہ شخص جس کے تمکین کی نسبت اپنے شہود کے ساتھ ہو وہ باقی الصفت ہوتا ہے اور جس کی نسبت شہود حق کے ساتھ ہو وہ فانی الصفت ہوتا ہے اور فانی الصفت کے لیے محو، صحو، لحق، محق، فنا، بقا، وجود اور عدم کا استعمال درست نہیں ہوتا اس لیے کہ ان اوصاف کے قیام کے لیے موصوف کی ضرورت ہوتی ہے اور جب موصوف شہودِ حق میں مستغرق ہو جائے تو وصف کے قیام کا حکم اس سے ساقط ہو جاتا ہے۔

محاضرہ و مکاشفہ

محاضرہ آیات کے شواہد میں ہے اور مکاشفہ مشاہدات کے شواہد ہیں اور محاضرہ کی علامت آیت کے

Marfat.com

دیکھنے میں ہمیشہ فکر مند رہتا ہے اور مکاشفہ کی علامت عظمت کی کہ وہ اس میں ہمیشہ حیرت زدہ رہتا ہے جو افعال میں فکر مند ہو اور جو جلال میں حیرت زدہ ہو۔ ان میں فرق یہ ہے کہ ایک خلت کے ہم معنی ہے اور دوسرا محبت کے قریب قریب تم نے نہیں دیکھا کہ جب حضرت خلیل علیہ السلام نے ملکوت سماوات میں نگاہ ڈالی تو اس کے وجود کی حقیقت میں تامل و تفکر کیا اور ان کا دل حاضر ہوا تو فعل کی سماوات میں نگاہ ڈالی تو فعل کی دید میں فاعل کو دیکھا یہاں تک کہ ان کے حضور نے فعل کو فاعل کی دلیل بنا دیا اور کمال معرفت میں گویا ہوئے کہ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا یعنی میں اپنے چہرہ کو اس ذات کی طرف یکسو ہو کر متوجہ کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔

اور جب حبیب ﷺ کو ملکوت سماوی میں لے جایا گیا تو آپ نے سارے عالم کو دیکھنے سے آنکھیں بند کر لیں۔ نہ تو فعل دیکھا اور نہ مخلوق دیکھی حتیٰ کہ اپنے آپ کو بھی نہ دیکھا فاعل کے ساتھ مکاشف ہو گئے۔ لہٰذا کشف میں شوق در شوق کا اضافہ ہوا اور بے قراری پر بے قراری زیادہ ہوئی دیدار کی طلب ہوئی تو رخ کی رویت نہ ہوئی۔ قرب کو چاہا، قربت ممکن نہ ہوئی، وصل کا ارادہ کیا، وصل کی صورت نہ بنی، دل پر جتنا بھی دوست کی تنزیہہ و پاکی کا ظہور زیادہ ہوتا جاتا اتنا ہی شوق پر شوق بڑھتا جاتا، نہ تو ہٹ سکتے تھے نہ سامنے ہو سکتے تھے، متحیر ہو کر رہ گئے کیونکہ جہاں خلت تھی وہاں حیرت، کفر معلوم ہوئی اور جہاں محبت تھی وہاں شرک نظر آیا۔ حیرت ہی سرمایہ بن کے رہ گئی۔ اس لیے کہ مقام خلت میں حیرت زدہ ہونا اس کے وجود میں ہوتا ہے اور یہ شرک ہے اور مقام محبت میں حیرت زدہ ہونا کیفیت میں ہوتا ہے یہ توحید کا مرتبہ ہے اسی واسطے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے یا دلیل المتحرین زدنی تحیر یعنی اے لوگوں کو متحیر کرنے والی ذات میری حیرت کو اور زیادہ کر کیونکہ مشاہدہ میں حیرت کی زیادتی سے درجہ زیادہ ہوتا ہے۔

قبض و بسط

قبض و بسط وہ حالت ہے جو بندہ کی طاقت سے باہر ہے نہ اس کے آنے پر بندہ قادر ہے نہ اس کے جانے پر بندہ کا اختیار اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واللہ یقبض و یبسط اللہ تعالیٰ ہی قبض کرتا اور بسط فرماتا ہے قبض اس حالت کا نام ہے جو حجاب کی حالت میں دل پر چھائے اور بسط اس حالت کا نام ہے جو حجاب کے اٹھ جانے پر دل پر گزرے۔ یہ دونوں حق ہیں اس میں بندہ کا اختیار نہیں۔ قبض عارفوں کے حالات میں ایسا ہے جیسا کہ مریدوں کے حالات میں خوف اور بسط اہل معرفت کے حالات میں ایسا ہے جیسا کہ مریدوں کے حالات میں خوف اور بسط اہل معرفت کے حالات میں ایسا ہے جیسا کہ مریدوں کے حالات میں رجا یعنی امید۔ یہ تعریف اسی گروہ کے موافق ہے جو قبض و بسط کے یہ معنی کرتے ہیں۔

مشائخ طریقت کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ قبض کا مرتبہ بسط کے مرتبہ سے زیادہ بلند ہے۔ اس کی

Marfat.com

وجہ یہ بتاتے ہیں کہ چونکہ کتاب الٰہی میں قبض کا ذکر بسط سے پہلے ہے، دوسرے یہ کہ قبض میں گداز اور قہر ہے اور بسط میں نوازش و مہربانی ہے لامحالہ بشریت کے اوصاف کو فنا کرنا اور نفس کو مغلوب کرنا پرورش اور مہربانی سے افضل ہے کیونکہ وہ بہت بڑا حجاب ہے اور ایک گروہ کا یہ کہنا ہے کہ بسط کا مرتبہ قبض کے مرتبہ سے بلند تر ہے اس لیے کہ کتاب الٰہی میں قبض کا پہلے ذکر کرنا بسط کی فضیلت کی علامت ہے کیونکہ اہل عرب کا دستور و عادت ہے کہ اس چیز کو پہلے بیان کرتے ہیں جو فضیلت میں بعد میں ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ یعنی بعض بندے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور بعض بندے میانہ رو ہیں اور بعض بندے حکم الٰہی سے نیکیوں میں سبقت کرتے ہیں۔

نیز مشائخ فرماتے ہیں کہ بسط میں سرور ہے اور قبض میں تکلیف اور وصل معرفت کے بغیر نہیں ہوتا، اور اپنی تکلیف فضل کے بغیر نہیں دیکھتے۔ لہٰذا وصل میں ٹھہرنا فراق میں ٹھہرنے سے بہتر ہے۔

میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ قبض و بسط دونوں کے ایک ہی معنی ہیں کیونکہ دونوں حق تعالیٰ کی طرف سے بندے کو شامل ہوتے ہیں کیونکہ جب ان کے معانی ان کے دل پر اثر کرتے ہیں تو اس وقت بندے کا باطن یا تو مسرور ہوتا ہے یا نفس مغلوب یا باطن مغلوب ہوتا ہے اور نفس مسرور۔ ایک سے دل کے قبض میں اس کے نفس کی کشادگی ہوتی ہے اور دوسرے سے باطن کی کشادگی میں اس کے نفس کا قبض ہوتا ہے۔ جو اس کے سوا اور کچھ بیان کرتا ہے اور وہ اپنے وقت کو ضائع کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دلوں کا قبض نفسوں کی کشادگی میں ہے، اور دلوں کی کشادگی نفسوں کے قبض میں ہے۔ لہٰذا قبض شدہ نفس خلل سے محفوظ ہے اور بسط شدہ باطن زوال سے مضبوط ہے، اس لیے کہ محبت میں غیرت بری ہے اور قبض غیرت الٰہی کی علامت ہے۔ محب کو محبت کے ساتھ ساتھ عتاب کرنا شرط ہے اور بسط معاتبت کی علامت، احادیث میں ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام قبض کو قبول کرنے کی وجہ سے تازندگی روتے رہے، جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بسط کو قبول کیے ہوئے تھے چنانچہ وہ ہنستے رہتے تھے۔

(کشف المحجوب از سید علی ہجویری)

انس و ہیبت

ہیبت و انس راہ خدا میں چلنے والوں کے احوال میں سے دو حالتوں کا نام ہے چنانچہ جب حق تعالیٰ بندے کے دل پر مشاہدۂ جلال سے تجلی فرماتا ہے تو اس وقت اس کے دل پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے پھر جب حق تعالیٰ مشاہدۂ جمال سے تجلی فرماتا ہے تو اس وقت اس کے دل پر محبت و انس کا غلبہ ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اہل محبت اس کے جلال سے حیرت زدہ اور متعجب ہو جاتے ہیں اور اہل انس و محبت اس کے جمال سے

Marfat.com

خوشی میں مگن ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا جو دل جلالِ الٰہی کی محبت کی آگ میں جلتے ہیں اور وہ دل جو اس کے جمال کے نور کے مشاہدہ میں تاباں ہیں ان کے درمیان فرق نہیں ہے۔

مشائخ کرام کی ایک جماعت فرماتی ہے کہ ہیبت عارفوں کا درجہ ہے اور انس مریدوں کا درجہ ہے اس لیے کہ بارگاہ قدس کی تنزیہہ اور اس کے قدیم اوصاف میں جتنا کمال حاصل کرے گا اتنی ہی اس کے دل پر اس کی ہیبت کرے گی اور انس سے اس کی طبیعت زیادہ دور ہوگی۔

پھر ہیبت عظمت کے مشاہدہ کی قبیل سے ہے اور عظمت حق تعالیٰ کی صفت ہے لہٰذا جس بندہ کا نام اپنے فعل کے ساتھ ہو اور جس بندہ کا کام اپنے فعل کو فنا کر کے بقائے حق تعالیٰ کے ساتھ ہو اس کے انس کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں عرصہ تک اس گمان میں رہا کہ میں محبت میں خوش رہتا اور مشاہدہ الٰہی سے انس پکڑتا ہوں اب میں نے جانا ہے کہ انس اپنے ہی ہم جنس سے ہو سکتا ہے۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہیبت کا غلبہ نفس اور اس کی خواہش کے ساتھ ہوتا ہے اور اس ہیبت کے ذریعہ اپنے اوصاف بشریت کو فنا کرنے، باطن میں انس کو غالب کرنے اور باطن میں معرفت کی پرورش کرنے کی مدد ملتی ہے اور حق تعالیٰ کی تجلی جلال سے دوستوں کا نفس فنا ہو جاتا ہے لہٰذا جو اہل فنا ہیں وہ ہیبت کو مقدم کہتے ہیں اور جو ارباب بقاء ہیں وہ اس کو فضیلت دیتے ہیں۔

قہر و لطف

بقول سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ: قہر و لطف یہ ایسے دو لفظ ہیں جن سے مشائخ طریقت اپنے حالات کی تعبیر کرتے ہیں، قہر سے ان کی مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تائید سے اپنی مرادوں کو فنا کریں اور اس کی خواہشوں سے نفس کو محفوظ رکھیں بغیر اس کے کہ اس میں ان کا کوئی مطلب ہو اور لطف سے ان کی مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تائید سے باطن کو باقی رکھیں اور ہمیشہ مشاہدہ میں مشغول رہیں اور حال درجہ استقامت میں انتہا تک برقرار رہے۔

ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ کرامت و اعزاز یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے وہ مراد حاصل کرے۔ یہ اہل لطف ہیں، اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ کرامت یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندہ کو اپنی اور اس کی مراد دونوں سے بچائے رکھے اور اس بے مرادی کے ساتھ مغلوب و مقہور کرے مثلاً اگر دریا میں جائے تو پیاس کی حالت میں دریا خشک ہو جائے۔

بیان کرتے ہیں کہ بغداد میں صاحب مرتبہ فقراء میں سے دو درویش تھے۔ ایک صاحب قہر و غلبہ تھے، دوسرے صاحب لطف و کرم۔ ہمیشہ ان کی ایک دوسرے سے نوک جھونک رہتی اور ہر ایک اپنے حالات

Marfat.com

کو بہتر بتاتا تھا۔ ایک کہتا کہ حق تعالیٰ کا لطف بندہ پر بہت بزرگ شے ہے کیونکہ اس کا ارشاد ہے اللہ لطیف بعبادہ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اور دوسرا کہتا کہ حق تعالیٰ کا قہر وغلبہ بندہ پر بہت زیادہ مکمل شے ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے وھو القاہر فوق عبادہ وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں لکھتے ہیں۔

میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک سال جنگل میں اولیا اللہ کا اجتماع ہوا۔ میرے مرشد حضرت حضری رحمۃ اللہ علیہ مجھے وہاں لے گئے۔ میں نے وہاں ایک گروہ دیکھا جو تخت کے نیچے آ رہا تھا اور ایک گروہ تخت پر بیٹھا ہوا آ رہا تھا اور کوئی اڑتا آ رہا تھا اور کوئی کسی طریق سے۔ میرے مرشد نے کسی کی طرف التفات نہ فرمایا یہاں تک کہ ایک جوان کو میں نے دیکھا جس کی جوتیاں پھٹی ہوئیں، عصا ٹوٹا ہوا، بدن جھلسا ہوا، جسم کمزور لاغر تھا جب وہ ظاہر ہوا تو حضرت حضری رحمۃ اللہ علیہ دوڑ کر اس کے پاس پہنچے اور اسے بلند جگہ پر بٹھایا، فرماتے ہیں کہ میں حیرت زدہ ہوا۔ اس کے بعد میں نے شیخ سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا یہ بندہ ایسا ولی ہے کہ وہ ولایت کا تابع نہیں بلکہ ولایت اس کے تابع ہے اور کرامتوں کی طرف توجہ نہیں کرتا۔

غرض کہ جو کچھ ہم از خود تیار کریں وہ پیدا ہوتی ہے اور میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا۔

علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین

جاننا چاہیے کہ باعتبار اصول یہ تینوں کلمے علم سے متعلق ہیں جو اپنے جاننے کے ساتھ ہے اور اپنے جاننے کے بیان کی صحت پر غیر یقینی علم، علم نہیں ہوتا، اور جب علم حاصل ہو جاتا ہے تو اس سے غیب وخفا دور ہو کر مشاہدہ عینی کے مانند بن جاتا ہے اس لیے کہ کل قیامت میں ہر مسلمان جب دیدار باری تعالیٰ سے مشرف ہوگا تو وہ بھی اسی صفت پر دیکھے گا جس صفت میں آج جانتا ہے۔ اگر وہ دید اس کے برخلاف ہو تو کل کی رویت یا تو صحیح نہ ہوگی یا اس کا علم درست نہیں ہوگا۔ حالانکہ یہ دونوں صورتیں توحید کے خلاف ہیں۔ اس لیے کہ آج مخلوق کو جو اس کا علم ہے وہ اسی طرف سے درست ہے۔ کل اس کی رویت بھی اسی کی طرف سے درست ہوگی۔ لہٰذا علم الیقین، عین الیقین کی مانند اور حق الیقین، علم الیقین کی مانند ہوگا۔ وہ حضرات جو عین الیقین کے بارے میں کہتے ہیں کہ رویت میں علم کا استغراق ہوتا ہے۔ یہ خالی ہے اس لیے کہ رویت حصول علم کے لیے ایک ذریعہ اور آلہ ہے جیسے کہ سننا جب کہ علم کا استغراق سننے میں محال ہے تو رویت بھی محال ہے۔

لہٰذا اہل طریقت کے نزدیک علم الیقین سے مراد دنیاوی معاملات میں احکام و امر کا جاننا ہے اور عین الیقین سے مراد جانکنی اور دنیا سے کوچ کرنے کے وقت کا علم ہے اور حق الیقین سے مراد جنت میں رویت کا کشف اور اس کی احوال کے کیفیت ہے۔ لہٰذا علم الیقین علماء کا درجہ ہے کہ وہ احکام و اوامر پر استقامت رکھتے ہیں اور عین الیقین عارفوں کا مقام ہے کہ وہ موت کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں، اور حق الیقین محبوبان خدا کی فنا کا

Marfat.com

مقام ہے کہ وہ تمام موجودات سے منہ موڑ جاتے ہیں۔ لہٰذا علم الیقین مجاہدے سے ہوتا ہے اور عین الیقین انس و محبت سے ہوتا ہے اور حق الیقین مشاہدے سے ہوتا ہے، اور یہ کہ ایک عام ہے دوسرا خاص ہے تیسرا خاص الخاص ہے۔ واللہ اعلم کشف المحجوب صفحہ 499

نفی اور اثبات

مشائخ طریقت رحمہم اللہ نے تائید حق کے ساتھ صفت بشریت کے محو کرنے کو نفی و اثبات کے نام سے موسوم کیا ہے اور صفت بشریت کی نفی کو نفی سے اور غلبہ حقیقت کے اثبات کو اثبات کہا ہے اس لیے کہ محو کل کے مٹ جانے کو کہتے ہیں اور کل کی نفی بجز صفات کے ذات پر ممکن نہیں۔ کیونکہ بشریت کی بقاء کی حالت میں ذات سے کل کی نفی کی کوئی صورت ہو ہی نہیں سکتی۔ لہٰذا لازم ہے کہ مذموم صفات کی نفی خصائل محمودہ کے اثبات کے ساتھ کی جائے۔ یعنی اثبات معنی کے لیے حق تعالیٰ کے ساتھ محبت میں دعویٰ کی نفی سے ہو، کیونکہ دعویٰ کرنا نفس کے غور کی قسم سے ہے جو انسان کی عام عادت ہے۔ جب غلبہ حقیقت میں اوصاف مغلوب و مقہورہ جاتے ہیں اس وقت کہا جاتا ہے کہ صفات بشریت کی نفی حق تعالیٰ کی بقا کے اثبات کے ساتھ ہو گی۔

مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ اس نفی سے مراد حق تعالیٰ کے اختیار کے اثبات میں بندے کے اختیار کی نفی ہے۔ اسی بنا پر اس کے موافق ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ اختیار الحق لعبدہ مع علمه لعبدہ خیر من اختیار عبدہ لنفسه مع جهله بربه یعنی حق تعالیٰ کے اختیار اپنے بندے کے لیے بندے پر اپنے علم کے ساتھ بہتر ہے اس سے جو بندے کے نفس کو اپنے نفس کے لیے خدا سے غافل رہ کر اختیار پایا جائے۔ اس لیے کہ محبت میں محب کے اختیار کی نفی محبوب کے اختیار کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے۔

مشائخ فرماتے ہیں کہ محبت میں کم سے کم درجہ اپنے اختیار کی نفی ہے لہٰذا حق تعالیٰ کا اختیار ازلی ہے اس کی نفی ممکن نہیں اور بندہ کا اختیار برقرار و باقی ہے جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر مسرور ہوئے تو اپنے اختیار کو برقرار رکھتے ہوئے حق تعالیٰ کے دیدار کی تمنا کا اظہار کیا اور خدا سے عرض کیا رب ارنی اے رب مجھے اپنا جلوہ دکھا، حق تعالیٰ نے فرمایا لن ترانی تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے، موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے خدا دیدار تو حق ہے اور میں اس کا مستحق بھی ہوں پھر کیوں منع فرماتا ہے؟ ارشاد باری ہوا کہ دیدار تو حق ہے لیکن محبت میں اپنا اختیار باقی رکھنا باطل ہے۔

مسامرہ اور محادثہ

مسامرہ اور محادثہ دونوں الفاظ کا میلان طریقت کے احوال کی دو حالتیں ہیں اور محادثہ کی حقیقت باطنی کیفیت ہے جہاں زبان کو خاموش رکھنا اور مسامرہ کی حقیقت باطنی کیفیت کے چھپانے کے ساتھ ہمیشہ

Marfat.com

خوش رہنا ہے۔ ان کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ مسامرہ وہ ایک وقت ہے جب کہ بندہ رات میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہو اور محادثہ وہ وقت ہے جو دن میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہو۔ دن کے وقت بندہ حق تعالیٰ سے ظاہری و باطنی سوال و جواب کرتا ہے۔ اسی بناء پر رات کی مناجات کو مسامرہ کہتے ہیں اور دن کی دعاؤں کو محادثہ، لہٰذا دن کا حال کشف پر مبنی ہوتا ہے اور رات کا حال خفا پر اور محبت میں مسامرہ محادثہ سے کامل تر ہوتا ہے اور مسامرہ کا تعلق نبی کریم ﷺ کے حال کے ساتھ ہے لہٰذا جب حق تعالیٰ نے چاہا کہ حضور کو ایک وقت اپنے قرب خاص سے نوازے تو حضرت جرائیل علیہ السلام کو براق دے کر آپ کے پاس بھیجا تاکہ وہ رات میں مکہ سے قاب قوسین تک لے جائے اور حق تعالیٰ سے ہمراز ہوں، آپ نے خدا سے باتیں سنیں اور جب انتہا تک رسائی ہوئی تو آپ ﷺ کی زبان مبارک ظہور جلال باری میں سرخ ہوگئی اور آپ کا دل عظمت کی کنہہ میں متحیر ہوگیا اور آپ کا علم ادراک سے رہ گیا اور آپ کی زبان مبارک عبارت سے عاجز ہوگئی تب کہا لا احصی ثناء علیك (تیری حمد و ثنا شمار کرنے سے عاجز ہوں)

اور محادثہ کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال سے ہے کہ جب چاہا ان کا حق تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت ہو تو چالیس دن وعدہ انتظار کے بعد دن میں کوہ طور پر آئے اور خدا کا کلام سنا تو مسرور ہوگئے، دیدار کی خواہش کی مراد سے رہ گئے اور ہوش جاتے رہے۔ جب ہوش آیا تو عرض کرنے لگے تبت الیک تیری طرف رجوع کرتا ہوں، تاکہ فرق ظاہر ہو جائے کہ ایک وہ ہے جو آتا ہے، اور ایک وہ ہے جو لے جایا گیا ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات بندے کو لے گیا۔ یہ وہ بندہ ہے جو لے جایا گیا اور وہ بندہ جو خود آتا ہے اس کے متعلق ارشاد ہے وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا (جب موسیٰ ہماری مقررہ جگہوں میں آئے)۔

لہٰذا رات دوستوں کی خلوت کا وقت ہے اور دن بندوں کی خدمت کرنے کا وقت۔ لامحالہ جب بندہ محدود حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو اسے تنبیہ کی جاتی ہے پھر دوست و محبوب کی کوئی حد نہیں ہوتی جس سے تجاوز ممکن ہو اور مستحق ملامت بنے۔ محبوب جو بھی کچھ کرے محب کا پسندیدہ ہوتا ہے۔

شریعت و حقیقت

شریعت و حقیقت مشائخ کرام کے دو اصلاحی لفظ ہیں جن میں سے ایک ظاہر حال کی صحت کو واضح کرتا ہے اور دوسرا باطن کے حال کی اقامت کو بیان کرتا ہے۔ ان کی تعریف میں دو گروہ غلطی میں مبتلا ہیں۔ ایک علماء ظاہر ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم فرق نہیں کرتے کیونکہ شریعت خود حقیقت ہے اور حقیقت خود شریعت ہے۔ دوسرا گروہ ملحدوں کا ہے جو کہ ہر ایک کا قیام ایک دوسرے کے بغیر جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب حال حقیقت بن جائے تو شریعت اٹھ جاتی ہے۔ یہ نظریہ مشبہ، قرامطہ، مشیع اور موسان کا ہے اور اس

Marfat.com

بات کی دلیل، کہ حکم میں شریعت، حقیقت سے جدا ہے، یہ دیتے ہیں کہ تصدیق بغیر اقرار کے ایمان دار نہیں بناتی اور نہ اقرار بغیر تصدیق کے اسے مومن بناتا ہے اور قول وتصدیق کے درمیان فرق ظاہر ہے۔

لہٰذا حقیقت اس معنی کی عبارت ہے جس پر نسخ جائز ہے، اور حضرت آدم علیہ السلام سے فنائے عالم تک اس کا حکم برابر و یکساں ہے مثلاً معرفت حق اور خلوص نیت کے ساتھ اپنے معاملہ کی صحت وغیرہ اور شریعت اس معنی کی عبارت ہے جس پر نسخ وتبدیل جائز ہے۔ مثلاً احکام و اوامر وغیرہ لہٰذا شریعت بندہ کا فعل ہے اور حقیقت حق تعالیٰ کی حفاظت اور عصمت وتنزیہہ ہے۔ معلوم ہوا کہ شریعت کی اقامت حقیقت کے وجود کے بغیر محال ہے اور حقیقت کی اقامت شریعت کی حفاظت کے بغیر بھی محال ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی مانند ہے جو روح کے ساتھ زندہ ہو جب روح اس سے جدا ہو جاتی ہے تو وہ شخص مردہ ہو جاتا ہے اور روح جب تک اس کے ساتھ ہے تو اس کی قدر وقیمت ایک دوسرے کے ساتھ ملے رہنے تک ہے۔ اسی طرح شریعت بغیر حقیقت کے ریا ہوتی ہے اور حقیقت بغیر شریعت کے نفاق۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی یقیناً ہم نے ان کو اپنا راستہ دکھایا) مجاہدہ شریعت ہے اور ہدایت اس کی حقیقت۔ ایک تو بندہ کے اپنے اوپر ظاہر احکام کی حفاظت ہے اور دوسرا حق تعالیٰ کی حفاظت بندہ کے باطنی احوال پر ہے۔ لہٰذا شریعت کسب کے قبیل سے ہے اور حقیقت عطایائے ربانی کے زمرہ سے۔

علم اور معرفت

علمائے اصول، علم ومعرفت کے درمیان فرق نہیں کرتے اور دونوں کو ایک ہی کہتے ہیں لیکن صرف اتنا فرق ہے کہ حق تعالیٰ کو عالم تو کہہ سکتے ہیں مگر عارف نہ کہنا چاہیے، عدم توفیق کی بنا پر لیکن مشائخ طریقت ایسے علم کو جو معاملہ اور حال سے متعلق ہو اور اس کا عالم اپنے حال کو اس سے تعبیر کرے، معرفت کہتے ہیں اور اس کے جاننے والے کو عارف کہتے ہیں اور جو علم ایسا ہو جس کے صرف معنی ہی ہوں اور وہ معاملہ سے خالی ہو اس کا نام علم رکھتے ہیں اور اس کے جاننے والے کو عالم کہتے ہیں۔ لہٰذا وہ شخص جو صرف عبادت جانتا ہو اور اس کی معنوی حقیقت سے نا آشنا ہے، اس کا نام عالم ہے۔ یہ طبقہ جب ان معنوں کو اپنے ہم زمانہ لوگوں پر بیان کرتا ہے تو ان کا استخفاف کرتا ہے۔ ان کو دانش مند بتاتا ہے اور عوام کو منکر۔ ان کی مراد ان کے حصول کی بنا پر مذمت کرنا نہیں ہے بلکہ ان کی مراد معاملہ کو ترک کرنے کی برائی ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ لان العالم قائم بنفسه والعارف قائم بربه اس لیے کہ عالم اپنی ذات سے قائم ہوتا ہے اور عارف اپنے رب سے قائم ہوتا ہے۔

Marfat.com

الخاطر

اہل طریقت لفظ ''خاطر'' سے وہ معنی مراد لیتے ہیں جو دل میں حاصل ہوں اور جلد ہی دل سے دوسرا خطرہ دل میں آنے پر دور ہو جائیں اور ''صاحب خاطر'' اس کو دل سے دور کرنے پر قدرت رکھے۔ اہل خاطر پہلے خاطر کے پیروکار ہوتے ہیں اپنے تمام امور میں کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی جانب سے بندے پر بغیر علت کے ظاہر ہوتا ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ حضرت خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں یہ خطرہ ظاہر ہوا کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ دروازہ پر کھڑے ہیں۔ انہوں نے چاہا کہ اس خطرے کو دل سے دور کریں تو ایک اور خطرہ دل میں نمودار ہو گیا وہ اس کے دفع کرنے میں مشغول ہوئے تو تیسرا خطرہ دل میں پیدا ہو گیا۔ انہوں نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ دروازہ پر کھڑے ہوئے فرما رہے ہیں، اے خیر النساج، اگر تم اپنے پہلے ہی خطرے کے پیروکار ہو جاتے اور مشائخ کی سیرت پر عمل کرتے تو مجھے اتنی دیر دروازہ پر کھڑا رہنا نہ پڑتا۔ مشائخ فرماتے ہیں کہ وہ خطرہ جو حضرت خیر النساج کو اول سے نمودار ہوا۔ اس میں حضرت جنیدؒ کیوں نظر آئے؟ جواب میں فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت جنیدؒ حضرت خیر النساجؒ کے مرشد تھے، لامحالہ مرشد اپنے مرید کے تمام احوال سے باخبر ہوتا ہے۔

الواقع

اس کے معنی یہ ہیں کہ برخلاف دل میں ایسے معنی ظاہر ہوں جو باقی رہ جائیں اور طالب کسی حال میں کسی ذریعہ سے اسے دور کرنے پر قدرت نہ رکھے چنانچہ فرماتے ہیں خطر علی قلبی ووقع فی قلبی یعنی خطر تو میرے دل پر ہے اور وقع میرے دل میں۔ لہٰذا ہر دل خطر کی جگہ ہے لیکن واقع اسی دل میں ہوتا ہے جس میں حق تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے کلام کی گنجائش نہ ہو۔ اسی بناء پر جب مرید کو حق تعالیٰ کی راہ میں کوئی خیال پیدا ہوتا ہے تو اسے قید کہتے ہیں اور کہا جاتا ہے فلاں پر واقعہ پیش آیا، اور اہل زبان واقعہ سے مسائل میں مشکل بات مراد لیتے ہیں اور جب کوئی اس کا جواب دے دیتا ہے اور اس کال کو اٹھا دیتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ واقعہ حل ہو گیا۔ لیکن اہل تحقیق فرماتے ہیں کہ واقعہ وہ ہوتا ہے جس پر حل جائز نہ ہو اور جو حل ہو جائے وہ خطر ہوتا ہے واقعہ نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ اہل تحقیق کی قید کسی حقیر چیز میں نہیں ہوتی جس کا حکم ہر لحظہ بدلتا رہے اور ایک حال سے دوسرے حال پر ہو جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الاختیار

اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ اپنے اختیار کے مقابلہ میں حق تعالیٰ کے اختیار کو اختیار کریں۔ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کے لیے جو کچھ اختیار فرمایا ہے خواہ وہ شر ہو یا خیر، وہ اس پر راضی رہے اور بندہ کا حق تعالیٰ کو اختیار کرنا بھی حق تعالیٰ ہی کے اختیار سے ہو کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو حق تعالیٰ اسے بے اختیار کرے۔

Marfat.com

ہر گز اپنے اختیار میں نہ لیتا۔

الامتحان

اس لفظ سے اولیا کے دل کا امتحان مراد لیتے ہیں جو ان کے دل پر قسم قسم کی بلائیں حق تعالیٰ کی جانب سے پہنچتی ہیں۔ مثلاً خوف، غم، قبض اور ہیبت وغیرہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے دلوں کا امتحان کیا ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

یہ بلند بہت بلند درجہ ہے واللہ اعلم۔

البلاء

اس سے دوستوں کے جسموں کا بلاؤں کے ساتھ امتحان لینا مراد لیتے ہیں اور وہ طرح طرح کی مشقتوں، بیماریوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جس قدر بندہ پر سختی کے ساتھ بلائیں ظاہر ہوتی ہیں اتنی ہی قربت میں ان کا مرتبہ بڑھتا ہے۔ اولیا کے لیے بلائیں حق تعالیٰ کی جانب سے بلائیں ہوتا ہے اور اصفیا کا گہوارہ اور انبیا علیہم السلام کی غذا کو تم نے نہیں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ نحن معاشر الانبیاء اشد الناس بلاء ''یعنی ہم نبیوں کی جماعت پر لوگوں سے سخت تر بلا ہوتی ہے'' نیز فرمایا اشد الناس بلاء الانبیاء ثم اولیا الامثل فالامثل نزول بلاء کے لحاظ سے سب سے زیادہ شدید بلا انبیا پر ہوتی ہے، اس کے بعد اولیا پر، اس کے بعد جو ان کے قریب قریب ہوں۔

غرضیکہ بلا رنج و تکلیف کا نام ہے جو بندۂ مومن کے دل اور جسم پر نازل ہوتی ہیں۔ درحقیقت وہ نعمت ہوتی ہے کیونکہ اس کا باطنی حکم بندہ پر پوشیدہ ہوتا ہے اور اس بلاء کے برداشت کی بنا پر اسے ثواب ملتا ہے۔ پھر وہ کافروں پر ہوتا ہے۔ وہ بلا نہیں ہے بلکہ شقاوت و بدبختی ہے۔ وہ کسی حال میں بھی شقاوت سے نجات نہیں پا سکتے۔ لہٰذا بلا کا مرتبہ امتحان سے بہت بلند ہے کیونکہ امتحان کا اثر جسم پر ہوتا ہے اور اس کا اثر دل اور جسم دونوں پر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

التحلی

یہ ہے کسی قابل تعریف پسندیدہ جماعت کے قول و فعل کی مشابہت کرنا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے لیس الایمان بالتحلی و التمنی لکن ما وقر فی القلوب و صدق العمل تحلی اور تمنی کا نام ایمان نہیں ہے بلکہ جو دلوں میں جمے اور عمل سے تصدیق کرے اس کا نام ایمان ہے۔ لہٰذا بغیر حقیقت کے کسی گروہ کا ظاہر اعمال کو بجالانا اسی کا نام تحلی ہے۔ جو لوگ صرف نمائش کرتے ہیں اور ان میں حقیقت نہیں ہوتی ہے وہ بہت جلد ذلیل و رسوا ہو جاتے ہیں اور ان کا بھید کھل جاتا ہے۔

Marfat.com

التجلی

یہ ہے کہ مقبولانِ بارگاہِ حق کی توجہ کے وقت ان کے دل میں حق تعالیٰ کے انوار کا ظہور ہو اور وہ اس سے منور ہو جائیں کیونکہ وہ دل کی آنکھ سے حق تعالیٰ کا دیدار کرتے ہیں اور دل کی آنکھ سے دیکھنے اور سر کی آنکھ سے دیکھنے کا کھلا فرق یہ ہے کہ صاحب تجلی اگر چاہے تو دیدار کرے اور اگر نہ چاہے تو نہ دیکھے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ نہ دیکھے۔ اس لیے تجلی پر پردہ جائز ہوتا ہے اور رویت پر حجاب جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

التخلی

یہ ہے کہ بندہ ایسے اشغال سے بچے جو خدا تعالیٰ سے اسے روکے رکھیں۔ ایک دنیا ہے جس سے ہاتھ خالی رکھے، دوسری عاقبت ہے کہ اس سے اپنے دل کو اس کے ارادہ سے خالی رکھے، تیسرے نفسانی خواہش ہے کہ اپنے باطن کو اس کی پیروی سے خالی رکھے، چوتھے لوگوں کی صحبت ہے کہ اپنے آپ کو اس سے خالی رکھے اور اپنے دل میں ان کا اندیشہ نہ لائے۔

الشرود

یہ ہے کہ طاقت آفات وحجابات سے خلاصی کے ساتھ حق تعالیٰ کی جستجو وطلب اور اس میں بے قرار ہونا کیونکہ طالب کے لیے سب سے بڑی بلا حجاب ہے لہٰذا طلباء کی جماعت حجاب کو کھولنے، اس کا سفر اختیار کرنے اور ہر چیز سے اسی کی طرف جانے میں مشغول ہوتی ہے۔ اسی کا نام شرود ہے کیونکہ شروع میں وہ جستجو وطلب میں بے قرار اور بے چین ہوتے ہیں اور آخر میں وصل سے بہت زیادہ متمکن و اقامت گزیں ہو جاتے ہیں۔

القصود

اس سے مراد حقیقت مقصود کی طلب میں عزم و ارادہ کی درستگی وصحت ہے۔ اس طبقہ کا قصد حرکت و سکون سے وابستہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ محب، محبت میں اگرچہ ساکن ہو مگر وہ قاصد ہوتا ہے اور یہ عادت کے خلاف ہے اس لیے کہ قاصدوں کا قصد کوئی نشان بناتا ہے یا اپنے باطن میں کوئی علامت رکھتا ہے لیکن محبوبانِ خدا بغیر علت کے طلب کرتے اور بغیر اپنی حرکات کے قاصد ہوتے ہیں اور ان کی تمام صفتیں خود قصد کرتی ہیں کہ قصد انتہا کو پہنچے۔ جب دوستی و محبت ہو جاتی ہے تو سراپا قصد بن جاتے ہیں۔

الاصطناع

اس سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندے کو، اس کے تمام نصیبوں کو فنا کر کے اور اس کی تمام نفسانی لذتوں اور اس کی صفتوں کو زائل کر کے ایسا مہذب بنائے کہ اس میں سب کچھ تبدیل ہو جائے یہاں تک کہ

Marfat.com

صفتیں زائل ہو جائیں، نفسانی اوصاف بدل جائیں اور خود سے بے خود ہو جائے۔ یہ درجہ انبیا علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے، اس میں اولیا شامل نہیں۔ اگرچہ بعض مشائخ رحمہم اللہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اولیا کے لیے بھی اس معنی کو جائز رکھتے ہیں۔

الاصطفا

اس سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندے کے دل کو اپنی معرفت کے لیے فارغ کر دے یہاں تک کہ اپنی معرفت کی پاکیزگی اس کے دل نشین کر دے۔ اس درجہ میں خاص اور عام مومن سب برابر ہیں خواہ گنہگار ہو یا فرمانبردار۔ ولی ہو یا نبی، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ پھر ہم نے کتاب کا انہیں وارث بنایا جن کو ہم نے بندوں میں سے برگزیدہ کیا لہٰذا کچھ ان میں سے اعتدال پسند ہیں اور کچھ ان میں سے نیکیوں پر سبقت لے جانے والے ہیں۔

الاصطلام

اس سے مراد حق تعالیٰ کی تجلیات ہیں جس سے بندہ مکمل طور پر اپنے ارادہ کی نفی کے طفیل امتحان میں اپنے آپ کو مغلوب و مقہور بنا لے۔ امتحان والے کا دل اور اصطلام والے کا دل دونوں ایک ہی معنی ہیں بجز اس کے کہ اصطلام امتحان کے مقابلہ میں زیادہ لطیف اور خاص ہے اہل طریقت کے کلام و عبارات میں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الرین

اس سے مراد دل کا وہ حجاب ہے جو ایمان ہی کے ساتھ کھلتا ہے۔ وہ حجاب کفر و ضلالت کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کفار کے دلوں کی صفت بیان فرمائی کہ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر رین یعنی حجاب ہے جس سے وہ کفر کماتے ہیں۔

مشائخ کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ رین ایسا حجاب ہے جسے اپنے سے کسی طور پر دور کرنا ممکن نہیں ہوتا اسی بنا پر کافروں کا دل اسلام قبول کرنے والا نہیں ہوتا اور جو لوگ اسلام لے آتے ہیں وہ علم جس سے وہ کفر کماتے ہیں۔

مشائخ کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ رین ایسا حجاب ہے جسے اپنے سے کسی طور پر دور کرنا ممکن نہیں ہوتا، اسی بنا پر کافروں کا دل اسلام قبول کرنے والا نہیں ہوتا اور جو لوگ اسلام لے آتے ہیں وہ علم الٰہی میں مومن ہوتے ہیں۔

Marfat.com

الغین

اس سے مراد دل کا وہ حجاب ہے جو استغفار سے اٹھ جاتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خفیف دوسرا غلیظ، غلیظ حجاب اہل غفلت اور مرتکب کبیر کے لیے ہے اور خفیف حجاب سب کے لیے ہے وہ نبی ہو یا ولی۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ انہ لیغان علی قلبی و انی الاستغفر اللہ فی کل یوم مائہ مرہ بلاشبہ کسی وقت میرے دل پر خفیف ابر ہوتا ہے اس وقت میں روزانہ سو مرتبہ خدا سے استغفار کرتا ہوں۔

لہٰذا حجاب غلیظ کے لیے مکمل توبہ شرط ہے اور حجاب خفیف کے لیے حق تعالیٰ سے صادق رجوع درکار ہے۔ توبہ آئندہ معصیت نہ کرنے کا عہد کرنے کے بعد طاعت میں مشغول رہنے کا نام ہے اور رجوع از خود خدا کی طرف متوجہ ہونے کا نام ہے۔ لہٰذا توبہ جرم سے کی جاتی ہے اور بندوں کا جرم امر الٰہی کی مخالفت کرنے میں ہے اور محبوبوں کا جرم ارادۂ الٰہی کی مخالفت میں ہے۔ اسی لئے بندوں کا جرم معصیت ہے اور محبوبوں کا جرم اپنے آپ کو دیکھنا ہے۔ جو خطا سے درستگی کی طرف لوٹے اس کا نام تائب ہے اور جو درستگی سے مزید درستگی کی طرف متوجہ ہو اس کا نام راجع ہے۔

التلبیس

حقیقت کے خلاف کسی چیز کو ظاہر کرنا لوگوں کے دکھانے کے لیے، اسے تلبیس کہا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولبسنا علیھم ما یلبسون یقیناً ہم نے ان کو پہنایا جو وہ پہنتے ہیں۔

غیر خدا کے لیے یہ صفت محال ہے اس لیے کہ کافر کو نعمت من دکھاتا ہے اور مومن کو نعمت سے کافر دکھاتا ہے تاکہ اظہار کے وقت اس کا حکم ہو اور اس کی حقیقت ہر ایک میں آجائے اور جب صوفیوں میں سے کوئی نیک خصلتوں کو بری صفتوں سے چھپاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تلبیس کرتا ہے اس کے سوا اور کوئی ان کی مراد نہیں ہوتی اور نفاق و ریا کو وہ تلبیس نہیں کہتے اگرچہ اصل میں تلبیس ہی ہے اس لئے کہ تلبیس اقامت میں افضل حق کے سوا مستعمل نہیں ہے۔

الشرب

اس سے مراد طاعت کی حلاوت، کرامت کی لذت اور الفت کی راحت ہے۔ کوئی شخص بغیر لذت کے صاحب شرب نہیں ہوسکتا۔ جیسے جسم کا شرب پانی ہے ایسے ہی دل کا شرب، طاعت کی راحت و حلاوت ہے۔ میرے شیخ فرماتے ہیں کہ ارادہ و معرفت میں بے مشرب مرید اور بے مشرب عارف بیگانہ ہیں اس لیے کہ مرید پر لازم ہے کہ اپنے افعال سے صاحب شرب بنے تاکہ حق تعالیٰ ارادہ کی طلب کو پورا فرمائے۔ لیکن عارف کو نہیں چاہیے کہ حق تعالیٰ کے غیر سے صاحب مشرب بنے یا یہ کہ اپنے نفس کا صاحب شرب بنے اور وہ نفس کی طرف لوٹے وہ غیر خدا سے راحت نہ پائے۔

Marfat.com

الذوق

ذوق شرب کی مانند ہے لیکن شرب راحتوں کے سوا غیر میں مستعمل نہیں ہے اور ذوق رنج و راحت کے لیے خوب مستعمل ہے جیسا کہ کسی نے کہا ذقت الجلا وہ ذقت البلاء و ذقت الراحۃ حلاوت بھی چکھی، بلا کو بھی چکھا اور راحت کو بھی چکھا۔"

اور شرب کے بارے میں کسی نے کہا شربت بکاس الوصل او بکاس الودو میں نے وصل کا پیالہ یا محبت کا جام پیا۔"

اور اس لیے کہ حق تعالیٰ نے جب شرب کی بات یاد دلائی تو فرمایا کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًا "یعنی کھاؤ اور خوب سیر ہو کر پیو۔" اور جب ذوق کو یاد فرمایا تو فرمایا ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اب چکھو تم تو عزت والے اور حکمت والے بنتے تھے۔

دوسری جگہ فرمایا ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ "اب جہنم کو چھونے کا مزہ چکھو۔"

نوع آخری

یہ آخری نوع ان عبارات کی تعریف میں ہے جو مشائخ کرام کے کلام میں بطور استعارہ مستعمل ہیں جن کی تفصیل و شرح اور ان کا حکم زیادہ دشوار ہے۔ اس نوع میں اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔

الحق اس سے ان کی مراد رب العزت کی ذات پاک ہے اس لئے اسما میں ہے حق بھی اس کا ایک نام ہے جیسا کہ فرمایا: ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ (وہ یقینا اللہ وہی حق ہے) الحقیقہ اس سے مراد وصل الٰہی کے محل میں بندے کی اقامت ہے اور محل تنزیہہ پر بندے کے باطن کا ٹھہرنا ہے۔ الخطوات اس سے مراد وہ تفریق کے احکام ہیں جو دل پر گزرتے ہیں۔ الوطنات وہ ہیں جو معانی الٰہی متوطن کے باطن میں وارد ہوں۔ الطمس یعنی عین کی عین ایسی نفی کہ اس کا اثر بھی نہ رہے۔ الرمس یعنی اس کی ایسی نفی کہ دل سے اس کا اثر بھی زائل ہو جائے۔ العلائق یعنی اسباب جن سے طالب تعلق رکھ کر مقصود و مراد کو پالے۔ الرواشد یعنی دل میں انوار کی زیادتی الغوائد یعنی اپنے ضروری اسرار کا ادراک کرنا۔ العلماء یعنی اپنی مراد کے حصول میں دل کا اعتماد کرنا۔ المنعاء یعنی آفت کے محل سے دل کا نجات پا جانا۔ الکلیہ یعنی پورے طور پر بشری اوصاف میں مشتغرق ہونا۔ اللوایح یعنی اثبات مراد اور اپنے واردات کی نفی۔ اللوامع یعنی دل کا نور اس کے فوائد کے باقی رہنے کے ساتھ الطوالح دل پر مغفرت کے انوار کا طلوع۔ الطوارق دل پر وہ واردات ہو جو رات کو مناجات میں تنبیہ یا بشارت کے طور پر ہوں۔ اللطائف دل کے ایسے اشارات جو حال کی تاریکیوں میں سے ہوں۔ المسرعبت کے مخفی حالات۔ النجوی غیر کی اطلاع سے وقت کی آفتوں کو چھپانا الاشاد مراد کی خبر غیر کو دینا بغیر زبان کی تعبیر کے الایماء یعنی بغیر الفاظ و اشارہ کے مخاطب

Marfat.com

کو سمجھنا۔ الورود دل میں معانی کا جم جانا۔ الانتباہ دل سے غفلت کو زائل کرنا الاشتباہ حق و باطل کے درمیان حالی کا مشکل ہو جانا۔ القرار حقیقت حال سے شک و تردد کا زائل کرنا۔ الانزعاج وحدانیت کی حالت میں دل کو حرکت دینا اختصار کے طور پر ان کے بعض الفاظ کے معنی یہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

نوع دیگر

ان الفاظ کی تعریف جو توحید باری تعالیٰ میں استعمال کرتے ہیں اور حقائق کی تعبیر کے وقت بغیر استعارہ کے اپنے اعتقاد کے بیان میں لاتے ہیں۔ ان میں سے پہلا لفظ ہے العالم۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق ہے۔ کہتے ہیں کہ اٹھارہ ہزار عالم ہیں اور پچاس ہزار عالم۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ صرف دو عالم ہیں، ایک نچلا عالم اور ایک بالائی عالم۔ اور علمائے اصول کہتے ہیں کہ عرش سے لے کر تحت ثریا تک جو کچھ ہے وہ ایک عالم ہے اور تمام عالم میں مختلف اقسام کا اجتماع ہے اور اہل طریقت بھی عالم ارواح اور عالم نفوس کہتے ہیں اور ان کی مراد وہ نہیں ہے جو فلاسفہ مراد لیتے ہیں بلکہ ان کی مراد ارواح اور نفوس کا اجتماع ہے۔ المحدث جس کا وجود بعد میں ہو یعنی پہلے نہ ہو بعد کو موجود ہو۔ القدیم جس کا وجود سابق اور دائمی ہو اور وہ ذات جس کی ہستی سب سے پہلے ہو یہ بجز حق تعالیٰ کے کوئی نہیں۔ الازل وہ ہے جس کی ابتداء نہ ہو۔ الابد وہ ہے جس کی انتہا نہ ہو۔ الذات کسی چیز کا وجود اور اس کی حقیقت الصفت جو موصوف بن سکے اس لیے کہ وہ از خود قائم نہیں ہے الاسم مسمے کا علم التسمیہ مسمے کی خبر۔

النفی جو منفی کے نہ ہونے کا تقاضا کرے، الاثبات جو مثبت کے وجود کا اقتضا کرے الشیئان وہ ہے کہ ایک کا وجود دوسرے کے ساتھ جائز ہو۔ الضدان ایک حال میں کسی ایک کا وجود دوسرے کے وجود کے ساتھ جائز نہ ہو۔ الغیران وہ ہے کہ ہر ایک کا وجود دوسرے کے بغیر جائز ہو۔ الجوہر کسی چیز کی اصل جو کہ خود بخود قائم ہو۔ العرض وہ چیز ہے جو جوہر کے ساتھ قائم ہو۔ الجسم جو مختلف اجزاء سے مرکب ہو السوال کسی حقیقت کا طلب کرنا۔ الجواب سوال کے مضمون کی خبر دینا۔ الحسن وہ کہ حکم کے موافق نہ ہو۔ القبیح وہ کہ حکم کے موافق ہو۔ السفہ حکم کو چھوڑنا۔ الظلم غیر محل میں کسی چیز کو رکھنا۔ العدل اس کے اپنے محل میں چیز کو رکھنا۔ الملک جو کچھ وہ کرے اس پر اعتراض نہ کیا جاسکے۔ یہ وہ حدود ہیں طالب کے لیے ان کے بغیر چارہ نہیں۔ اختصار کے طور پر بیان کر دیا گیا۔

روح کے مقامات

روح کی حقیقت "امر ربی" ہے قل الروح من امر ربی (قرآن) حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ الارواح جنود مجندہ فما تعارف منہا اتلف و تنا کر منہا حتلف یعنی روحیں صف بستہ اور پیوستہ لشکر ہیں۔ جو آپس میں شناسا ہیں وہ ملتے ہیں اور جو ناواقف ہیں، الگ اور مختلف رہتے ہیں۔ روح ایک

Marfat.com

عرض ہے لیکن ملحد اسے قدیم کہتے ہیں۔ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق و مشاہدہ کی رو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ تعالیٰ خلق الارواح قبل الاجساد بما الف عام یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے ارواح کو اجسام سے سو ہزار سال پہلے پیدا فرمایا۔ گویا روح مخلوق ہے جو بدن میں بمنزلہ حیات کے ہے اور قرآن میں ارشاد ہے۔ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط (سورۃ الملک:2)

گویا حیات اور موت دونوں مخلوق ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ تمہیں جانچا جائے کہ کون اچھے عمل انجام دیتا ہے۔

انسانی بدن اور روح

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ

الروح فی الجسد کالنار فی الحطب فالنار مخلوقه والفحم مصنوعه

"جسم میں روح مانند لکڑی کے ہے۔ لہٰذا آگ مخلوق اور کوئلہ مصنوع ہے۔ (ایک بزرگ کا قول)

اور قدیم ہونا سوائے ذات و صفات باری تعالیٰ کے کسی کے لئے جائز نہیں اور مشائخ میں سے حضرت ابوبکر واسطی نے ہی روح کے بارے میں زیادہ بحث فرمائی ہے۔ ان سے منقول ہے کہ فرمایا الارواح علی عشر مقامات (دس مقام پر روحیں قائم ہیں)

اول: مفسدوں کی روح تاریکی اور ظلمت میں مقید ہے اور نہیں جانتی کہ اس کے ساتھ کیا ہوگا۔

دوم: نیک و متقی لوگوں کی جانوں میں روح ہے جو دنیاوی آسمانوں کے نیچے اعمال کے باعث خوش اور طاعت میں مسرور ہو کر اس کی طاقت سے چلتی ہیں۔

سوم: محسنین کی جانوں کی ارواح نورانی قندیلوں میں عرش الٰہی سے آویزاں ہیں جن کی غذا محبت اور ان کا پانی شراب لطف و قرب ہے۔

چہارم: مریدین کی جانوں کی ارواح کا چوتھے آسمان پر مسکن ہے۔ وہاں وہ صدق کی لذت اور اپنے اعمال کے سایہ میں فرشتوں کے ساتھ ہیں۔

پنجم: اہل وفا کی جانوں کی ارواح حجاب صفا اور مقام اصطفا میں خوش ہیں۔

ششم: شہداء کی جانوں کی ارواح سبز پرندوں کے قالب میں بہشت اور اس کے باغوں میں رہتی ہیں وہ جہاں اور جب چاہیں جائیں۔

ہفتم: مشتاقوں کی جانوں کی ارواح ادب کے فرش پر انوار صفات کے پردوں میں قیام کرتی ہیں۔

ہشتم: عارفوں کی جانوں کی ارواح قدس میں صبح و شام خدا کی باتیں سنتی ہیں اور دنیا و جنت میں اپنے

Marfat.com

ٹھکانوں کو دیکھتی ہیں۔

نہم: محبوبوں اور دوستوں کی جانوں کی ارواح مشاہدہ جمال الٰہی اور مقام کشف میں محو ہیں۔ اس کے سوا وہ کچھ جانتی ہی نہیں اور نہ کسی سے انہیں بجز اس کے راحت ملتی ہے۔

دہم: درویشوں کی جانوں کی ارواح محل فنا میں مقرب ہو کر اور اپنی صفتیں بدل کر احوال متغیر کر چکی ہیں۔

مشائخ کرام بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ہر ایک کو ان کی جداگانہ صورتوں میں دیکھا ہے اور بقول سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ یہ جائز ہے اس لیے کہ وہ موجود ہیں اور ان کا جسم لطیف ہے اور ان کو دیکھا جا سکتا ہے اور جب چاہے اللہ تعالیٰ ہر بندہ کو جیسا چاہے دکھا دیتا ہے۔

اور میں یعنی علی بن عثمان جلابی (سیدنا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ میری زندگانی ہر حال میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہے اور قیام اسی سے ہے اور ہمارا زندہ رکھنا حق تعالیٰ کا فعل ہے۔ جو ہم میں موجود ہے ہم اس کے پیدا کرنے سے ہیں۔ اس کی ذات وصفات سے نہیں اور روحوں یعنی حلولیوں کا قول سراسر باطل ہے جو لوگوں میں بہت بڑی گمراہی، ان کا ایک باطل قول یہ ہے کہ وہ روح کو قدیم کہتے ہیں۔ اگرچہ ان کی عبارتیں مختلف ہیں اور ایک گروہ نفس ہیولیٰ کہتا ہے اور ایک گروہ نور وظلمت کہتا ہے اور اس طریقت کو باطل ٹھہرانے والے یا تو فنا وبقا کہتے ہیں یا جمع وتفرقہ وغیرہ قسم کی بیہودہ باتیں گھڑ رکھی ہیں اور وہ اپنے کفر کی تحسین میں لگے ہوئے ہیں۔

علما اور صوفیا کی مناقشت قدیم سے ایک روایت چلی آتی ہے کہ جس کے قصے دونوں گروہ بڑی شدومد سے بیان کرتے آئے ہیں اور اب تک کرتے ہیں۔ حلاج اور شہاب الدین مقتول کے فتوے نے اس روایتی مناقشت کو اور ہوا دی اور اس موقع پر کہا گیا کہ دونوں گروہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے کوشاں ہیں۔ صوفیا کی طرف سے اس مخاصمت کی بنا پر فریق ثانی کے بارے میں بعض اوقات بڑی تلخ باتیں بھی کہی گئیں۔ بہرحال اس مناقشت کی حقیقت سے یہاں بحث نہیں۔ دیکھنا محض یہ ہے کہ صوفیا پر تنقید کرتے ہوئے ابن الجوزی کس حد تک اس مناقشت کے زیر اثر آئے۔ میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگرچہ ابن الجوزی نے صوفیا پر بہت تنقید کی ہے بلکہ انہوں نے کھل کر تصوف کے بعض پہلوؤں کی تنقیص بھی کی ہے، لیکن اس کی بنیاد تصوف یا صوفیا سے بغض وعناد پر نہیں ہے۔ وہ تصوف اور صوفیا کے فضائل کے اعتراف میں بخل سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ وہ اس سلسلے میں پورے عدل وانصاف سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ جنید بغدادی کا قول ہے کہ ''تصوف برے اخلاق سے نکلنے اور اچھے اخلاق میں داخل ہونے کا نام ہے۔'' اور دیم کا قول ہے کہ تمام مخلوق نے رسوم پر ڈیرہ ڈالا لیکن صوفیا نے حقائق پر قیام کیا، اور سب مخلوق نے ظاہر شرع کی درستی کا مطالبہ کیا اور اس گروہ نے اپنے نفس سے حقیقت تقویٰ اور مداومت صدق کا مطالبہ کیا، نقل کر کے کہتے ہیں و علی ھذا کان اوائل القوم ''اوائل صوفیا کا طرز عمل یہی تھا۔''

Marfat.com

وہ صوفیا کی زندگی کی افراط وتفریط کو ظاہر کرنے کے لیے ان کا موازنہ اسلام کے مثالی نمونہ و زندگی سے کرتے ہیں۔ ان کا یہ مثالی نمونہ جن عظیم ہستیوں کی سیرت سے ماخوذ ہے، ان میں خود کبار صوفیا بھی شامل ہیں، اور جہاں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ محدثین کی سیرتوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ وہاں صوفیا کی سیرتوں کا حوالہ بھی پوری عقیدت مندی اور انتہائی تحسین آمیز انداز میں دیتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہ تصوف کے مخالف ہیں، اور نہ صوفیا سے انہیں کوئی کدورت ہے۔ وہ تو محض تصوف کے ان پہلوؤں اور صوفیا کی اس طرز زندگی پر تنقید کرتے ہیں جو خود تصوف کے مقاصد سے ہم آہنگ نہیں۔ انہوں نے تصوف پر تنقید کے سلسلے میں اپنا نقطہ نظر صراحت سے بیان کر دیا ہے۔

نحن نذ کر بعض ما بلغنا من اغلاط القوم. والله یعلم انقالم نقصد بیان غلط الغالط الاتنزیه الشریعه والغیرۃ علیها من الذخل وما علینا من القائدہ والفاعل وانما نووی بذات امانته العلم

ہم اس گروہ کی بعض ایسی غلطیوں کا تذکرہ کریں گے جو ہم تک پہنچی ہیں۔ خدا جانتا ہے کہ غلطی کرنے والوں کی غلطی بیان کرنے کا ارادہ ہم نے محض شریعت کی تنزیہہ اور اس میں کسی طرح کی ملاوٹ کو قبول نہ کرنے کی خاطر کیا ہے ہمیں اس سے غرض نہیں کہ کہنے یا کرنے والا کون ہے۔ ہماری نیت تو محض علم کی امانتداری کی حفاظت ہے۔

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ سے تھوڑا ہی عرصہ بعد امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے تصوف کو ہدف تنقید بنایا۔ لیکن ان کی تنقید فلسفہ تصوف اور تصوف کی فکری اور نظری اساسوں پر تھی اس کے مقابلے میں ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کا ایک معاشرتی ادارے اور ایک مخصوص طرز زندگی کی حیثیت سے جائزہ لیا۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا رول ایک فلسفی اور مفکر کا سا تھا اور ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک معاشرتی مصلح کا سا۔

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیا کو ایک ایسے طبقے کی حیثیت سے دیکھا جن کا ایک مخصوص انداز فکر ہے، زندگی بسر کرنے کا ایک جداگانہ طرز ہے۔ ان کے اعمال و افعال اپنے آپ پر نافذ کردہ ذمہ داریاں اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کا طریقہ عام لوگوں سے سراسر مختلف ہے۔ اس طرز عمل کے پیچھے افکار و نظریات کا ایک مخصوص مجموعہ ہے جن میں ان کی صدیوں پرانی روایات جھلکتی ہیں۔ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیا کے حال اور ماضی کا اچھی طرح جائزہ لیا ہے، ہم عصر صوفیا کو قریب سے دیکھا ہے۔ وہ برسوں ان کے ساتھ پھرے ہیں۔ ان کے ماضی کے ورثے کو ان کے طرز عمل میں کارفرما بھی دیکھا ہے، اور ان کے علمی ذخیرے کو بھی تلاش کیا ہے۔ اس لیے انہوں نے تصوف پر جو کچھ لکھا ہے اس میں انہوں نے تصوف اور صوفیا کے صحیح خدوخال واضح کیے ہیں اور اگرچہ ان کا مقصد تنقید تھا۔ لیکن اپنی تحریروں میں انہوں نے اپنے زمانے کے تصوف اور حاملین تصوف کی ایک جامع فکری، عملی اور معاشرتی تصویر بھی پیش کر دی ہے۔ جس میں ہم ان کے زمانے کے صوفی

Marfat.com

کو سوچتا اور عمل کرتا ہوا دیکھتے ہیں اور اس کے لباس، طرزِ زندگی، اذکار و اعمال اور روزمرہ معمولات کی پوری تفصیل ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

صوفیا کے مطابق تصوف کا مقصود حقیقت تک پہنچنا ہے۔ یعنی تصوف ایک ایسا نظامِ عمل ہے جس پر چل کر حقیقت تک رسائی ہوئی ہے۔ اسی مفہوم کو ملحوظ رکھ کر تصوف کے لیے طریقت کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے اور اسی رعایت سے سلوک، سالک، مرشد، دلیل اور مقامات جیسی اصطلاحیں مروج ہیں۔ ''طریقت'' کے مختلف مراحل ہیں جن کو تصوف کی زبان میں مقامات کہا جاتا ہے۔ تصوف کی قدیم ترین کتاب ''اللمع'' کے مطابق مقاماتِ طریقت سات ہیں۔ توبہ، ورع، زہد، فقر، صبر، توکل، رضائی۔

مقامات کے بارے میں صوفیا کے ہاں اختلاف بھی ہے۔ کچھ لوگ مندرجہ بالا تقسیم سے مختلف تقسیم کرتے ہیں۔ کچھ صوفیا کے ہاں اور بھی بہت سے مقامات ہیں۔ بہرحال یہ مقامات تصوف کے نظامِ عمل کی بنیاد ہیں۔ مقامات کے تصور سے قطع نظر یہ تمام اصطلاحیں اسلام میں اپنا اپنا مفہوم رکھتی ہیں، اور اسلامی نظامِ عمل میں ان کا ایک خاص مرتبہ ہے۔ صوفیا نے اپنے فلسفے کے مطابق ان کو مخصوص مفہوم دیا ہے، اور ان کے حوالے سے ایک نظامِ عمل تعمیر کیا ہے۔

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ان ہی اصلاحات کے حوالے سے قرونِ وسطیٰ کے صوفیا کے فکر و عمل کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھا ہے۔ اس کے علاوہ صوفیا کے مخصوص تصورات اور اعمال مثلاً ''سماع و وجد'' وغیرہ پر بحث کی ہے اور اس طرح سے جادۂ اعتدال سے ان کے انحراف کو واضح کیا ہے۔

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صوفیا کے عدم توازن کا اصل سبب علم دین سے ان کی غفلت ہے، تنقید کے آغاز میں ہی رقم طراز ہیں۔

> ترجمہ: ابلیس نے صوفیا پر بنیادی طور پر اس طرح اپنا جادو چلایا کہ علم سے انہیں روک دیا اور انہیں باور کرایا کہ مقصود اصلی تو عمل ہے۔ پھر جب علم کا چراغ بجھ گیا تو وہ اندھیرے میں خبط مارنے لگے۔

صوفیا کی ایک جماعت نے تو اس سلسلے میں اس حد تک غلو کیا کہ علم شریعت اور طریقت و تصوف کو جدا جدا بلکہ متضاد قرار دیا۔ یہاں تک کہ اپنی کتابیں جو علم کا خزانہ تھیں، دفن کردیں یا دریا برد کردیں یا جلا ڈالیں، کیونکہ ان کے نزدیک جب مقصودِ اصلی عمل ہے تو علم بے کار ہے۔ ان لوگوں میں احمد بن ابی الجوری، ابوالحسین بن الخلال اور موسیٰ بن ہارون زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے خیال میں علم صرف بے کار چیز ہی نہیں بلکہ حقیقت پرستوں کے لیے یہ باعث ننگ و عار ہے۔ ابوسعید کندی جب حصولِ علم کے لیے کسی شہر میں جاتے تو مقصد ظاہر کیے بغیر کسی رباط میں ٹھہر جاتے تھے۔ ایک دن ایک رباط میں ان کی دوات گٹھڑی میں سے نکل کر گر پڑی، تو ایک صوفی نے کہا کہ استر عورتک اپنی شرم گاہ چھپالو۔ ان کے نزدیک علم اصل میں وہ چیز

Marfat.com

ہے جو طویل عبادت و ریاضت کے نتیجے میں دل کو حاصل ہوتی ہے۔ اس کا نام ان کے نزدیک علم الباطن، یا علم الخرق ہے۔ وہ طالبانِ علم پر تعریض کرتے ہوئے کہتے تھے، تدع علم الفرق و تاخذ علم الورق تو خرقوں کے علم کو چھوڑ کر ورقوں کے علم کو حاصل کرتا ہے۔

اس علم دشمنی کا نتیجہ یہ نکلا کہ تصوف اسلام کے مفہوم کی حقیقی تعبیر بننے کی بجائے ایک متوازی نظامِ زندگی بن گیا۔ اس حقیقت کو ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کے مقامات و احوال کے حوالے سے تصوف اور متصوفین کا تجزیہ کر کے واضح کیا۔ انہوں نے مشہور مقامات اور احوال کے ناموں سے عنوان باندھے ہیں، کیونکہ یہی ایک صوفی کی زندگی کا محور ہیں اور یہی ان کے لیے بنیادی رہنما اصولوں کی علامت ہیں۔ ان عنوانات کی ذیل میں ابن الجوزی نے صوفیا کے افکار اور اعمال کا تلخ مگر قریبِ حقیقت نقشہ کھینچا ہے اور اسلام کے متوازن نظامِ زندگی کو سامنے رکھ کر تجزیہ کیا ہے۔

زہد

اسلام میں حب دنیا سے پرہیز کی تلقین تو کی گئی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مال و دولت سے مکمل طور پر اجتناب برتا جائے لیکن صوفیا کے ہاں زہد یہی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں خواہ کوئی حلال طریقہ سے مال کمائے اور خواہ نیک راہ میں خرچ کرے، فقراء کے ساتھ جنت میں نہ جا سکے گا۔

ان کے نزدیک مال جمع کرنا خواہ وہ نیک مقاصد کے لیے ہی کیوں نہ ہو، خلاف توکل ہے۔ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ اس تصورِ زہد کی تردید کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ جو لوگ اس نظریہ کے مطابق اپنے پاک مالوں سے دستبردار ہو گئے انہیں گزارے کے لیے صدقات پر بھروسہ کرنا پڑا جو لوگوں کے ہاتھوں کا میل کچیل ہوتے ہیں۔ وہ اپنا نظریہ ان کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ شبلی کے پاس چند صوفی مہمان آئے، تو انہوں نے اپنا ایک مرید ایک مالدار آدمی کے پاس بھیجا تا کہ اس سے کچھ کھانے کے لیے مانگ لائے۔ اس نے قاصد کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ابو بکر تم تو خدا کے عارف ہو، اس سے کیوں نہیں مانگ لیتے؟ شبلی نے کہا، اسے جا کر کہو دینار ایک سفلہ چیز ہے۔ اسے تجھ جیسے سفلہ ہی سے مانگتا ہوں اور حق سے حق کا طلب گار ہوں، یہ سن کر اس نے سو دینار بھیج دیئے، ابن عقیل کہتے ہیں کہ اگر وہ مالدار آدمی شروع ہی سے کچھ دے دیتا تو ٹھیک تھا، اب تو شبلی نے ناپاک رزق کھایا اور مہمانوں کو بھی کھلایا۔ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ پہلے صوفی اگرچہ غلط طور پر ہی اپنے مالوں سے الگ ہو جاتے تھے لیکن ان کا مقصود نیک تھا۔ اب تو صوفیا کمانے کی طاقت کے باوجود مسجدوں اور خانقاہوں میں بیٹھ جاتے ہیں اور لوگوں کی خیرات پر بھروسہ کرتے ہیں اور منتظر رہتے ہیں کہ کوئی مالدار صدقہ لے کر آئے اور دستک دے۔ یہ لوگ رسم زہد کی جانکاہیوں کا بری طرح شکار ہیں۔ تصوف کی رسم بھی نبھانی ہے، اور مال بھی جمع کرنا ہے اس لیے خود نہیں کماتے لیکن مالداروں کے پیچھے

Marfat.com

لگے رہتے ہیں بلکہ مزے کی بات تو یہ ہے کہ ان صدقات کے لیے کچھ خفیہ نام مقرر کر رکھے ہیں، جیسے "فتوح" وغیرہ۔ ایسے صدقات ظالموں کے ہاں سے آئیں تو بھی رد نہیں کرتے کیونکہ یہ خدا کا بھیجا ہوا عطیہ ہے، انہیں رد نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ان عطایا سے روایت اکٹھی کرتے ہیں مثلاً ابوالحسن منتظم جو رباط ابن اللحیان کے بسطامی تھے، اور زندگی بھر صوف پوش رہے، مرے تو چار ہزار دینار ترکہ چھوڑا، صوفیا کی یہ روش سراسر خلاف اسلام ہے۔ اللہ نے خود مال کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا (سورۃ النساء: 4)

اپنے مال بیوقوفوں کے سپرد نہ کرو، مال کو اللہ نے تمہارے لیے قوت کا موجب بنایا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہارے لیے اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ جانا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ انہیں محتاج چھوڑ جاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد رضی اللہ عنہ کے مال دار ہونے کی دعا بھی فرمائی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صوفیا نے اس سلسلے میں غلط روش اختیار کی ہے۔

لباس کے معاملے میں بھی صوفیا کا مسلک اسی قسم کا ہے۔ اسلاف تنگ دستی کی بنا پر پیوند لگے ہوئے معمولی اور بعض اوقات ایک جوڑا ہونے کی وجہ سے میلے کپڑے پہنتے، لیکن اب صوفیا مختلف رنگوں کے کپڑے لے لیتے ہیں، اور ان کے ٹکڑوں کو جوڑ کر لباس بنا لیتے ہیں تا کہ پیوند لگا ہوا معلوم ہو۔ ایسے بھی صوفیا ہیں جو تصوف کا لباس پہنتے ہیں تو جبہ سے اس کی آستینیں ظاہر کر دیتے ہیں یا اندر تو نرم لباس پہنتے ہیں اور اس کے اوپر دکھانے کے لیے صوف کا جبہ ڈال لیتے ہیں۔

اس کو اسلام نے لباسِ شہرت کہا ہے جس سے ریا کاری جھلکتی ہے۔ ابوالحسن ابن الحباب جو ابن الکرینی کے مصاحب تھے، روایت کرتے ہیں کہ ابن الکرینی نے مجھے وصیت کی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی مرقعہ یعنی پیوند لگا ہوا جبہ میں لے لوں، میں نے وہ مرقعہ تولا تو گیارہ رطل کا تھا۔ جعفر کہتے ہیں کہ صوفی مرقعوں کا نام "وزن" سے لیتے ہیں۔ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ صوفیا کے طرزِ عمل کا نقشہ کھینچ کر تفصیل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضی اللہ عنہم اور اسلام کا طرزِ زندگی پیش کرتے ہیں کہ کس طرح وہ لباس کے معاملے میں اعتدال کی روش رکھتے تھے۔ خود بزرگ ترین صوفی حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ قیمتی لباس پہنا کرتے تھے۔

کھانے کے معاملے میں بھی زہد کے اس مخصوص مفہوم نے صوفیا کو مضحکہ خیز حد تک سخت اور انتہا پسند بنا دیا ہے۔ مثلاً کئی کئی دن تک نہ کھانا، جب کھانا تو بہت کم مقدار میں کھانا تصوف کا لازمہ سمجھا جاتا ہے سہل بن عبداللہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کچھ مدت تک بیری کے پتے کھاتے رہے۔ پھر کچھ عرصہ بعد بھوسے پر گزارہ کیا۔ ابراہیم سنار کہتے ہیں کہ ایک سفر میں، میں ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ تھا۔ افطار کے وقت میں نے روٹی اور نمک نکالا اور انہیں دعوت شرکت دی۔ انہوں نے پوچھا نمک پسا ہوا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ کہا، تم کو نجات نہ ملے گی۔ پھر توشہ دان سے تھوڑا سا ستو نکالا اور اسے پھانکنے لگے۔ رودباری کا قول ہے کہ اگر صوفی

Marfat.com

پانچ روز کے بعد کہے کہ میں بھوکا ہوں تو اس سے کہو بازار میں جائے اور کوئی دھندا کرے، وہ تصوف کے لائق نہیں، حالانکہ یہ سب چیزیں کسی طور پر بھی شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ حضور ﷺ خود شہد اور مکھن ملا کر تناول فرمایا کرتے تھے۔ ککڑی اور چھوہارے ملا کر کھانے کو پسند فرماتے تھے بلکہ آپ نے تو یہاں تک فرمایا من احبابہ جھد فی رمضان فلم یفطر دخل النار جس شخص کو رمضان میں سخت تکلیف محسوس ہوئی پھر بھی اس نے افطار نہ کیا تو وہ جہنم میں جائے گا۔

صوفیا میں سے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ روزانہ گوشت خریدتے تھے۔ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ احادیث اور آثار سے واضح کرتے ہیں کہ نفس کا بھی انسان پر حق ہے اور اگر حقدار کا حق ادا نہ کیا جائے تو یہ ظلم ہے اور اس کی جواب دہی کرنا ہوگی۔ اس انتہا پسندی کا ذکر کرنے کے بعد ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے صوفیا کے ہاں برعکس انتہا پسندی کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ ہمارے زمانے کے صوفیا کا معاملہ برعکس ہے۔ ان کی مستیوں کی جولانیاں کھانے پینے میں ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ ناشتے، کھانے اور شیرینی کی قسم کی لذائذ کام و دہن سے خوب متمتع ہوتے ہیں اور مزید یہ کہ خود کمانے اور جدوجہد کرنے سے بھی بچے رہتے ہیں۔ ان کا کام کھانا ہے یا خوش فعلیاں کرنا۔

توکل

صوفیا نے توکل کو جو مفہوم عطا کیا ہے اس میں بھی ان کی روایتی انتہا پسندی پوری طرح کارفرما ہے۔ ابو سلیمان کا قول ہے اگر ہم اللہ پر توکل کرتے تو دیواریں تعمیر نہ کرتے اور نہ ہی چوروں کے ڈر سے گھر کے دروازوں کے لئے تالے بناتے۔ ذوالنون مصری کا قول ہے میں نے برسوں سفر کیا لیکن ایک موقعہ کے علاوہ میرا توکل درست نہیں رہا۔ اس موقع پر ہوا یوں کہ کشتی دریا کے درمیان میں آ کر ٹوٹ گئی، پہلے تو میں نے ایک تختے کا سہارا لیا لیکن پھر یہ سوچ کر کہ اگر اللہ نے میرے ڈوب جانے کا حکم دیا ہے تو یہ تختہ مجھے کوئی فائدہ نہ دے گا۔ میں نے تختہ چھوڑ دیا اور تیر کر کنارے آ پہنچا۔ اسی طرح عبداللہ بن سالم کی رائے میں کمانا توکل کے خلاف ہے۔

بعض صوفیا تو علاج کو بھی توکل کے خلاف سمجھتے ہیں۔

اسلام میں توکل کا مفہوم ہرگز یہ نہیں ہے کہ بلکہ یہاں تو توکل اعتماد القلب علی اللہ یعنی دل کا اللہ پر بھروسہ کرنے کا نام ہے۔ یہ بھروسہ اسباب کے حصول سے نہیں روکتا۔ اونٹنی والے کو حضور ﷺ کا یہ فرمانا اعقل فتوکل اس کا گھٹنا باندھ پھر بھروسہ کر، آپ ﷺ کا غار ثور میں پوشیدہ ہو جانا بیبیوں سے مشورہ لینا اور گھروں کے دروازے بند کرنے کی ہدایت فرمانا، اسلامی توکل کے معنی کو متعین کرتے ہیں۔ خود قرآن اسباب کے حصول کی تلقین کرتا ہے۔ واعدو لھم ما استطعتم یعنی تم ان کے مقابلے میں جتنا کر سکتے

Marfat.com

ہو تیاری کرو۔ صوفیا کے ہاں توکل کے عجیب وغریب مفہوم سے بھی دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ توکل کو باقاعدہ آزماتے ہیں۔ آزمانے کے یہ واقعات سیر وسفر کے موقعوں پر اکثر پیش آئے۔ اس بارے میں ابن الجوزی اپنے مخصوص تیز وتند لہجے میں یوں لکھتے ہیں کہ اکثر صوفیا کو شیطان نے اس طرح فریب دیا کہ ان کا نہ تو کسی خاص مقام پر جانے کا ارادہ ہوتا ہے اور نہ ہی غرض طلب علم کی ہوتی ہے۔ بلا مقصد تنہا سفر پر نکلتے ہیں، اپنے ساتھ زادِ سفر نہیں لیتے اور اس سے توکل کا دعوی مراد لیتے ہیں۔ بعض تنہا ویرانوں اور جنگلوں کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔ علی بن سہل نے اپنے سفر کا قصہ بیان کیا ہے جس میں انہوں نے بزعم خویش توکل کا مفہوم سمجھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک خوفناک جنگل میں سفر کر رہا تھا کہ ایک چھوٹے بچے کو بھی تنہا سفر میں دیکھا۔ وہ حج کے لیے جا رہا تھا۔ میں نے اسے بغیر زادِراہ تن تنہا سفر کرنے پر ٹوکا تو اس نے جواب دیا: ”اگر تیرا کوئی بھائی یا دوست تجھے اپنے گھر بلائے تو کیا مناسب سمجھے گا کہ اپنے ساتھ کھانا لے جائے اور اس کے گھر جا کر وہی کھانا کھائے؟“ ابن الجوزی نے توکل کو آزمانے کے عجیب وغریب واقعات بیان کیے ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن خفیف کہتے ہیں۔ میں شیراز سے چلا، جنگل میں تنہا سویا، بھوک اور پیاس کی تکلیف سہی اور اس حد تک مصیبتیں اٹھائیں کہ میرے آٹھ دانت گر پڑے اور سارے بال جھڑ گئے۔ محمد بن سلیمان بیان کرتے ہیں کوفے کے راستے میں، میں نے دیکھا کہ سرِ راہ ایک اونٹ مرا پڑا تھا۔ آٹھ نو درندے اسے نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ وہ گاہے گاہے ایک دوسرے پر جھپٹتے تھے پھر کھانے کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ میں نے یہ منظر دیکھا تو دل مضطرب ہوا۔ دل چاہا کہ دائیں بائیں مڑ کر چلا جاؤں لیکن میں نے نفس کی یہ بات نہ مانی، چلتا ہوا ان درندوں کے سامنے جا کھڑا ہوا، پھر اتنا قریب ہو گیا کہ ان میں شامل نظر آتا تھا۔ میں اس وقت اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوا تو اسے خوف وہراس میں پایا، اس لیے وہیں جما رہا، پھر بھی خوف محسوس ہوا تو وہیں لیٹ گیا، آخر مجھے وہیں نیند آ گئی، اٹھا تو دیکھا کہ وہ درندے جا چکے تھے۔

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ ان واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں، جذام زدہ آدمی سے اس طرح دور بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سفر پر روانہ ہوئے تو زادِراہ ساتھ لیا، پھر یہ صوفیا کا توکل آخر کیسا ہے جو انبیاء کے توکل سے بھی بڑھا ہوا ہے؟

سماع اور وجد

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے سماع کے بارے میں صوفیا کے مسلک پر کافی لمبی بحث کی ہے اور ان کے دلائل کا رد کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کا یہ قول نقل کرتے ہیں ہم ایسی حالت میں پہنچ گئے ہیں کہ اب احوال کا اختلاف ہم پر کوئی اثر نہیں کرتا۔ لہٰذا ہمارے لیے موسیقی حرام نہیں رہی، پھر مشہور صوفی ابوعلی روباری کی تنقید نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے جب یہ قول سنا تو کہا ہاں وہ پہنچ گئے ہیں لیکن کسی درجے پر نہیں بلکہ جہنم میں

Marfat.com

کیونکہ سرشت کے اعتبار سے انسان سبھی ایک جیسے ہیں، اس لیے لوگ یا تو فرشتے ہو گئے ہیں یا غلط دعویٰ کرتے ہیں۔ موسیقی کے بعد وجد آتا ہے۔ بعض صوفیا تو وجد میں باقاعدہ رقص کرتے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ گانے کو طبیعت کی روانی اور رقت قلب کا سبب گردانتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے حیرت انگیز واقعہ یوسف بن حسین کا ہے۔ ایک بار ابوالحسین مدارج ان کی ملاقات کو گئے۔ یوسف آس پاس کے لوگوں میں زندیق مشہور تھے، جب وہ انس سے ملے تو وہ قرآن پڑھ رہے تھے۔ ابوالحسین سے کچھ گانا سنانے کی فرمائش کی۔ انہوں نے ایک قطعہ سنایا جس میں یہ شعر بھی تھا۔

رایتك تبغی دائما فی قطعتی
ولو کنت داخر ما لامت ما تینی

یوسف بن الحسین نے قرآن مجید بند کر دیا اور اس قدر روئے کہ داڑھی تر ہو گئی اور کپڑے بھیگ گئے پھر کہا: کوفے کے لوگ مجھے زندیق کہتے ہیں، اور حالت یہ کہ میں نماز کے وقت سے یہاں بیٹھا قرآن پڑھ رہا ہوں، اور ایک قطرہ بھی میری آنکھ سے نہیں ٹپکا مگر تمہارے شعر سن کر مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔

راگ سن کر رقص کرنا اور کپڑے پھاڑنا ان لوگوں میں عام ہے اور اس سلسلے میں قرآن مجید سے دلائل دیتے ہیں۔ مثلاً ارکض رجلك (اے ایوب علیہ السلام) اپنا پاؤں زمین پر ماریئے۔ ان کو زمین پر پاؤں مارنے کا حکم دیا گیا، وہاں سے چشمہ نکلا اور اس سے غسل کر کے ایوب علیہ السلام شفایاب ہو گئے۔

صوفیا اس کا مفہوم یہ لیتے ہیں کہ زمین پر پاؤں مارنا رقص کے مترادف ہے۔ بعض اصحاب وجد میں زیادہ سرور میں آجاتے ہیں اور کپڑے اتار کر گانے والے پر پھینک دیتے ہیں، اور بعض جاہل اس پر دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر آئے اور اپنی قوم کو گوسالہ پرستی میں مبتلا دیکھا تو شدتِ غم والم سے توراۃ کی تختیاں پھینک دی تھیں۔ اس لیے ہم شدت جذبات میں اس طرح کرتے ہیں تو ہم پر کیسی ملامت؟

شطحیات

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیا کے بعض انوکھے شطحیات کا ذکر بھی کیا ہے۔ مثلاً ابو یزید کا قول ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ قیامت جلد قائم ہو تاکہ میں اپنا خیمہ جہنم پر نصب کروں۔ لوگوں نے پوچھا کس لیے؟ کہا: اس لیے تاکہ اس سے ثابت ہو جائے کہ خدا کا فضل و کرم اس کے دوستوں پر دوزخ میں بھی ہوتا ہے۔

ممنون صوفی اپنا نام کذاب رکھتے تھے، اور اس طرح کے اشعار کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔

ولیس لی فی سواك حظ فکیف ما شئت فامتجنی

تیرے بغیر کسی میں میرا کوئی حصہ نہیں، اس لیے تو جیسے چاہے مجھے امتحان میں ڈال۔

شطحیات سے پہلے زہد اور توکل وغیرہ کے متعلق صوفیا کے نظریات اور عمل کے بارے میں جو کچھ

Marfat.com

بیان ہوا ہے اس سلسلے میں جادۂ فطرت سے انحراف کی صحیح ترین مثالیں وہ ہیں جن کو ابن الجوزی نے ''الافعال المنکرۃ'' کے عنوان سے بیان کیا ہے۔ دوسرے عنوانوں سے جو کچھ بیان ہوا وہ بھی عدم توازن اور انحراف کے ذیل میں آتا ہے اور یہ سب کچھ اگرچہ تصوف کے بعض اصولوں میں ضرورت سے زیادہ شدت پیدا کرنے کے سبب ہوا لیکن مندرجہ ذیل واقعات میں یہ انحراف اس قدر نمایاں ہے کہ کسی تاویل کو بھی قبول نہیں کرتا۔ مثلاً ابوالکرینی کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ انہیں غسل کی ضرورت پیش آئی تو دجلہ کے کنارے آئے۔ سخت سردی کی وجہ سے طبیعت فوراً غسل پر آمادہ معلوم نہ ہوئی تو خرقے سمیت دجلہ میں کود پڑے اور خوب غوطے لگائے پھر عہد کیا کہ جب تک خرقہ خشک نہ ہوگا اسے بدن سے نہیں اتاروں گا۔ وہ خرقہ مہینہ بھر خشک نہ ہوسکا اور اس طرح سے انہوں نے طبیعت کو سزا دی۔

کچھ لوگ ایسے اشخاص کو اجرت پر مقرر کرتے ہیں جو ان کو گالیاں دیں تاکہ ان کا نفس حلم اور بردباری سیکھے، حسن بن علی وامغانی سے ایک شخص نے کہا کہ میں تیس برس سے روزانہ دن کو روزہ رکھتا ہوں اور رات کو نماز پڑھتا ہوں لیکن جو باتیں آپ کہتے ہیں مجھے اپنے دل میں کہیں نظر نہیں آتیں، انہوں نے کہا تو اپنے نفس کی وجہ سے حجاب میں ہے۔ اور اس کا یہ علاج یہ تجویز کیا کہ فوراً جا کر حجام سے سر اور داڑھی منڈھوا لو، لباس اتار کر ایک چادر باندھ لو اور گلے میں ایک جھولی اخروٹوں کی بھر کر اپنے گرد لڑکوں کو جمع کر کے اعلان کرو کہ جو کوئی مجھے ایک تھپڑ مارے گا میں اسے ایک اخروٹ دوں گا۔

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ الحمد للہ ہماری شریعت میں ایسی چیزیں نہیں ہیں بلکہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیس للمومن ان یذل نفسہ یعنی مومن کو جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلت میں ڈالے۔

ابوعلی رودباری نے ابوبکر الدقاق کا واقعہ بیان کیا ہے کہ وہ ایک عرب قبیلے کے مہمان ہوئے، تو ایک خوبصورت لڑکی کی طرف یونہی نظر اٹھا کر دیکھا اور جب ندامت ہوئی تو اپنی آنکھ نکال ڈالی جس سے اس کی طرف نظر کی تھی، شعرانہ نے واقعہ بیان کیا ہے کہ ہمارے پڑوس میں ایک نیک اور صوفیہ رہا کرتی تھی۔ ایک روز وہ بازار گئی۔ کسی آدمی نے اسے دیکھا تو اس پر فریفتہ ہوگیا اور اس کے گھر تک اس کا پیچھا کیا۔ اس عورت نے اس سے پوچھا، تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں تجھ پر مفتون ہوگیا ہوں۔ اس نے پوچھا، تجھے میری کون سی چیز پسند آئی؟ مرد نے جواب دیا، تیری یہ دونوں آنکھیں، تو وہ گھر کے اندر گئی، اپنی دونوں آنکھیں نکالیں اور دروازے کی اوٹ میں آکر اس کی طرف پھینک دیں اور کہا: انہیں لے جاؤ، خدا تمہیں برکت نہ دے۔

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ان انحرافات کے اسباب بھی بیان کئے ہیں۔ مختصر طور پر ان کا تذکرہ یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگا۔

Marfat.com

1- سخت ریاضتوں اور خصوصاً بھوک برداشت کرنے سے انسانی مزاج اعتدال پر نہیں رہتا۔ فاقے اور سختیاں جھیلنے کی وجہ سے صوفیا ایک قسم کی مراقی کیفیت کا شکار ہو گئے، جس کے نتیجے میں توازن سے محروم ہو گئے۔

2- علومِ شریعت سے صوفیا کی دلچسپی کا خاتمہ بھی اس کا ایک سبب بنا۔ اس سے غلط اور صحیح کی پہچان ختم ہو گئی اور انتہا پسندانہ رجحانات کو تقویت ملی۔

3- غلط یا صحیح کی تمیز کیے بغیر مرشد کی پیروی، تصوف میں مرشد کی اطاعت، مرشد پرستی کی حد تک جا پہنچی۔ ان کی غلطی، غلطی نہیں گنی جاتی۔ نتیجتاً مرشد کی ساری غلطیاں مریدوں میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ اس طرح نہ صرف آئندہ نسلوں تک پہنچتی ہیں بلکہ ہر عہد میں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔

ابن الجوزی کی تنقید کو یحییٰ صاحب نے بہت سخت قرار دیا ہے۔ تاہم ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف پر کڑی تنقید کی ہے۔ لیکن بعض معاملات میں اہل حال اور اہل قال کا فرق کرنا کافی مشکل ہو جاتا ہے، اور تصوف کے منفی رجحان کی مخالفت اور اس کی اصلاح مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی خوب فرمائی ہے۔ آخر میں یحییٰ صاحب نے بات ایسے ختم کی ہے۔

مجدد صاحب کی تحریک، تصوف اور عام عقائد کی اصلاح کی عظیم تحریک تھی۔ موجودہ دور کے صوفیا ان کی تعلیمات کے براہ راست زیر اثر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں تصوف کے وہ سلسلے زیادہ مقبول ہیں جن میں پیرویٔ شرع وسنت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے اور ایک اچھا صوفی وہی سمجھا جاتا ہے جو اسلامی اصولوں پر صحیح معنوں میں کاربند رہے۔ اب طریقت اور شریعت کی دوئی مٹ گئی ہے، اور کون کہہ سکتا ہے کہ تصوف کو اعتدال کی اس منزل تک پہنچانے میں ابن الجوزی کی تنقید نے ایک اہم کردار ادا نہیں کیا؟

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کی صوفیا پر تنقید کو ڈاکٹر پیر محمد حسن (سابقہ صدر شعبہ عربی جامعہ اسلامیہ بہاولپور) نے بے جا قرار دیا ہے۔ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''اشعۃ اللمعات'' کے مقدمہ میں ابن الجوزی کی تنقید کو صلحاء کے بارے میں سوئے ظن قرار دیا ہے۔ نیز احمد رزوق کے حوالہ سے بھی ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کی تنقید کو تصوف کے بارے میں افراط وتفریط کی حامل کہا ہے۔ کیونکہ اثنائے سلوک میں بعض ناروا پابندیاں نظریہ ضرورت کے تحت ہوتی ہیں نہ کہ مستقل۔ شیخ عبدالحق نے ابن الجوزی کو عالم فاضل لیکن اپنے علم وفضل پر مغرور بھی قرار دیا ہے اور اسے جوانی کے حوالہ سے ''متعصف غلیظ فاحش'' بھی کہا ہے، اور بتایا ہے کہ وہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ محبت اور حسن عقیدت تک سے محروم تھے حالانکہ ان کے ہم عصر تھے۔ عارف کامل خواجہ محمد پارسا کی تالیف فصول ستہ کے حوالہ سے ابن الجوزی کے بارے میں خواجہ صاحب کی رائے لکھی ہے کہ ابن الجوزی کو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی اور دیگر صلحاء کے انکار پر پانچ سال قید کاٹنا پڑی کیونکہ وہ شیطان کے ہتھے چڑھ گیا تھا تاہم شیخ محقق کے مطابق بعض بزرگوں نے ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

کو شیخ عبدالقادر کی خدمت میں عفو و درگزر کے لیے پیش کیا اور ان کو معافی دلائی۔ ڈاکٹر پیر محمد حسن لکھتے ہیں کہ ذہبی، ابن رجب، ابن العماد اور سیوطی نے بھی ابن جوزی کے تکبر، خودستائی اور بلند بانگ دعاوی کا ذکر کیا ہے، اور بتایا کہ ایک طرف تو وہ صوفیا کو خوب کوستے ہیں حتیٰ کہ ابونعیم اصفہانی جیسے محدث کو بھی معاف نہیں کرتے اور دوسری طرف ابونعیم کی کتاب حلیہ الاولیا کا خلاصہ لکھتے ہیں جس کا نام صفوہ الصفوہ رکھا۔ اس میں انہی بزرگوں کی شان بیان کی گئی ہے جن کو ابن الجوزی نے خوب کوسا ہے، اور معروف کرخی کے بارے میں ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ آپ کا روضہ مبارک تریاقِ مجرب ہے۔ نیز جن لوگوں پر تلبیس ابلیس میں حملے کئے گئے ہیں وہ سب غیر حنبلی ہیں، اور وحدت الوجود کے قائل خواجہ عبداللہ کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ ابن الجوزی نے صوفیا کی اصطلاحات کو بھی نشانہ تضحیک بنایا ہے حالانکہ اصطلاحات کی تشکیل پر اعتراض بے معنی ہے۔ مثلاً صوفیا کے سفر پر معترض ہیں اور وہ احادیث کا حوالہ دیتے ہیں کہ حضور نے فرمایا: السفر قطعة من العذاب اور السفر سفقر ولو کان میلا یعنی سفر دکھ اور تکلیف کا حامل ہوتا ہے اور سفر سقر ہے' چاہے میل بھر کا ہو۔ اس سے وہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ صوفیا احادیث کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن حکیم میں "سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ" کا حکم موجود ہے اور سفر کے بغیر زندگی کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ بہر حال ابن الجوزی ﷫ کے اعتراضات صوفیا کے معاملات سے قطعی ناآشنائی پر بھی محمول کئے جا سکتے ہیں۔ اگر وہ قرآن و حدیث کی روح سے متصل رہ کر صوفیا کے معاملات کا جائزہ لیتا تو اسے اپنا تنقیدی رویہ بدلنا پڑتا۔ ایسے ناقدین کے بارے میں اہل حال تو پہلے ہی کہتے ہیں۔

ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

سالک کی حیثیت ایک بیمار کی سی ہوتی ہے جو اپنی روحانی تندرستی کا خواہاں ہوتا ہے اور اس کے علاج کے لیے بعض اوقات حلال اور جائز چیزیں ترک کرنا پڑتی ہے جس کا مطلب کسی مریض نے کبھی یہ نہیں لیا کہ حلال کو حرام کر لیا ہے اور حرام کو حلال، بہر حال اللہ یاوری فرمائے، آمین۔

Marfat.com

موم روشنی پیدا کرتا ہے۔ گھر میں اجالا کرتا ہے مگر خود جل کر فنا ہو جاتا ہے۔ اس طرح انسان کو عشق الٰہی اختیار کر کے خدمت خلق میں فنا ہو جانا چاہیے۔

(رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا)

Marfat.com

باب ہشتم

تعلیمات وارشاداتِ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

- معرفت کا پھل اللہ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔
- دل کو قابو میں رکھنا اور اختیار ہونے پر ناجائز خواہشوں کا روکنا بہادری ہے۔
- محبت ازلی اور ابدی ہے۔
- اے نفس! تو اللہ سے محبت کا دعویدار ہے اور اس کی نافرمانی بھی کرتا ہے۔ اگر تو محبت میں صادق ہے تو اپنے رب کی اطاعت بھی کر۔ محبت کرنے والا اپنے محبوب کی اطاعت ضرور کرتا ہے۔
- اگر دوزخ اور جنت نہ بھی ہوں تو کیا اللہ اس لائق نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔
- ایک مرتبہ خواتین کی فضیلت کی بحث میں آپ نے فرمایا: اگر عورتوں میں کوئی نبی نہیں ہوئی تو کسی عورت نے خدائی کا دعویٰ بھی نہیں کیا۔ اس کے علاوہ تمام انبیائ، اولیا اور صدیقین نے عورتوں ہی کی گود میں پرورش پائی ہے۔
- آپ فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے تین غم ہیں: اول، مجھے معلوم نہیں کہ میری موت ایمان پر ہوگی یا کفر پر ہوگی۔ دوم، میرا نامہ اعمال قیامت کے دن داہنے ہاتھ میں ہوگا یا بائیں ہاتھ میں۔ سوم، پتہ نہیں قیامت میں داہنی طرف جنت میں جانے والی جماعت کے ساتھ رہوں گی یا بائیں طرف دوزخ میں جانے والی جماعت میں۔
- ایک روز حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا اندر بیٹھی تھیں۔ خادمہ نے ان سے کہا کہ باہر نکل کر دیکھئے، کیا بہار آ رہی ہے، اس پر آپ نے جواب دیا، باہر صنعت ہے اور اندر صانع، میں یہاں بیٹھی صانع کے مشاہدے میں مشغول ہوں۔
- اگر تم دنیا سے فارغ ہو تو دنیا کی بھلائی برائی کی تمہیں پروا نہیں ہوسکتی۔
- خود بینی کی توبہ ایک دوسری توبہ کی محتاج ہے۔
- اللہ سے قناعت پسند دل مانگو، یہ بہت بڑی نعمت ہے۔
- مجھے ثواب کی امید اس وقت ہوتی ہے جب اپنے نیک اعمال وعبادات کو کم خیال کرتی ہوں کیونکہ

Marfat.com

اس وقت میرا اعتماد محض اللہ کے فضل پر ہوتا ہے۔

- جب سے میں نے ایسی ذات کو، جو باوجود گناہ کے روزی بند نہیں کرتا اور اپنے عاشقوں کو بے آب ودانہ زندہ رکھتا ہے، پہچان لیا ہے، غیر خدا سے امید رکھنا چھوڑ دی ہے۔
- اللہ جب کسی کو توبہ کی توفیق دیتے ہیں تو انسان توبہ کرتا ہے اور پھر اللہ قبول بھی فرماتے ہیں۔
- جب بندہ نعمت پر شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت پر بھی شکر کرتا ہے تو اللہ اس سے راضی ہو جاتے ہیں۔
- پانی میں چلنا مچھلی کا کام ہے، اور ہوا میں اڑنا مکھی کا۔ کرامت ان دونوں سے باہر ہے۔
- آپ کی دعا تھی: یا اللہ میرا جو حصہ دنیا میں ہو اسے اپنے دشمنوں کو دے دیجئے اور میرا جو حصہ آخرت میں ہو، وہ اپنے دوستوں کو دے دیجئے، اور میرے واسطے تو آپ ہی کافی ہیں۔
- میں اس بات سے ڈرتی ہوں کہ مرنے کے وقت میرا رب یہ نہ کہہ دے کہ تو ہماری درگاہ کے لائق نہیں۔

Marfat.com

باب نہم

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی رحلت

جس طرح آپ کے سن ولادت کے بارے میں تذکرہ نگاروں کی آرا مختلف ہیں، اسی طرح آپ کے سن وفات کے بارے میں بھی مختلف آرا ملتی ہیں، تاہم ابن خلقان، ابن شاکر اور ابن عماد حنبلی کے مطابق آپ نے 185ھ میں وفات پائی۔ چند ایک تذکرہ نگاروں نے 180ھ بھی بیان کیا ہے جیسا کہ منادی کی طبقات الصوفیا میں درج ہے۔ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ نے طویل عمر پائی اور اپنی مجاہدات وتقویٰ وخیر انگیزی سے بھرپور زندگی کی بدولت عامتہ الناس سے ''ام الخیر'' کا لقب پایا۔

زندگی کے آخری ایام میں آپ تھکی تھکی سی رہنے لگی تھیں۔ گریہ وزاری میں پہلے سے اضافہ ہو گیا تھا۔ ایک دن کسی نے پوچھا۔

''آپ کیوں روتی اور آہ وزاری کرتی رہتی ہیں؟''

آپ نے جواب دیا۔ ''افسوس، جو بیماری مجھے ہے، اس کا علاج کسی طبیب کے پاس نہیں۔ اس کا علاج تو بس دیدارِ الٰہی ہے۔ میں یہ تکالیف صرف اسی لئے برداشت کر رہی ہوں کہ آخرت میں اپنے مقصود کو حاصل کرلوں۔''

کسی خیر خواہ نے بہ اصرار آپ کو آہ وزاری سے روکنا چاہا تو آپ نے کہا۔ ''میں ڈرتی ہوں کہ کہیں آخری لمحے پر یہ آواز نہ آجائے کہ رابعہ رحمۃ اللہ علیہا ہمارے سامنے کھڑے ہونے کے قابل نہیں۔''

شدید گرمی کے دنوں میں بھی آپ اپنے حجرے میں بند رہتی تھیں۔ ایک دن آپ کی خادمہ اور مخلص ہم نفس نے کہا۔ ''اس گوشہ نشینی کو چھوڑیئے اور باہر نکل کر قدرتِ الٰہی کی نشانیاں دیکھئے۔''

آپ نے اس سے کہا۔ ''باہر کیا جانا، تو اندر آجا اور قدرت کا نظارہ کر۔'' پھر کہا۔ ''مقصود تو نظارہ قدرت ہے، خواہ گھر کے اندر ہو یا باہر۔''

آپ کو ہر چیز میں قدرت کا نظارہ نظر آتا تھا۔ خلوت میں جو وقت بھی گزرتا، عبادت وذکر میں گزرتا۔ اس ضمن میں آپ کو نہ بیماری کی پرواہ ہوتی نہ تکلیف کی۔ آپ شب وروز یہ دعا کیا کرتی تھیں:

''اے میرے آقا! تیرے مقرب بندے تنہائی میں تیرا قرب ڈھونڈتے ہیں، سمندر کی

Marfat.com

مچھلیاں تیری عظمت کے گیت گاتی ہیں، اور تیرے مقدس جلال کی بدولت موجیں باہم متصادم ہوتی ہیں۔ دن کی روشنی، رات کی تاریکی، گردش میں رہنے والے آسمان، گہرے سمندر، روشن چاند، چمکتے تارے، سب تیرے سامنے سجدہ کرتے ہیں، اور ہر چیز ایک خاص اسلوب کے مطابق ہے، کیونکہ تو اعلیٰ اور قہار ہے۔"

آپ کے جسم پر جوں جوں ناتوانی کا غلبہ ہوتا تھا، آپ کا دل اسی قدر بیدار ہوتا جاتا تھا۔ ایک صوفی کا مقصد یہی ہوتا ہے کیونکہ راہِ سلوک میں منزل ظاہر کی آنکھ سے نہیں، دل کی آنکھ سے ہی دیکھی جا سکتی ہے۔

کھانے پینے سے آپ کو کبھی رغبت نہ رہی تھی۔ آپ کے شب و روز عبادتِ الٰہی میں گزرتے تھے۔ جب عبادت کا بوجھ اٹھانا مشکل ہو جاتا اور پنڈلیاں جواب دینے لگتیں تو آپ تھوڑا سا کھا لیتیں۔ اس معاملے میں آپ گوشت کے بجائے سبزی کو ترجیح دیتی تھیں۔

آپ اپنی گوشہ نشینی سے باہر بہت کم آتی تھیں۔ جب باہر آتیں اور کوئی پہچان لیتا تو فوراً آپ سے دعا کا طالب ہوتا۔ آپ پریشان ہو کر راستے سے ایک طرف ہٹ جاتیں اور سائل کو جھڑک کر کہتیں۔ "اللہ تجھ پر رحم کرے، میں کون ہوں! خدا کی بندگی کر اور دعا مانگ کیونکہ وہ پریشان حال کی دعا سنتا ہے۔"

ایسا ہی جواب وہ ان لوگوں کو بھی دیتیں جو اولیا و صوفیا سے کرامات دیکھنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ آپ ہر ایک کو یہی کہتیں کہ عبادت کرو، خدا تمہاری فریاد سنے گا۔

بیماری بڑھی تو آپ کا گھر سے نکلنا بند ہو گیا۔ آپ کو جاننے والے صوفی اور آپ کے معتقدین ہر روز عیادت کے لئے آتے اور آپ کی ڈھارس بندھانے کی کوشش کرتے لیکن کبھی کبھی آپ پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی تھی کہ بے اختیار اشکوں کی لڑی بندھ جاتی اور آپ کی اوڑھنی گیلی ہو جاتی۔

آپ کے چھوٹے سے گھر میں دو گز بانس کی الگنی کے سوا کچھ نہ تھا اور اس پر بھی آپ کا کفن پڑا رہتا تاکہ آخرت کی یاد دلاتا رہے۔ بستر کچی اینٹوں کا تھا۔ اسی پر آپ سوتیں اور نماز پڑھتیں۔ کبھی کبھی زمین پر چٹائی یا پرانا چمڑا بھی بچھا لیتیں۔

آخری ایام میں آپ کا کھانا پینا بالکل چھوٹ گیا۔ قربِ اجل کا احساس قوی ہوا تو اپنی خادمہ عبدہ بنت ابی شوال کو وصیت کر دی کہ میری موت کا علم کسی کو نہ ہونے دینا، میرے جبے کو میرا کفن بنا دینا اور میری صوفیانہ کملی سے میرا سر ڈھانپ دینا۔

جب وقت نزع آیا تو کچھ ہمدم، مرید اور معتقد آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

"راہ کشادہ کر دو...... موت قریب آ گئی ہے۔"

وہ سب غمگین ہو کر اٹھے اور باہر نکل کر دروازے کے پاس کھڑے ہو گئے۔ جس وقت روح نے قفس عنصری سے پرواز کی تو آپ کی زبان پر کلمہ شہادت جاری تھا۔

Marfat.com

آپ کے عقیدت مندوں اور چاہنے والوں نے پُرنم آنکھوں کے ساتھ آپ کا جنازہ پڑھا اور مٹی کی امانت کو مٹی کے سپرد کر دیا۔

آپ کی جائے مدفن کے بارے میں راویوں اور مؤرخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے، تاہم یاقوت حموی اور ابن بطوطہ جیسے محققین و مؤرخین کے مطابق آپ کو بصرہ میں دفن کیا گیا۔ یہی بات قرین قیاس بھی معلوم ہوتی ہے۔ جہاں تک ان قبروں کا سوال ہے، جو آپ سے موسوم ہیں، یعنی ایک وہ جو بیت المقدس کے قرب و جوار میں ہے، اور دوسری وہ جو دمشق کے محلے قمیر یہ میں واقع ہے، یہ علی الترتیب رابعہ بدویہ اور رابعہ شامیہ کی قبور ہیں، جو آپ ہی کی طرح مشہور صوفیہ خواتین تھیں۔ یہ دونوں خواتین آپ کے بعد گزریں اور غالباً آپ سے متاثر ہونے کی وجہ سے خود کو آپ کا ہم نام کہلانے لگیں۔

یوں وہ ہستی اس جہاں سے رخصت ہو گئی جس نے صوفیانہ مسلک میں حب الٰہی کی نئی طرح ڈالی اور جس نے عوام و خواص کے لئے اخلاص و پاکیزگی کے نئے معیارات قائم کئے۔ جس بصیرت، معرفت اور ایمان کی پختگی کے ساتھ آپ نے زندگی بسر کی، وہ ہم سب کے لئے، خصوصاً ہر عہد کی خواتین کے لئے ایک قابل تقلید مثال ہے۔ جو راہ آپ نے کھولی، وہ کبھی بند نہ ہوگی، مگر اس پر چلنا صرف اسی کو نصیب ہوگا جس پر ربِ کریم اپنی معرفت کے خصوصی راز افشا کر دے گا۔

Marfat.com

کتابیات

* قرآن حکیم
* صحیح بخاری
* صحیح مسلم
* صحیح ترمذی
* فقیر بستی از معاذ ہاشمی
* تاریخ اسلام از معاذ ہاشمی
* رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا از سیدہ وداالسکا کینی
* تاریخ عرب وعجم
* اسلام اور روحانیت از صوفی قمر اقبال
* روحانیت حقیقتیں اور دانش از صوفی قمر اقبال
* مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ
* کلیات شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ از معاذ ہاشمی
* تذکرۃ الاولیاء حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ
* اللہ کے ولی، خان آصف
* اللہ کے سفیر، خان آصف
* مکاشفۃ القلوب
* کشف المحجوب
* سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم از مولانا شبلی نعمانی

Marfat.com

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

آسمانِ علم و زُہد کا چمکتا ستارہ، عبادت و فقر کا نمونہ، اولیاء اللہ میں مقامِ اولین کی حامل، عِشقِ الٰہی کا نشان، عصمت و عِفت کا نمونہ

The Story of Hazrat Rabia Basri
For those in search of a teacher

قلندرِ اکمل

سیرت حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ

معاذ ہاشمی

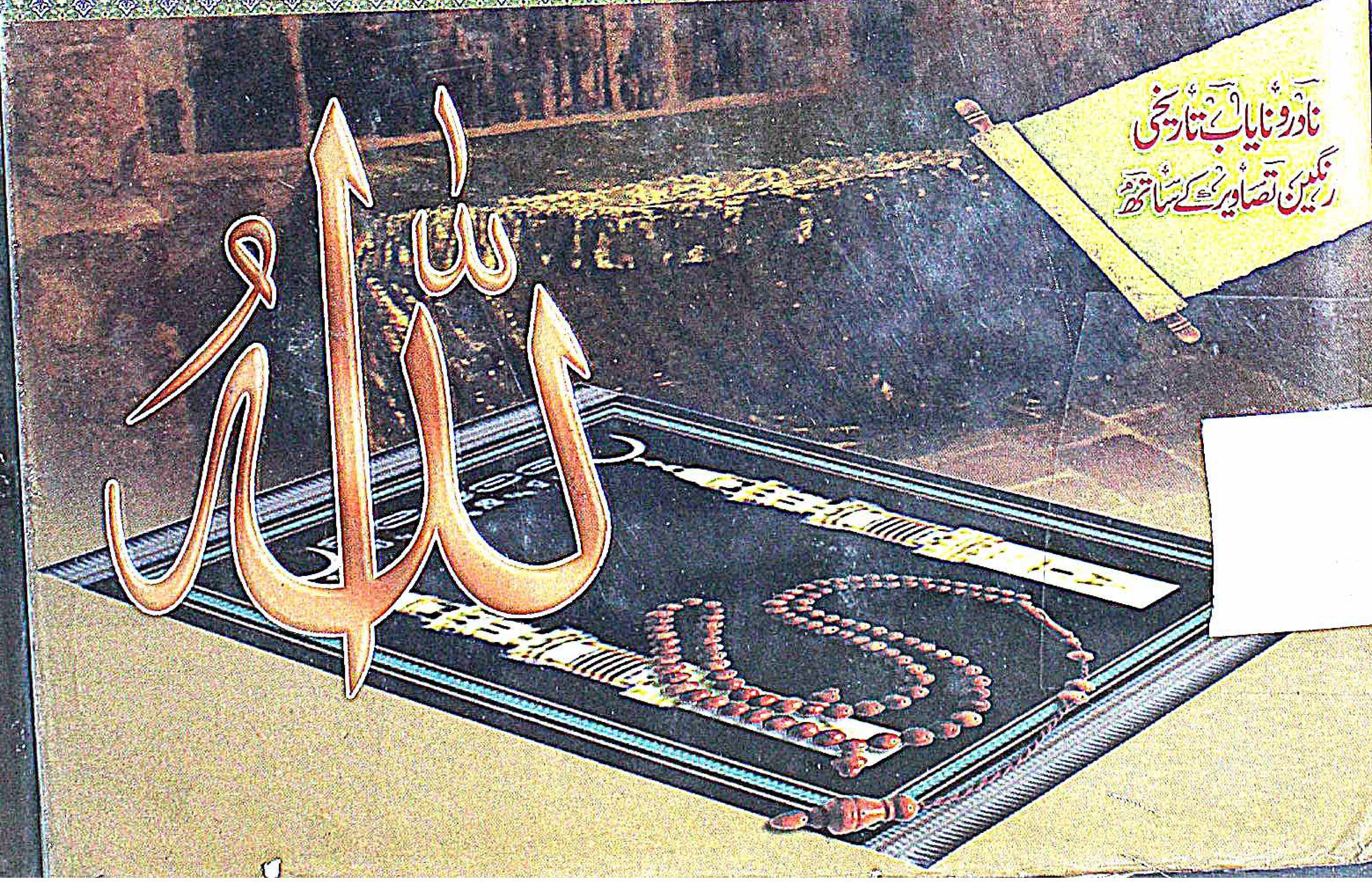

Marfat.com